ابنِ صفی

جلد نمبر
34

جاسوسی دنیا

100- دیو پیکر درندہ

101- ٹسڈل کی بیداری

102- خوفناک منصوبہ



جاسوسی دنیا نمبر 100

دیو پیکر درندہ

(پہلا حصہ)

پیشرس

جاسوسی دنیا کا آئرن جوبلی نمبر ''دیو پیکر درندہ'' حاضر ہے۔

مجھے بے حد افسوس ہے کہ اسے پیش کرنے میں بہت تاخیر ہوئی۔

لیکن کیا کیا جائے۔ انسانی ذہن ہی ہے۔ بعض الجھنیں اور بعض صدمے ایسے ہوتے ہیں جو اسے کسی کام کا نہیں رکھتے۔ میرے والد صاحب چھ سات ماہ سے شدید علیل تھے بالآخر ۲۷/جون ۱۹۶۷ء کو معبود حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنُ

اُن کی علالت کے سلسلے میں آئے دن نت نئی پیچیدگیوں کا سامنا ہوتا تھا۔ ذہن اُن میں الجھا تھا اور میرا اپنا کام جہاں تہاں رہ جاتا تھا۔

ایسے ہی حالات میں یہ کہانی مکمل ہوئی ہے۔ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ اس نمبر کے شایان شان ہے بھی یا نہیں۔ ویسے میں نے کوشش تو یہی کی ہے کہ میرا اپنا معیار برقرار رہے۔

کہانی اگر پسند آجائے تو فبہا ورنہ میرے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے معاف کر دیجئے گا۔

والسلام

ابنِ صفی

۰۱-۰۸-۶۷

سفر

فریدی سو رہا تھا..... کسی قسم کی آواز پر جاگ اٹھا۔ کوئی دروازہ پیٹ رہا تھا۔ وہ چپ چاپ اٹھا اور دروازہ کھول دیا۔

ایک طویل قامت اجنبی سامنے کھڑا تھا۔ فریدی پلک جھپکائے بغیر اُسے دیکھتا رہا۔ متحیر تھا کہ وہ کس طرح اس کی خواب گاہ تک پہنچا ہوگا۔

اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ ''تمہارے رکھوالی کے السیشین مجھ سے مانوس ہیں۔''

''میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''

''مجھے کوئی بھی نہیں پہچان سکتا۔'' اجنبی کا لہجہ بے حد مغموم تھا۔

''اندر آجایئے..... کیا سنتریوں نے بھی آپ کو نہیں ٹوکا.....!''

''میں کئی معاملات میں تمہارا راز دار ہوں بیٹے۔'' اجنبی نے گلوگیر آواز میں کہا۔

لہجہ کچھ جانا پہچانا سا محسوس ہوتا تھا۔ فریدی پیچھے ہٹا اور اسے کرسی پیش کی۔

وہ طویل سانس لے کر بیٹھ گیا اور بولا۔ ''بیٹے کہہ کر مخاطب کرنا تمہیں ناگوار گزرا ہوگا۔ کیونکہ تمہارا ہم عمر ہی لگتا ہوں۔''

فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''میں نے ابھی یہ بھی کہا تھا کہ بعض معاملات میں تمہارا راز دار ہوں۔''

''آپ نے کہا تھا.....؟'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''میں جانتا ہوں کہ جب تم کسی کے علم میں لائے بغیر کوٹھی سے باہر جانا چاہتے ہو تو کون سا

راستہ استعمال کرتے ہو۔''

''مجھے اس پر حیرت ہی ہونی چاہئے۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''میں بہت بڑی دشواری میں پڑ گیا ہوں۔ کوئی بھی ایسا نہیں جو مجھے یا میری دشواریوں کو سمجھ سکے۔''

فریدی اُسے ایسے انداز میں دیکھتا رہا جیسے اس کے بعد کے جملے کا بھی منتظر ہو۔

''تم کیا سمجھتے ہو۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''میں کون ہوں؟''

''یادداشت پر بہت زیادہ زور دینے کے باوجود بھی میں آپ کو نہیں پہچان سکا۔'' فریدی کے لہجے سے ندامت کا اظہار ہو رہا تھا۔

''میں تمہارا ڈی آئی جی ہوں۔'' وہ کرسی سے اٹھ کر پر جوش انداز میں بولا۔

''جی.....!'' فریدی کی آنکھیں پر تمسخر انداز میں آہستہ آہستہ پھیل گئیں۔ اور ''جی'' ضرورت سے کچھ زیادہ ہی طویل ہو گیا۔

''کم از کم تمہیں تو یقین کرنا ہی پڑے گا۔ قطعی طور پر..... یہ آخری حد ہے..... اگر تم نے یقین نہ کیا تو مجھے خودکشی کرنی پڑے گی۔''

فریدی براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔

''ہاں..... میں یہی چاہتا ہوں۔'' اجنبی بولا۔ ''اب تم جو کچھ بھی کہو سوچ سمجھ کر کہو..... اسی پر میری زندگی کا انحصار ہوگا۔ میں تنگ آ گیا ہوں۔''

''چلئے..... میں خاموش ہی رہوں گا۔ آپ اپنا بیان جاری رکھئے۔''

''خدا کے لئے ایسا لہجہ اختیار نہ کرو۔'' اجنبی ہاتھ اٹھا کر مغموم انداز میں بولا۔

''نہیں میں سنجیدہ ہوں۔''

''تم جانتے ہو کہ میں تین ماہ کے لئے بچوں سمیت وادی سرخاب گیا تھا۔''

''آپ.....!'' فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں..... میں.....!''

''لیکن میں کیسے یقین کرلوں۔ آپ کا قد.....!''

''اوہ..... تو تم یہ سمجھتے ہو کہ میں میک اپ میں ہوں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

''میں میک اپ میں نہیں ہوں..... میرے ساتھ وہ حادثہ ہوا ہے کہ جس کا جواب دنیا کی تاریخ میں نہیں ملے گا۔''

فریدی حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اجنبی بھی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ دفعتاً فریدی بولا۔ ''میں ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ انداز گفتگو کچھ جانا پہچانا سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن آواز.....؟''

''میرا سب کچھ بدل گیا ہے۔ خود مجھے اپنی آواز اجنبی سی لگتی ہے۔''

''لیکن لہجہ.....!''

''میں نے اس پر غور نہیں کیا.....؟'' اجنبی بولا۔

دفعتاً فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''اصل مقصد بیان کرو۔''

اجنبی کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے اور پھر اس کی آنکھیں بے حد مغموم نظر آنے لگیں اور اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''اب مجھے مرنا ہی پڑے گا۔''

فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا اب وہ اُسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اجنبی نے کہا۔ ''آخر تم کس طرح یقین کرو گے کہ میں وہی ہوں۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ.....!'' فریدی جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔

''کہو..... کہو..... خاموش کیوں ہو گئے۔''

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ کشمکش میں پڑ گئے ہو۔''

''یقیناً.....!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''کس بناء پر.....؟''

"آپ کا لہجہ اور حرکات وسکنات! لہجے کی نقل تو خیر اتاری جاسکتی ہے۔ لیکن غیر شعوری طور پر جو حرکات سرزد ہوتی ہیں اس کو مستقل طور پر ذہن میں رکھنا قریب قریب ناممکن ہے مثال کے طور پر میرے ڈی آئی جی صاحب جب بھی کسی الجھن میں ہوتے ہیں تو بائیں کان کی لو بائیں ہاتھ کی چٹکی سے مسلسل مسلتے رہتے ہیں اور داہنے پیر کے جوتے کی ٹو رہ رہ کر اٹھتی ہے اور زمین سے لگتی ہے۔"

"خدا کی قسم تمہیں یقین آجائے گا۔" اجنبی خوشی کے مارے اچھل پڑا اور پھر مضطربانہ انداز میں بولا۔ "مجھے یقین تھا..... مجھے یقین تھا کہ تم اس معاملے پر سنجیدگی سے غور کرو گے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حیرت زدہ نظروں سے اُسے دیکھے جارہا تھا۔

"پوچھو.....! مجھ سے کوئی ایسی بات پوچھو۔" اجنبی مضطربانہ انداز میں بولا۔ "جس کا علم میرے اور تمہارے علاوہ اور کسی کو بھی نہ رہا ہو۔"

فریدی نے سر کو اثباتی جنبش دی اور سگار کیس سے سگار نکال کر اُس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "آپ کو..... یہ سگار پسند تھے۔"

"ہاں..... مجھے پسند تھے۔ اب بھی پسند ہیں۔ لیکن میں ترس رہا ہوں۔ ذہن تمباکو کی پیاس بڑی شدت سے محسوس کرتا ہے۔ میں پیتا ہوں لیکن ایک کش سے زیادہ نہیں لے سکتا۔ کیونکہ وہی کش میرے سینے کو چھیل کر رکھ دیتا ہے اور میں دوسرا کش نہیں لے سکتا۔"

فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "پھر بھی..... لیجئے ایک ہی کش سہی۔.....!"

وہ اس سے سگار لے کر سلگانے لگا۔ دو تین کش لئے اور فریدی کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہوا بولا۔ "دھواں حلق سے نیچے اتارنے کی ہمت نہیں رکھتا۔"

"خیر..... یونہی سہی..... آپ نے یہاں سے روانہ ہوتے وقت کیس جی آر تھری کس کے سپرد کیا تھا؟"

"پولیس پی کرائمز کے..... اور یہ تمہارے ہی مشورے پر ہوا تھا۔"

یہ ایسا حوالہ تھا جس کے صحیح جواب پر وہ چونکے بغیر نہ رہ سکا اور پھر تو اس نے سوالات کی بوچھاڑ کردی۔ لیکن ایک بھی ایسا جواب مارک نہ کرسکا جو غیر تشفی بخش ہوتا۔

"میری سمجھ سے باہر ہے یہ معاملہ.....!" فریدی کچھ دیر بعد بڑبڑایا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم اس پر سنجیدگی سے غور کررہے ہو۔" اجنبی بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔

اجنبی نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ "کتنی بڑی ٹریجڈی ہے ہم دونوں ایک دوسرے کو گھورتے ہوئے قریب سے گزر جاتے ہیں۔"

"کون دونوں.....؟"

"میں اور میرا جسم.....!"

"کیا مطلب.....؟"

"میں اور میرا جسم..... تم سمجھتے کیوں نہیں۔ وہ جسم جسے تم سیلوٹ کرتے ہو۔"

"یعنی..... ڈی آئی جی صاحب اور آپ دونوں ایک دوسرے کو گھورتے ہوئے قریب سے گزر جاتے ہیں۔"

"ہاں..... بات کو سمجھنے کے لئے تم یہی کہہ سکتے ہو۔"

"کیا میں اپنے اسسٹنٹ کیپٹن حمید کو بھی جگاؤں؟"

"نہیں.....!" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ہرگز نہیں..... میں اسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ وہ میرا مضحکہ اڑائے گا کیونکہ جسمانی طور پر مجھے پہچان نہیں سکے گا۔"

فریدی اسے تیکھی نظروں سے گھور رہا تھا۔ دفعتاً گونجیلی آواز میں بولا۔ "مذاق ختم..... اب تم مجھے اس طرح یہاں آنے کا مقصد بتاؤ گے۔"

اجنبی کے چہرے پر پہلے تو غصے کی سرخی نظر آئی پھر آہستہ آہستہ گہرے اضمحلال نے اس کی جگہ لے لی۔ آنکھیں مغموم دکھائی دینے لگیں اور وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

"ففف..... فریدی بیٹے۔" اور پھر آواز گھٹ کر رہ گئی اور کرسی کے ہتھوں کے گرد اس کی

انگلیاں تشنجی انداز میں کھلنے اور بند ہونے لگیں۔

فریدی اس کے حرکات و سکنات کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ نرم لہجے میں بولا۔ ''تو اب آپ کیا چاہتے ہیں۔''

اجنبی چونک پڑا اور انگلیوں کی وہ تشنجی کیفیت یکلخت زائل ہوگئی۔ اب اُس کی آنکھوں سے حیرت جھانک رہی تھی۔

''آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

''مجھے میرا جسم واپس چاہئے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''مجھے اپنے اس جسم کے بارے میں کچھ اور بھی بتائیے۔''

''میرا وہ جسم مجھے اس طرح دیکھتا ہے جیسے میں نے اس سے کچھ چھین لیا ہو۔''

''کیا وہ اس وقت بھی نظر آرہا ہے آپ کو۔''

''فریدی.....!'' اُس کے لہجے میں احتجاج تھا۔

فریدی کے ہونٹوں پر پھر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

اجنبی نے کہا۔ ''تم شائد یہ سمجھتے ہو کہ میں کسی آسیبی خلل کا شکار ہوا ہوں۔''

''پھر میں کیا سمجھوں جناب؟''

''کیا مجھے علم نہیں کہ تم ضعیف الاعتقاد لوگوں میں سے نہیں۔'' اجنبی کسی قدر تلخ لہجے میں بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اب وہ اُسے خالی خالی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُسے کھانسی آگئی اور جھنجھلاہٹ میں اُس نے سگار کو ایش ٹرے میں مسل دیا اور پھر جھینپی جھینپی ہنسی کے ساتھ بولا۔

''یہ حشر ہوتا ہے اگر دھواں حلق کے نیچے اُتر جائے۔ ہاں تو میں تمہیں اپنے جسم کے بارے میں بتا رہا تھا وہ مجھے کچھ ایسے ہی انداز میں دیکھتا ہے جیسے میں نے بھی اس کا جسم چھین لیا ہو۔''

''وہ ہے کہاں؟'' فریدی نے اکتائے ہوئے سے انداز میں پوچھا۔

''سرخاب ویلی میں.....اسی ہوٹل میں جہاں میرا قیام تھا۔ ہم دونوں کے کمرے برابر

برابر تھے۔ وہ اب بھی وہیں ہے۔''

''آپ نے اپنے بچوں کا تذکرہ کیا تھا۔''

''وہ کچھ دنوں کے بعد اپنے ماموں کے پاس چلے گئے تھے اور اب تک وہیں مقیم ہیں۔ میں وادی سرخاب ہی میں مقیم رہا تھا کہ اچانک ایک صبح میں نے اپنا جسم بدلا ہوا پایا۔ تم خود سوچو جب میں پہلی بار آئینے کے سامنے کھڑا ہوا ہوں گا تو ذہن کو کتنا زبردست دھچکہ لگا ہوگا۔''

''یقیناً.....یقیناً.....!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''مجھے بہلانے کی کوشش نہ کرو۔'' اجنبی جھنجھلا کر بولا۔ ''تمہاری آنکھوں سے بے چینی جھانک رہی ہے۔''

''میں اپنی آنکھیں خود نہیں دیکھ سکتا۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''کتنی زبردست ٹریجڈی ہے۔'' اجنبی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''میرے جسم نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ورنہ تم ایسے لہجے میں مجھ سے گفتگو نہ کرسکتے۔''

''مجھے اختیار ہے کہ تمہیں گرفتار کرلوں۔'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''تم میری اجازت حاصل کئے بغیر اس راستے سے میرے مکان میں داخل ہوئے ہو جس کا علم میرے یا میرے ڈی آئی جی کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں۔''

''تو پھر مجھ جیسے اجنبی کے لئے تو اس کا جاننا ناممکن ہی ٹھہرا۔'' اجنبی مسکرایا۔

''ممکن ہے۔'' فریدی تکئے کے نیچے سے ریوالور نکال کر اس کا رخ اجنبی کی جانب کرتا ہوا بولا۔ ''تم ڈی آئی جی پر تشدد کر کے اُن سے معلوم کرسکتے ہو۔ لہٰذا جب تک میں ڈی آئی جی کی خیریت دریافت نہ کرلوں، تمہیں میری نجی حوالات میں رہنا پڑے گا۔''

''بڑی خوشی سے۔'' اجنبی پُر مسرت لہجے میں بولا۔ ''یہی طریقہ تمہیں مطمئن کرسکے گا..... میں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

فریدی اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''ہوٹل فیضان کمرہ نمبر گیارہ میں مقیم ہے میرا جسم اور نمبر بارہ میرا ہے.....وادی سرخاب.....!''

"اٹھو.....!" فریدی ریوالور کو جنبش دے کر بولا۔

اجنبی کھڑا ہو گیا۔لیکن اس کے چہرے پر ایسے ہی آثار تھے جیسے وہ اپنی سخت توہین محسوس کر رہا ہو۔

فریدی نے اسے کمرے سے باہر نکالا اور اس کے بائیں پہلو سے ریوالور لگائے ہوئے اُس کے ساتھ چلتا رہا اور کچھ دیر بعد وہ اُسے اپنی زمین دوز حوالات میں منتقل کر رہا تھا۔

اجنبی نے کوئی ایسی حرکت نہ کی جس کی بناء پر کہا جاسکتا کہ فریدی کا یہ رویہ اس کے لئے خلاف توقع رہا ہو۔

فریدی پھر اپنی خواب گاہ میں واپس نہیں گیا۔ ڈرائینگ روم والے ٹیلی فون پر ایک فضائی کمپنی سے رابطہ قائم کر کے اس کی صبح کی پہلی فلائٹ کے متعلق گفتگو کی اور پھر مختلف جگہوں پر دو ایک کالیں اور بھی کیں اور پھر حمید کی خواب گاہ کے لئے ڈائیل کیا۔ کچھ دیر بعد حمید کی جھلائی ہوئی سی "ہلو" سنائی دی۔

"بستر چھوڑ دو۔" فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"کیا فرمایا.....سر توڑ دوں؟"

"بستر چھوڑ دو۔"

"کیا کہیں سے اطلاع ملی ہے کہ میرے بستر میں ٹائم بم رکھا ہوا ہے؟"

"تمہیں چھ بجے والے پلین سے وادی سرخاب جانا ہے۔"

"کسی نے یونہی اڑائی ہوگی۔"

"حمید.....؟"

"یس فادر.....!"

"ایمرجنسی.....ہری اپ.....!"

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر کون سنتا ہے فغان درویش۔حمید کو وادی سرخاب کے لئے روانہ ہونا پڑا تھا۔

جہاز کے ٹیک آف کرنے سے دس منٹ قبل اگر فریدی بھی ایئر پورٹ نہ پہنچ گیا ہوتا تو حمید یہی سوچتا رہ جاتا کہ آخر اچانک وادی سرخاب کیوں؟

"اب تو بتا دیجئے کہ روزانہ کتنے سرخاب مارنے ہوں گے۔" حمید گھگھیایا۔

"وقت کم تھا اس لئے میں پہلے ہی تمہیں ہدایات نہیں دے سکا تھا۔ اپنے ڈی آئی جی صاحب غالباً ہوٹل فیضان کے کمرہ نمبر گیارہ میں مقیم ہیں۔ تمہیں ان کی دیکھ بھال کرنی ہے۔"

"دیکھ بھال.....کیا مطلب.....؟ کیا انہوں نے دودھ پینے کے لئے دوبارہ فیڈر کا استعمال شروع کر دیا ہے۔"

"سنجیدگی سے سنو۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تم بس اُن کی نگرانی کرو گے اور ان کی مصروفیات سے مجھے مطلع کرتے رہو گے۔"

"میں بالکل نہیں سمجھا۔" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تم بالکل اسی طرح ان کی نگرانی کرو گے جیسے کسی ملزم کی کر رہے ہو۔"

حمید گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ "صرف سات منٹ رہ گئے ہیں لہٰذا جلدی سے اس کی وجہ بھی بتا دیجئے۔"

جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کرو.....!"

حمید نے طویل سانس لی اور بولا۔ "کیا مجھے میک اپ میں رہنا ہوگا۔"

"ہرگز نہیں.....تم انکے قریب سے بھی گزر سکتے ہو۔اس طرح کہ وہ تمہیں پہچان سکیں۔"

"اور انہیں سلام کرنا بھی میرے فرائض میں داخل ہوگا۔"

"بالکل.....لیکن تم انکے قریب رک کر اُن سے مزید گفتگو کرنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"اللہ مالک ہے۔" حمید پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

دفعتاً ایک ایئر ہوسٹس قریب آ کر بولی۔ "اب ہمیں اجازت دیجئے کرنل پلیز.....!"

"اوہ.....شکریہ.....شکریہ.....!" فریدی نے کہا اور جہاز سے نیچے اُتر گیا۔

مائیک سے آواز آئی۔

"براہِ کرم پیٹیاں کس لیجئے۔ جہاز ٹیک آف کرنے والا ہے۔"

حمید نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ اُس کے برابر والی سیٹ خالی تھی۔ اگلی دو سیٹوں پر ایک غیر ملکی جوڑا تھا..... بائیں جانب دو عورتیں تھیں ایک ادھیڑ اور دوسری جوان۔

اپنے برابر کی خالی سیٹ پر اُس نے تمباکو کی پاؤچ اور پائپ رکھ دیئے۔

کچھ دیر بعد جہاز بے کراں خلاؤں میں پرواز کر رہا تھا۔ پچھلی رات کی نیند کا خمار غنو بن کر اُس کے ذہن پر مسلط ہوتا رہا۔ سفر بیزاری ہی کے ساتھ شروع ہوا تھا اس لئے ذہن جگائے رکھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

ایک گھنٹہ بعد جہاز نے کریم آباد کے مستقر پر لینڈ کیا اور جہاز کی خالی سیٹیں بھر لگیں۔ حمید کو برابر والی سیٹ سے تمباکو کی پاؤچ اور پائپ اٹھانا پڑا اور پھر جب اُس نے ا قریب رنگین اور ریشمی لہریں محسوس کیں تو دل باغ باغ ہو گیا۔

ظاہر ہے کہ جب وہ لہریں اس کے قریب ہی قیام پذیر بھی ہوگئیں تو تفصیلات معلو کرنے کے سلسلے میں جلد بازی کم از کم حمید کا شعار تو نہیں ہوسکتی تھی۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا ا محسوس کر رہا تھا کہ برابر کی سیٹ پر بیٹھنے والی عورت کی توجہ اُسی کی طرف ہے۔

"کیپٹن حمید۔ کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں؟" آواز داہنے کان میں تیر کی طرح اترتی چ گئی اور حمید بے ساختہ چونک پڑا۔

یہ ڈی آئی جی کی منجھلی لڑکی ڈاکٹر سعیدہ تھی۔

"پپ..... پہچانا..... جناب..... آپ کہاں.....؟"

سعیدہ کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے..... اور اُس نے کہا۔

"کیا تمہیں علم نہیں کہ میں کریم آباد سے تمہارے ساتھ سفر کرنے والی ہوں۔"

"قق..... قسم لے لیجئے۔"

"عجیب بات ہے۔" وہ سر ہلا کر بولی۔

حمید اس طرح اُسے دیکھتا رہا جیسے اُس کی باتیں سمجھ میں نہ آئی ہوں۔

"فریدی صاحب نے فون پر مجھے اطلاع دی تھی کہ میرے لئے اس فلائٹ سے کریم آباد سے سیٹ بک کرادی گئی ہے اور تم بھی میرے ساتھ جا رہے ہو۔"

حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "تو شائد اب مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ میں وادی سرخاب کیوں بھیجا جا رہا ہوں۔"

"اوہ..... تو تمہیں نہیں معلوم۔"

"جی نہیں..... مجھ سے تو صرف اتنا کہا گیا تھا کہ وادی سرخاب کے ہوٹل فیضان میں مجھے قیام کرنا ہے اور بس۔ وہاں کیوں قیام کرنیوالا ہوں اس کا علم شائد میرے فرشتوں کو بھی نہ ہو۔"

"عجیب بات ہے؟"

حمید پھر کچھ نہ بولا اس کی روح فنا ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر سعیدہ..... خدا کی پناہ!

وہ صرف دماغ چاٹنے کی اسپیشلسٹ تھی اور پھر جب دماغ چاٹنے والی کوئی ایسی ہستی ہو جس کا اخلاقاً احترام بھی کرنا پڑے تو ذہن زیادہ تر خودکشی ہی کی طرف مائل رہتا ہے۔

سعیدہ تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر بولی۔ "میں نہیں سمجھ سکتی کہ تمہیں انہوں نے کچھ بتایا کیوں نہیں۔"

"یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔"

"کیوں.....؟"

"میری سمجھ میں بھی آج تک نہیں آئی۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم دونوں ایک ہی ذہنی سطح کے ہیں۔"

"ہوسکتا ہے۔" حمید بڑھتی بات دیکھ کر گھبرایا۔

"ناممکن.....!"

"ہوسکتا ہے۔"

"کیا ہوسکتا ہے؟"

"دراصل میں اونگھ رہا ہوں۔ پچھلی رات بالکل نہیں سو سکا۔"

''کیا کرتے رہے تھے؟''

''بس یونہی جاگتے رہے تھے۔'' حمید بیزاری سے بولا۔

''ناممکن.....ذرا میری طرف تو دیکھو۔''

حمید نے طوعاً و کرہاً اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور وہ بے ساختہ بولی۔

''انسومینا..... قطعی طور پر انسومینا.....!''

''میں نہیں سمجھا۔''

''تم انسومینا کے مریض ہو۔''

''تو پھر کب تک مر جاؤں گا.....؟''

''میرا مذاق اڑا رہے ہو۔'' وہ اُسے گھور کر بولی۔

''یقین کیجئے۔ میں اس مرض کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ ویسے خیال ہے کہ خطرناک ہی ہوگا۔''

''یقیناً خطرناک ہے۔ اور مرنے کے لئے ابھی تمہیں کئی اسٹیجوں سے گزرنا ہوگا۔ انسومینا کے بعد مالیخولیا ہوگا اور یہ دو طرح کا ہو سکتا ہے۔ یا تو تم بالکل ہی بے حس ہو جاؤ گے یا پھر تمہیں جنون ہو جائے گا۔ جنون کی صورت میں تم کسی اونچی عمارت سے چھلانگ بھی لگا سکتے ہو اور شیو کرتے وقت ریزر سے اپنی گردن بھی کاٹ سکتے ہو۔''

''مجھے یقین ہے کہ عنقریب یہی ہوگا۔'' حمید سر ہلا کر سنجیدگی سے بولا۔

''لہٰذا کیوں نہ اس چیز کو انسومینا ہی کے اسٹیج میں ختم کرنے کی کوشش کرو۔''

''وہ کس طرح؟''

''نیند نہ آئے تو خواب آور ادویات کا سہارا لو۔ کسی نہ کسی طرح سات گھنٹے کی نیند ضرور ہونی چاہئے۔''

''اگر یہی حال رہا تو میں ابدی نیند کو ترجیح دوں گا۔''

''کیسا حال.....؟''

''مطلب یہ کہ.....!''

حمید جملہ پورا نہ کر سکا کیونکہ جہاز پھر ٹیک آف کر رہا تھا۔ اس کے بعد اسے وادی سرخاب ہی میں لینڈ کرنا تھا۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید ہی بولا۔

''فریدی صاحب نے کم از کم آپ کو تو یہ بتایا ہوگا کہ آپ سرخاب ویلی کیوں جا رہی ہیں۔''

''انہوں نے مجھے اطلاع دی ہے کہ ڈیڈی کچھ بیمار ہو گئے ہیں اور مجھے ان کی دیکھ بھال کرنی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ لوگ تو ڈی آئی جی صاحب ہی کے ساتھ سرخاب ویلی گئے تھے۔''

''ہاں گئے تو تھے۔ لیکن پھر انہوں نے ہمیں ماموں کے پاس کریم آباد بھیج دیا تھا۔''

''تو وہ اس وقت وہاں تنہا ہیں۔''

''ہوں.....!'' وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ''لیکن فریدی صاحب نے مجھے اُن کی بیماری کی نوعیت نہیں بتائی۔''

''ہو سکتا ہے انہیں بیماری کی نوعیت کا علم نہ ہو.....!'' حمید نے کہا۔

''میں خود معلوم کر لوں گی۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ڈیڈی اپنی علالت کی اطلاع ہماری بجائے فریدی صاحب کو دیں۔''

''ہو گی کوئی سرکاری قسم کی بیماری۔'' حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب..... یہ کہ.....!''

''ہاں..... کہو رک کیوں گئے۔'' وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

''مم..... میرا سر چکرا رہا ہے۔'' حمید اپنی پیشانی تھپکتا ہوا بولا۔

''پہلی بار بیٹھے ہو جہاز پر۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ سوچ رہا تھا یہ بلا کہاں سے پیچھے لگ گئی۔

پھر وہ ڈی آئی جی کے بارے میں سوچنے لگا۔ فریدی نے اُس کے بارے میں کچھ ایسی

ہدایات دیں تھیں جیسے حمید کو اس کی نگرانی کرنی ہے اور سعیدہ کو اس کی بیماری کی اطلاع د
ہوئے کہا تھا کہ حمید اس کے ساتھ جائے گا۔

''تم کیا سوچنے لگے۔'' دفعتاً سعیدہ نے اُسے پھر مخاطب کیا۔

''سوچ رہا ہوں کہ کہیں آپ کو میری تمباکونوشی گراں نہ گزرے۔''

''یقیناً گراں گزرے گی۔ اگر تم میری ناک کے قریب دھوئیں کے بادل اڑاؤ گے۔''

''تو پھر سچ مچ مجھے مر ہی جانا چاہئے۔''

''یہ مرد آج تک میری سمجھ میں نہیں آسکے۔'' وہ بڑبڑائی۔

حمید کچھ نہ بولا۔ بدستور بُرا سامنہ بنائے بیٹھا رہا۔

''میں تم سے کہہ رہی ہوں..... ابھی کچھ دیر پہلے تمہارا سر چکرا رہا تھا اور اب تم پائپ
چاہتے ہو۔ یہ پائپ تو مجھے بالکل ہی صورت حرام لگتے ہیں۔''

''اچھا میں پائپ نہیں پیوں گا۔'' حمید اکتا کر بولا۔

''کیا ہمیشہ کے لئے ترک کردو گے؟''

''اگر اُسکے سلسلے میں اتنا ہی بار میرے ذہن پر پڑتا رہا تو یقیناً ہمیشہ کیلئے ترک کردوں گا۔''

''اس جملے کا مطلب.....؟''

''شاید میرا دماغ چل گیا ہے۔'' حمید اپنی پیشانی سے ہتھیلی رگڑتا ہوا بڑبڑایا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے..... اب یقیناً تم مالیخولیا کے اسٹیج میں داخل ہو جاؤ گے۔ بھلا
راتوں سے نہیں سوئے۔''

حمید نے بے بسی سے ایئر ہوسٹس کی طرف دیکھا جو قریب سے گزر رہی تھی۔

شاید وہ اُسے کسی قسم کا اشارہ سمجھی اور فوراً ہی کسی قدر جھک کر پوچھا۔ ''فرمائیے کیا پیش کروں

''پیراشوٹ.....!'' حمید کراہا اور وہ اخلاقاً ہنستی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

''تم میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔'' سعیدہ آنکھیں نکال کر بولی۔

''شائد میں ابھی اور اسی وقت مالیخولیا کے اسٹیج میں داخل ہو جاؤں گا۔'' حمید اپنی

ٹٹولتا ہوا پُرتفکر لہجے میں بڑبڑایا۔

''بکواس ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ پھیلی پھیلی آنکھوں سے خلاء میں گھورتا رہا۔

''اب تم نے ایکٹنگ شروع کردی۔'' سعیدہ نے بے حد خشک لہجے میں کہا۔ لیکن حمید اُسی
پوز میں نظر آتا رہا۔

پھر ڈاکٹر سعیدہ کے چہرے سے بیزاری کے آثار دکھائی دینے لگے۔

وہ اچھی خاصی قبول صورت لڑکی تھی۔ لیکن طبیعت کا جھکی پن اسے کہیں بھی مقبول نہیں
ہونے دیتا تھا۔ میڈیسن اور سرجری کی ڈگریاں رکھتی تھی۔ لیکن کبھی پریکٹس نہیں کی تھی۔ اسے
افسوس تھا کہ اس نے ڈاکٹری پڑھ کر اپنی صلاحیتیں ضائع کیں۔ اسے تو فلسفے میں کوئی بڑی ڈگری
لینی چاہئے تھی۔

موٹے اور بھدے فریم کی عینک لگاتی تھی اور بے ہنگم سے بے ہنگم لباس میں رہتی تھی۔

لہٰذا حمید کو حیرت تھی کہ وہ اس وقت ریشمی ساری میں کیسے نظر آرہی ہے۔

کچھ دیر بعد وہ پھر حمید کی طرف متوجہ ہوئی اور ایسا لگا جیسے دفعتاً اُسے کوئی بھولی بسری
بات یاد آئی ہو۔

''وہ نیلم نامی لڑکی اب کہاں ہے جو تم لوگوں کیساتھ رہتی تھی۔'' اس نے حمید سے پوچھا۔

''وہ کینیڈا میں تعلیم حاصل کر رہی ہے۔''

''کس کے خرچ پر.....؟''

''کرنل صاحب کے۔''

''سمجھی۔'' وہ سر ہلا کر بولی۔ ''پڑھا لکھا کر شادی کریں گے اُس سے۔''

''آپ غلط سمجھی ہیں۔ وہ انہیں انکل اور مجھے فادر کہتی ہے۔''

''تم دونوں ہی سنکی ہو۔''

''الحمدللہ۔'' حمید اپنی خیالی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

''مجھے چڑاتے ہو۔'' وہ غرائی۔

''غلط سمجھی ہیں آپ۔''

''اچھا بس خاموش رہو۔''

''میں بول کب رہا ہوں؟'' حمید اس طرح چونک کر بولا۔ جیسے سچ مچ ابھی تک خاموش ہی بیٹھا رہا ہو۔

وہ بے حد سنجیدگی سے بولی۔ ''کیپٹن حمید میں تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دوں گی۔''

حمید احمقانہ انداز میں بسور کر رہ گیا۔ کچھ بولا نہیں۔

ڈاکٹر سعیدہ اُسے گھورتی رہی۔ پھر ایئر ہوسٹس کو اشارے سے بلا کر اُس سے کہا۔ ''ان کے لئے بہت ٹھنڈا پانی لاؤ۔''

ایئر ہوسٹس چلی گئی اور حمید سوالیہ انداز میں ڈاکٹر سعیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''ٹھنڈا پانی پیو.....!''

''آخر کس لئے؟''

''ضرورت ہے تمہیں۔ اس طرح احمقانہ انداز میں آنکھیں نہ پھاڑو۔ ایم بی بی ایس کیا ہے میں نے۔''

''لیکن میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔'' حمید بے بسی سے بولا۔

''جب تک تم ڈیڈی کی علالت کے بارے میں نہیں بتاؤ گے ہر پانچ منٹ کے بعد ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلواتی رہوں گی۔''

''میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ آپ ہی کی زبانی مجھے اُن کی علالت کی اطلاع ملی ہے۔''

''میں یقین نہیں کر سکتی۔''

''اچھی بات ہے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''میں ٹھنڈا پانی پیتا رہوں گا۔''

''تمہاری تعریف بہت سنی ہے میں نے.....لیکن.....!''

''لیکن کیا.....؟''

''لیکن یہ کہ حقیقتاً تم بالکل بدھو ہو۔''

''شکریہ۔''

ایئر ہوسٹس پانی لائی۔ حمید کو خواہ مخواہ پینا پڑا۔

''پانچ منٹ بعد پھر.....!'' سعیدہ نے ایئر ہوسٹس سے کہا۔ ''زیادہ بلندی پر خون کے ساتھ ہی ان کا پانی بھی خشک ہونے لگتا ہے۔''

حمید کی کھوپڑی بھنا گئی۔ ڈی آئی جی کی لڑکی نہ ہوتی تو.....تو وہ.....تب بھی صبر ہی کرتا۔ لڑکیوں کے معاملے میں صبر کرنا ہی پڑتا ہے۔ وہ سوچتا رہا.....اور کوشش کرتا رہا کہ اس کا دماغ ٹھنڈا ہی رہے۔

بیس منٹ بعد پلین منزل مقصود پر پہنچنے والا تھا اور ٹھیک پانچ منٹ بعد اُس نے پانی کا دوسرا گلاس پی کر ہاتھ پیر ڈال دیئے۔

''بولو..... بتاتے ہو..... یا پانی ہی پیتے ہوئے سرخاب ویلی پہنچنا چاہتے ہو'' ڈاکٹر سعیدہ نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''ایک کی بجائے آدھا گلاس کرادیجئے'' حمید گھگھیایا۔

اس وقت حمید کا حلیہ ایسا تھا کہ کسی کو بھی ہنسی آسکتی تھی۔ لیکن سعیدہ بالکل ٹھس بیٹھی رہی۔ کچھ یہ نہیں..... اس نے دیدہ دانستہ ہنسی روک کر سنجیدگی اختیار کر رکھی تھی۔ بلکہ اُس کا ٹائپ ہی ایسا تھا..... ماحول کی جس چیز پر خصوصی توجہ صرف کرتی صرف اسی کا احساس بھی ہوتا.....اور بقیہ چیزیں گویا شعور کے دائرۂ عمل ہی سے خارج ہو جاتی تھیں۔

اگر اس وقت اُسے خیال آجاتا کہ اُسے اپنی اس حرکت کا ردعمل حمید پر بھی دیکھنا ہے تو وہ یقیناً ہنستی بھی اور کوئی موضوں سا جملہ بھی چست کرنے کی کوشش کرتی۔

گھر والے اُسے جھکی اور سنکی سمجھتے تھے۔

دولت مند لوگ تھے اس لئے کسی کو اس کی فکر نہیں تھی کہ وہ نجی پریکٹس یا کسی ہسپتال میں

ملازمت کیوں نہیں کرتی۔

اب وہ حمید سے بالکل ہی لاتعلق ہوکر بار بار گھڑی دیکھے جارہی تھی۔

ٹھیک پانچ منٹ بعد ایئر ہوسٹس پھر پانی کا گلاس لائی اور حمید نے ایک گھونٹ لے کر گلاس اُسے واپس کردیا۔

ایئر ہوسٹس نے سعیدہ کی طرف دیکھا اور سعیدہ بولی۔ ''اب صرف آدھا گلاس.....!'' پھر اس نے حمید کو خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''میں نے آدھا کہا تھا۔''

حمید نے پھر گلاس کی طرف ہاتھ بڑھادیا۔

خدا خدا کر کے جہاز کے لینڈ کرنے کا اعلان ہوا اور لوگ اپنے گرد تسمے کسنے لگے۔

جہاز کے لینڈ کرتے ہی پانچ منٹ کا وقفہ بھی پورا ہوگیا اور ایئر ہوسٹس گلاس سمیت سر پر سوار ہوگئی۔ حمید کا دل چاہا کہ اُسے گلاس سمیت ہی باہر پھینک دے۔

''آخری ڈوز.....!'' سعیدہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی اور حمید نے جھلاہٹ میں گلاس اس کے ہاتھ سے لے کر اپنے اوپر الٹ لیا۔

''جہنم میں جاؤ'' وہ بڑبڑاتی ہوئی اپنی سیٹ سے اٹھ گئی۔ نہ صرف ایئر ہوسٹس بلکہ وہ لوگ بھی متحیر نظر آنے لگے جو اس وقت حمید کی طرف دیکھ رہے تھے اور سعیدہ تو اس حرکت کے بعد ایسی لگنے لگی تھی جیسے حمید سے جان پہچان ہی نہ رہی ہو۔

پلین سے نیچے اترتے وقت حمید کی عقل ٹھکانے آ گئی کیونکہ یہاں بادل چھائے ہوئے تھے۔ ٹھنڈک بھی تھی اور بوندا باندی ہو رہی تھی۔

سر بھیگا ہوا تھا..... قمیض بھی بھیگ گئی تھی۔ نیچے اترتے اترتے پے در پے کئی چھینکیں آئیں۔

سعیدہ اس سے کٹی کٹی چل رہی تھی۔ حمید نے سوچا چلو اچھا ہے شائد اسی طرح پیچھا چھوٹ جائے۔

کچھ دیر بعد ہوٹل فیضان کا ایک پورٹر آ ٹکرایا۔

''ہمیں وہیں تو جانا ہے۔'' سعیدہ قریب آ کر بولی۔

حمید نے صرف سر ہلا دیا۔

فیضان کے پورٹر نے ان کے سوٹ کیس ٹیکسی میں رکھوا دیئے۔ حمید کو پھر پے در پے تین چار چھینکیں آئیں اور سعیدہ بولی۔ ''تھوڑا پانی اور انڈیلو اپنے اوپر۔''

حمید بچکانہ انداز میں بسور کر رہ گیا۔ سعیدہ اُسے گھورتی رہی۔

حمید کی بیزاری اور بڑھ گئی۔ کیونکہ اب وہ محسوس کر رہا تھا کہ سعیدہ پوری طرح اس پر توجہ دے رہی ہے۔

ٹیکسی میں بیٹھتے وقت حمید کو پھر دو چھینکیں آئیں۔

''رومال رکھا کرتے ہیں ناک پر چھینکتے وقت۔'' سعیدہ جھنجھلا کر بولی۔

اور حمید نے جیب سے رومال نکال کر ناک پر رکھ لیا۔

ٹیکسی چل پڑی۔

فضا بڑی خوشگوار تھی۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر گہرے مٹیالے بادل جھکے ہوئے تھے۔ آس پاس کی پہاڑیاں سبزے سے لدی کھڑی تھیں اور فضا میں عجیب سی خوشبو رچی بسی تھی۔

''میں نے یونہی خواہ مخواہ رومال رکھے رہنے کو تو نہیں کہا تھا۔'' سعیدہ پھر کڑکڑائی۔

حمید نے رومال گود میں گرا کر ٹھنڈی سانس لی۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

سعیدہ اُسے گھورے جارہی تھی۔

ٹیکسی پُر پیچ چڑھائیوں سے گزرتی رہی۔ بارش اب کسی قدر تیز ہوگئی تھی۔

ایک جگہ ڈرائیور نے گاڑی روک دی اور انہیں بتایا کہ تیز بارش کی صورت میں ان سڑکوں پر حادثات کا خطرہ رہتا ہے۔

اس اعلان پر حمید کو دو چار چھینکیں اور آ گئیں۔

سعیدہ [illegible] منہ بنائے بیٹھی رہی۔ دفعتاً اس نے چیخ کر کہا۔ ''کیا تم اب بھی نہ بتاؤ گے؟''

''خود دیکھ لیں گے چل کر۔''

''کیا....؟'' سعیدہ نے آنکھیں نکالیں۔

''بارش کا پانی مجھ سے نہ پیا جائے گا۔'' حمید نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر کہا۔

''میں سچ کہتی ہوں، تمہیں اس پر بھی مجبور کر دوں گی۔''

''آپ تو اب گولی مار دیجئے مجھے۔'' حمید جھلا کر بولا۔

''اچھی بات ہے..... اچھی بات ہے۔'' وہ سر ہلا کر خاموش ہوگئی اور کھڑکی سے دیکھنے لگی۔

کچھ دیر بعد بارش کا زور کم ہوگیا اور ٹیکسی پھر حرکت میں آ گئی۔

پھر ہوٹل فیضان تک بقیہ سفر خاموشی ہی سے طے ہوا تھا۔

پورٹر ان کے سوٹ کیس اٹھائے ہوئے آگے آگے چلنے لگا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیوں وہ کسی دوسرے ہوٹل کی راہ لے۔ لیکن پھر یاد آیا کہ وہ تو ہوٹل فیضان ہی میں قیام کرنے لئے بھیجا گیا تھا۔ اُسے ڈی آئی جی کی نگرانی کرنی ہے۔

اس کا ذہن ایک بار پھر الجھ گیا۔ فریدی نے تو کوئی واضح بات بتائی ہی نہیں تھ صاحبزادی فرماتی ہیں کہ وہ بھی فریدی ہی کی بھیجی ہوئی آئی ہیں۔

ہال میں پہنچ کر سعیدہ نے کاؤنٹر کلرک سے ڈی آئی جی کے بارے میں کچھ پوچھا حمید ذرا فاصلے پر تھا اس لئے سن نہ سکا۔

پھر اُس نے اُسے تیزی سے زینوں کی طرف بڑھتے دیکھا۔ پورٹر اس کا سوٹ کیس اٹھائے ہوئے اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ حمید کا سوٹ کیس اس نے شائد سعیدہ کی ہدایت مطابق ہال میں ہی چھوڑ دیا تھا۔

حمید کاؤنٹر کلرک سے اپنے قیام کے لئے گفتگو کرنے لگا۔

کاؤنٹر کلرک ایک لڑکی تھی۔ اس لئے مختصر سی گفتگو بھی طویل ہوگئی اور وہ گرد و پیش بے خبر ہوگیا۔ دفعتاً پشت سے کسی نے اُس کا شانہ جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ بوکھلا کر مڑا۔

سعیدہ ہانپتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

''وہ...وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔ مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا.....اُوہ.....اوہ.....!''

جسم لے گیا

ڈی۔آئی۔جی صاحب سر کے بل کھڑے ہوگئے ہوتے۔ مرغ کی طرح بانگ دینے لگتے۔ یا کتوں کی طرح بھونکنے لگتے اس پر حمید کو اتنی الجھن نہ ہوتی جتنی اس طرح شانہ جھنجھوڑے جانے پر ہوئی تھی۔

سعیدہ کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ کر جاگ پڑی ہو۔

حمید نے یونہی اخلاقاً دہرایا۔ ''یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔''

''ہاں..... ہاں.....!'' سعیدہ سر ہلا کر بولی۔ ''انہوں نے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا۔ یقین کرو انہوں نے اس طرح دروازہ بند کیا تھا جیسے کسی غیر متعلق آدمی سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہوں۔''

''کیا وہ اپنے کمرے میں تھے؟''

''ہاں.....!''

''آپ نے بند دروازے پر دستک دی تھی۔''

''ہاں..... انہوں نے دروازہ کھولا تھا اور مجھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے رہے تھے۔ میں نے ان کی طبیعت کے بارے میں پوچھا تھا اور انہوں نے یہ کہہ کر دروازہ بند کر لیا کہ وہ مجھے نہیں پہچانتے۔''

حمید پُر معنی انداز میں سر ہلا کر مسکرایا۔

''کیا مطلب.....؟ تم اس طرح کیوں مسکرائے؟''

''کچھ نہیں۔''

''نہیں بتاؤ۔'' وہ سخت لہجے میں بولی۔

حمید اُسے کاؤنٹر کے پاس سے ہٹا لے گیا۔ وہ اسے جواب طلب نظروں سے گھورے جا رہی تھی۔

حمید نے آہستہ سے کہا۔

''اچھا یہ تو بتایئے کہ انہوں نے آپ لوگوں کو نصیر آباد کیوں بھیج دیا تھا۔''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' سعیدہ آنکھیں نکال کر بولی۔

''آپ میری بات کا جواب دیجئے۔''

''ہم لوگ خود ہی گئے تھے ضد کر کے۔''

''بس تو پھر اب بھگتیے..... قوم ایک بار آزاد ہو جائے تو پھر عرصہ تک رہنا چاہتی ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''خدا کے لئے کہیں بیٹھنے کا ٹھکانہ کیجئے۔''

''پورٹر کہہ رہا تھا کہ برابر کا ایک کمرہ خالی ہے..... مجھے یقین ہے کہ ڈیڈی کی یادداشت کسی حادثے سے متاثر ہوئی ہے۔ میں نے اُن کی آنکھوں میں وحشت دیکھی تھی۔''

''تو پھر وہی کمرہ آپ اپنے لئے لے لیجئے۔ میں اور کہیں جھک ماروں گا۔''

''ہوں..... ہوں.....!'' وہ کسی سوچ میں گم ہو گئی۔

حمید نے ڈی آئی جی کے کمرے کے برابر والا کمرہ بک کرالیا اور کچھ دیر بعد وہ پھر اسی کمرے میں یکجا ہوئے۔

''کیا میں پھر دستک دوں۔'' سعیدہ نے حمید سے پوچھا۔

حمید اونگھ رہا تھا۔ چونک کر بولا۔ ''کوشش کیجئے۔''

''تم بھی چلو.....!''

''مجھے تو شوٹ ہی کر دیں گے۔''

''تم کیا سمجھتے ہو.....؟''

''سمجھ ہی تو خراب ہے میری..... کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''نہیں..... تمہیں چلنا پڑے گا۔''

''میرا خیال ہے کہ ہم اس وقت تک صبر کریں جب تک کہ وہ خود ہی کمرے سے باہر برآمد نہ ہوں۔'' حمید نے کہا اور دوبارہ اونگھ جانے کی تاک ہی میں تھا کہ سعیدہ بولی۔ ''کیا یہ حقیقت ہے کہ فریدی صاحب نے تمہیں ڈیڈی کی علالت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔''

''اب یہ معاملہ اللہ میاں کو ریفر کر دیجئے تو بہتر ہوگا..... میں کسی طرح بھی یقین نہ دلا سکوں گا آپ کو۔''

''اچھا خاموش رہو.....!'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اس کا ذہن نیند سے بوجھل ہو رہا تھا اور وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی سو جانا چاہتا تھا۔

اور پھر ہوا بھی یہی..... پتہ نہیں کیوں سعیدہ نے یہی مناسب سمجھا تھا کہ اُسے سو جانے دے۔ بے سدھ ہو کر سویا تھا..... کرسی کی بے آرامی بھی اُس کی نیند میں مخل نہ ہو سکی۔

پھر جب سعیدہ ہی کے جھنجھوڑنے پر جاگا تو کمرے میں ٹیبل لیمپ روشن تھا اور کھڑکی کے باہر اندھیرے کی حکمرانی نظر آئی۔

''تم سچ مچ واہیات ہو۔'' وہ اُسے گھورتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ ''تمہیں اس کی بھی فکر نہیں ہے کہ ابھی تک.....!''

وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گئی۔ لیکن حمید کو اب بھی گھورے جا رہی تھی۔

حمید انگڑائی لے کر سیدھا ہو بیٹھا۔ وہ اُسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پلکیں جھپکاتا رہا۔

''میں ابھی ڈائننگ ہال میں تھی۔'' سعیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ جملہ اس نے اس بات کے بجائے کہا ہو جسے پہلے کہنا چاہتی ہو اور کہتے کہتے رک گئی تھی۔

"مرضی کی مختار ہیں..... جہاں چاہیں جاسکتی ہیں۔" حمید شانے سکوڑ کر بولا۔

"پوری بات سنے بغیر مت بولا کرو۔"

حمید نے یونہی رواروی میں سر ہلا دیا۔

وہ کہتی رہی۔ "ڈیڈی وہاں موجود ہیں۔ اپنی میز پر تنہا..... میں نے اُن کے قریب ہی ایک میز اپنے لئے منتخب کی اور اس طرح بیٹھی کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ سکیں۔ انہوں نے مجھے دیکھا لیکن میری طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ اب بتاؤ کیا کیا جائے۔"

حمید سنبھل کر بیٹھ گیا۔

وہ اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "اب تو مجھے بھی تشویش ہونی چاہئے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"ڈائننگ ہال میں بھی نہ پہچانا.....!"

"تو پہلے تم کیا سمجھتے تھے؟"

"چھوڑیئے۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "اپنے ڈی آئی جی صاحب کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات نہ سوچنی چاہئے۔"

"پہلے کیا سوچ رہے تھے تم۔" وہ آنکھیں نکال کر غرائی۔

"دیکھئے.....بس اب بات نہ بڑھایئے..... مجھے کچھ کرنے دیجئے۔" حمید نے کہا اور اٹھ گیا۔

ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ ڈائننگ ہال میں جانے کے لئے تیار ہوگیا۔

"میں بھی چلوں.....!" سعیدہ نے پوچھا۔

"فی الحال آپ یہیں ٹھہریئے۔"

سعیدہ کچھ نہ بولی۔

حمید ڈائننگ ہال میں پہنچ کر کاؤنٹر کے قریب رک گیا۔ ادھر اُدھر نظر دوڑائی۔ بالآخر ڈی آئی جی دکھائی دیا۔ وہ اپنی میز پر تنہا تھا۔ کھانا کھا چکا تھا لیکن ویٹر نے ابھی برتن نہیں ہٹائے تھے۔

حمید آگے بڑھا۔

ڈی آئی جی کے قریب کی ایک میز خالی تھی۔ ڈی آئی جی نے اس کی طرف دیکھا۔

حمید نے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا۔ ڈی آئی جی نے سلام کا جواب تو دے دیا لیکن حمید نے اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار صاف پڑھے۔

وہ چپ چاپ خالی میز کے قریب بیٹھ گیا۔ ڈی آئی جی اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ حمید نے دو ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں شناسائی کی ہلکی سی جھلک بھی نہ پائی۔

پھر اُس نے ڈی آئی جی کو اٹھتے دیکھا اور وہ اٹھ کر سیدھا اُسی کی طرف آیا۔

"کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔" حمید نے اس کی بھرائی ہوئی آواز سنی۔ حمید تو پہلے ہی بوکھلا کر کھڑا ہوگیا تھا۔ گھگھیا کر بولا۔ "یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟"

"میں پوچھ رہا ہوں..... کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔ بیٹھ جایئے۔"

اور حمید کے بیٹھنے سے پہلے خود کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

حمید پر کچھ عجیب سی سراسیمگی طاری تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ کبھی اس کا ڈی آئی جی اُسے اس طرح مخاطب کرے گا۔

بہرحال وہ بھی بیٹھ گیا۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا.....؟"

"جناب عالی! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کے اس سوال کو کیا سمجھوں؟"

"ہوں.....!" وہ اُسے بغور دیکھتا ہوا بولا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ مجھے بہت زیادہ جانتے ہیں اور آپ کو میرے اس سوال پر حیرت ہے۔"

"جی ہاں.....!" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "مجھے حیرت ہے۔"

"اچھا بتایئے..... میں کون ہوں..... میرا کیا نام ہے؟"

"آپ میرے باس ہیں۔"

"خدا کی پناہ..... اس حد تک جانتے ہیں۔"

"جناب عالی! آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔"

''میں کس قسم کا باس ہوں..... خدارا بتائیے۔''

''میرے محکمے کے ڈی آئی جی ہیں آپ.....!''

''نہیں.....!'' ڈی آئی جی اچھل پڑا۔

اس حرکت میں ذرہ برابر بھی بناوٹ نہیں تھی۔ وہ کچھ دیر تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ''کیا آپ میرے کمرے تک چلنے کی زحمت فرمائیں گے۔''

''یقیناً..... جناب عالی.....!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''تشریف لے چلئے جناب۔'' ڈی آئی جی نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

''آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔'' حمید جھینپے ہوئے لہجے میں بولا۔

ڈی آئی جی اُسے اپنے کمرے میں لایا اور کئی منٹ تک خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ''آپ کا کیا عہدہ ہے جناب.....؟''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح اپنی حیرت کا اظہار کروں۔'' حمید بڑبڑایا۔

''میں نے کیا پوچھا تھا آپ سے؟''

''ارے جناب میں ساجد حمید ہوں..... کرنل فریدی کا اسسٹنٹ.....!''

''یہ نام بھی میرے لئے نیا ہے اور دوسرا بھی۔''

''آپ نے ڈاکٹر سعیدہ کو بھی نہیں پہچانا۔''

''کون ڈاکٹر سعیدہ۔''

''آپ کی منجھلی صاحبزادی۔''

''میری کوئی منجھلی صاحبزادی نہیں..... میں لاولد ہوں..... دو بیویوں میں سے کسی سے بھی کوئی بچہ نہیں ہوا۔''

''صاحب مجھے اب یہ کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے کہ مجھے حیرت ہے۔'' حمید پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

وہ دردناک لہجے میں بولا۔ ''میرے ساتھ بہت بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے۔ ایک آدمی نے مجھ سے میرا جسم چھین لیا ہے۔ اپنا بوڑھا جسم میرے حوالے کر گیا۔''

حمید فوری طور پر فیصلہ نہ کر سکا کہ اُسے اس بات پر ہنسنا چاہئے یا سر پیٹ لینا چاہئے۔ احمقوں کی طرح جلدی جلدی پلکیں جھپکاتا رہا۔

کچھ دیر بعد ڈی آئی جی پھر بولا۔ ''کیا میری بات سمجھ میں نہیں آئی۔''

''شاید میں پاگل ہو جاؤں اگر یہ یقین کرلوں کہ آپ سنجیدہ ہیں۔''

''میں بالکل سنجیدہ ہوں۔''

حمید نے ایک بار پھر اس کا نیچے سے اوپر تک جائزہ لیا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ کہتا بھی کیا۔ اس کی دانست میں ڈاکٹر سعیدہ کا یہ خیال قطعی درست تھا کہ ڈیڈی اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔

پھر کچھ نہ کچھ بولنا بھی ضروری تھا۔ لہٰذا بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''کیا میں ڈاکٹر سعیدہ کو یہاں بلا لاؤں۔''

''فضول ہے..... اوہ..... خوب یاد آیا..... آج دوپہر کو ایک لڑکی نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا..... غالباً ڈیڈی کہہ کر مخاطب بھی کیا تھا۔ لیکن میں اسے نہیں جانتا۔''

''جی ہاں..... ڈاکٹر سعیدہ نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا۔''

''کتنی بھیانک ٹریجڈی ہے۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

حمید پھر کچھ نہ بولا۔

''یہ میری بدنصیبی ہے کہ وہ بھی دفعتاً غائب ہو گیا.....؟''

''کون.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''وہی جو مجھ سے میرا جسم چھین لے گیا۔''

''جسم لے گیا.....؟'' حمید نے متحیرانہ لہجے میں دہرایا۔

''جی ہاں..... وہ برابر ہی کے کمرے میں مقیم تھا۔ کل سے غائب ہے۔''

''یہ بات تو بالکل ہی سمجھ میں نہیں آئی۔'' حمید نے کہا۔ پھر سوچا کیوں خواہ مخواہ ایک

پاگل سے سرمار رہا ہے۔ یہ حضرت یقینی طور پر اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں۔

"اب آپ تشریف لے جاسکتے ہیں۔" دفعتاً ڈی آئی جی نے بے حد خشک لہجے میں کہا۔

"بہت بہتر جناب۔"

"بہر حال یہ بات میری سمجھ میں آ گئی کہ ایک پولیس آفیسر نے میرے جسم پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ میرا جوان جسم لے گیا اور اپنا بوڑھا اور ناکارہ جسم میرے حوالے کر گیا۔"

"اچھا جناب.....!" حمید نے پیشانی تک ہاتھ لے جا کر اُسے سلام کرتے ہوئے دروازے کی طرف کھسکنا شروع کیا۔

اور پھر جو کمرے سے نکلا ہے تو سرپٹ کی رفتار ہی سے ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔ فوری طور پر اپنے کمرے میں جانے کی ہمت نہیں پڑی تھی۔ کیونکہ جس شخص سے پیچھا چھڑا کر بھاگا تھا وہاں اس کی لڑکی موجود تھی۔

حمید نے سوچا کہ اس خاندان میں پاگل پن کے جراثیم نسلی معلوم ہوتے ہیں۔ صاحبزادی صاحبہ جو ابھی صرف سنکی نظر آتی ہیں آگے چل کر یقینی طور پر ذہنی توازن کھو بیٹھیں گی۔ والد صاحب بھی جوانی میں ایسے ہی رہے ہوں گے۔ اس عمر میں آ کر اچانک پاگل ہو گئے۔ جناب کا جسم ہی کوئی پار کر لے گیا..... ہونہہ......

وہ کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

لیڈی کلرک نے کئی بار اُسے کنکھیوں سے دیکھا لیکن کچھ بولی نہیں۔ ویسے انداز سے ظاہر ہوتا تھا جیسے اُسے اس کا وہاں اس طرح کھڑے رہنا پسند نہ ہو۔

کچھ دیر بعد اس نے لیڈی کلرک سے کہا کہ وہ فون پر اس کے کمرے سے رابطہ قائم کرادے۔ لیڈی کلرک نے نمبر ڈائیل کر کے ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ہیلو.....!" حمید ماؤتھ پیس میں بولا۔ "براہِ کرم اب ڈائننگ ہال میں آ جایئے۔ وہ چلے گئے اپنے کمرے میں..... شکریہ۔"

ریسیور لیڈی کلرک کو دے کر وہ پھر اسی میز کی طرف چل پڑا جس پر کچھ دیر پہلے تھا۔

سعیدہ نے وہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگائی۔ اس بار وہ ہمہ تن سوال بن کر حمید پر نازل ہوئی تھی۔ حمید نے اُسے بتایا کہ ڈی آئی جی صاحب اُسے بھی نہیں پہچان سکے اور پھر اُس نے پوری روداد دہرا دی۔

ڈاکٹر سعیدہ خلاء میں گھورے جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"میں جانتی تھی ایک دن ایسا ضرور ہوگا۔"

"جی.....!" حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"جوانی میں انہیں ایک سرکس گرل سے عشق ہو گیا تھا۔"

"یا ایہا الفرہاد.....!"

"مضحکہ نہ اڑاؤ..... سنجیدگی سے سنو۔"

"جی..... میں سن رہا ہوں۔" حمید کراہا۔

"سنجیدہ ہو جاؤ۔" وہ آنکھ نکال کر بولی۔

حمید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے خاموش بیٹھا رہا۔

"کیا انہوں نے اس وقت یہ نہ سوچا ہوگا کہ کاش وہ، وہ نہ ہوتے جو تھے۔"

"وہ، وہ نہ ہوتے جو تھے.....!"

"ہاں ان کا سوشل اسٹیٹس اس بات کی اجازت نہ دیتا کہ وہ ایک معمولی سرکس گرل سے شادی کر لیں۔"

"سمجھا.....!"

"وہ اب تک یہی سوچتے آئے ہوں گے کہ کاش اُس سے شادی ہو گئی ہوتی۔"

"ممکن ہے۔" حمید اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔

"ممکن نہیں ہے..... یقینی طور پر سوچتے ہوں گے۔"

"چلیے صاحب..... سوچتے ہوں گے۔"

"اور آج اُس لاشعوری خواہش نے انہیں اپنے وجود ہی سے منکر کر دیا۔"

"محترمہ.....وہ تو کہہ رہے تھے کہ اُن کا جسم ہی ہتھیا لیا کسی نے۔"

"کچھ ہی ہو.....وہ ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں.....اور وجہ وہی سرکس گرل ہے۔"

"تو سرکس گرل کی وجہ سے یہ ذہنی قلابازی عالم وجود میں آئی ہے۔"

"سرکس گرل کی رعائت سے ذہنی قلابازی کا استعمال مناسب ہے۔"

"آپ جملوں پر غور کرنے لگیں۔ میں پوچھ رہا تھا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

"گھر واپس لے چلیں گے۔"

"تماشا بننے کا ارادہ ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کیوں.....؟"

"اگر ہوٹل کا عملہ انہیں پاگل سمجھتا تو یہاں تنہا قیام ہی کیوں کرنے دیتا۔ پولیس کو اس اطلاع دی جاتی۔"

"اچھا پھر.....؟"

"دیکھئے..... میں فی الحال آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کو اپنے لئے علیحٰدہ کمرے کا انتظام کرنا پڑے گا۔ جب وہ آپ کو اپنی بیٹی ہی تسلیم کرنے پر تیار نہیں تو پھر آپ اپنے کمرے میں کیوں قیام کرنے دیں گے۔"

ڈاکٹر سعیدہ فوراً ہی نہیں بولی۔ وہ کچھ سوچنے لگی تھی۔

حمید اس کی رائے کا منتظر تھا۔ جب اس نے بالکل ہی چپ سادھ لی تو پھر بولنا ہی پڑا۔

"آپ کیا سوچنے لگیں۔"

"یہی کہ آدمی کتنا بے بس جانور ہے۔"

"میں کمرے کی بات کر رہا تھا محترمہ.....!"

"کمرے کی کیا بات تھی.....!" وہ چونک پڑی۔

"آپ رات کہاں بسر کریں گی۔"

"کیا تم بھی پاگل ہو گئے ہو۔" ڈاکٹر سعیدہ نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"ممکن ہے یہاں کی آب و ہوا مجھے بھی پاگل بنا دے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"کیوں؟ کہاں چلے؟"

"اب مجھے اپنے باس کو رپورٹ دینی ہے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"مجھے قیام و آرام کے لئے نہیں بھیجا گیا تھا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے؟"

"کچھ نہیں.....آپ اسی کمرے میں جا کر آرام کیجئے گا۔"

"اور تم.....!"

"میرے لئے ضروری نہیں کہ رات کمرے میں گزاردوں۔"

وہ سر جھکا کر بڑبڑائی تھی۔ حمید سن نہ سکا۔ وہ دیر سے سوچ رہا تھا کہ اب اس لڑکی سے پیچھا چھڑا کر کچھ وقت کھلی ہوا میں بھی گزارا جائے۔

ہوٹل فیضان کے باہر ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ اُس نے ڈرائیور سے پولیس ہیڈ کوارٹر چلنے کو کہا کیونکہ بذریعہ ٹرانسمیٹر فریدی کو رپورٹ دینی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہو گیا اس بھاگ دوڑ میں۔اور بھوک اچھی طرح چمک اٹھی۔

پولیس ہیڈ کوارٹر سے واپسی پر وہ ایک ریسٹوران میں داخل ہو گیا۔

سیخ کباب کی خوشبو اُسے یہاں لائی تھی۔

سرخاب ویلی کے سیخ کباب دور دور تک مشہور تھے۔ ہرنوں جیسے سینگ والے پہاڑی بکروں کا گوشت ان کے لئے مخصوص تھا اور یہ کباب کھانے کی معمولی دوکان سے لے کر اعلیٰ درجہ کے ہوٹلوں تک کی زینت تھے۔ بڑا بازار جہاں کھانے کی بے شمار دوکانیں تھیں۔ سرِ شام ہی انگاروں پر سینکے جانے والے کبابوں کی خوشبو سے مہکنے لگتا۔

اسی مناسبت سے بعض لوگ اسے وادی کباب بھی کہتے تھے۔

حمید ریسٹوران میں داخل ہوتے ہی بھونچکا رہ گیا۔ کیونکہ اُس نے آج تک کسی کاؤنٹر پر

کباب سینکے جاتے نہیں دیکھے تھے۔ وادی سرخاب بھی پہلی ہی بار آیا تھا۔
لمبے سے کاؤنٹر پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک بجلی کے چولہے رکھے ہوئے
اور ان پر کبابوں کی سیخیں چڑھی ہوئی تھیں۔

وہ ایک خالی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

ریستوران میں خاصی بھیڑ تھی۔ زیادہ تر لوگ نان اور کباب ہی کھاتے نظر آئے۔
کئی خوبصورت ''یلالیلیاں'' بھی دکھائی دیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی تنہا نہیں تھی۔

کچھ دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ ریستوران میں سلف سروس کا طریقہ رائج ہے۔ لو
خود ہی کاؤنٹر سے چیزیں خرید کر میزوں پر آبیٹھتے ہیں۔ اسے یہ طریقہ پسند نہیں تھا۔ لیکن
کرتا۔ اب تو آ ہی پھنسا تھا۔ اٹھ کر کاؤنٹر سے نان اور کباب خریدے اور ٹرے اٹھائے ہو
پھر میز پر آبیٹھا۔

سر جھکائے کھا رہا تھا کہ ایک اور ٹرے بھی اُسی میز پر آ ٹکی جسے دو خوبصورت ہاتھ تھا
ہوئے تھے۔ نظر آہستہ آہستہ ان ہاتھوں سے چہرے کی طرف اٹھی اور دفعتاً حمید کو محسوس ہوا
کچلا ہوا نوالہ منہ سے باہر آجائے گا۔

وہ ڈاکٹر سعیدہ کا خونخوار چہرہ تھا۔

''سس.....سام الیکم.....!'' حمید نے بوکھلاہٹ میں ایک عدد سلام جھاڑ دیا۔

سعیدہ چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر اپنی ٹرے کی طرف متوجہ ہوگئی۔

اپنے آفیسروں کی لڑکیاں حمید کو سخت ناپسند تھیں چاہے وہ چاند کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو
اُسے حیرت تھی کہ سعیدہ یہاں کیسے آپہنچی۔

نان اور کباب زہر مار کرتا رہا۔ شائد سعیدہ کو توقع تھی کہ وہ اُس کی موجودگی پر حیرت
کرے گا لیکن جب حمید کچھ نہ بولا تو اس نے کھرکھراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''اسے بے شرمی کہتے ہیں۔''

''کیسے.....؟'' حمید چونک کر بولا۔

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے اخراجات بھی تمہارے ہی ذمہ ہوں گے۔''

''لاحول ولا قوۃ.....سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''پھر اس طرح چھپ چھپ کر کیوں کھاتے پھر رہے ہو۔''

''پلیز.....ڈاکٹر.....!''

''تم کسی طرح بھی میرے اس الزام کی تردید نہیں کر سکو گے۔''

''اچھی بات ہے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''تو یہی سہی۔''

''میں نے تمہارا تعاقب کیا تھا۔''

''آخر اس کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔''

''اگر کسی بیوقوف کو کسی نئی جگہ پر تنہا چھوڑ دیا جائے تو وہ اور زیادہ بیوقوف ہو جاتا ہے۔''

''لہٰذا آپ اور زیادہ بیوقوف نہیں ہونا چاہتیں۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''کیا.....؟'' وہ ہاتھ سے نوالہ رکھ کر اُسے گھورنے لگی۔

''بات بات پر گھورنا عقلمندی کی علامت نہیں۔''

وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد جلے کٹے لہجے میں بولی۔ ''مجھے علم ہے کہ آپ بڑے
حاضر جواب اور بذلہ سنج واقع ہوئے ہیں۔ لیکن میں اس کی عادی نہیں۔''

''بننا پڑے گا۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

''کیا مطلب.....تم ہوش میں ہو کہ نہیں؟''

''ڈاکٹر سعیدہ.....میں آپ کا بڑا احترام کرتا تھا.....لیکن.....!''

''لیکن کیا.....؟''

''لیکن یہ کہ اتنی بلندی پر آب و ہوا بالکل بدل جاتی ہے۔''

''فضول باتیں نہیں.....تم اس قابل نہیں کہ تم سے بات بھی کی جائے۔'' سعیدہ غرائی اور
پھر اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

حمید نے بھی سوچا بات نہ بڑھے تو بہتر ہے۔ ویسے اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اگر اُس نے

بہت زیادہ بور کیا تو وہ اپنی اصل روش پر آ جائے گا۔ احترام کی بھی حد ہوتی ہے۔

وہ کھانے میں دیر لگاتا رہا۔ سعیدہ نے جلد ہی اپنی پلیٹ صاف کر دی تھی۔ کھانے بھی اس کا بوہیمین انداز برقرار رہا تھا۔

''عورتوں سے بدتر.....!'' وہ کچھ دیر بعد بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑائی۔

لیکن حمید کے کان پر جوں نہ رینگی۔ وہ اسی طرح آہستہ آہستہ کھاتا رہا۔ یہی نہیں اب وہ کاؤنٹر کے قریب کھڑی ہوئی ایک لڑکی کو مسلسل گھورتے بھی جا رہا تھا۔

سعیدہ بھی اُس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

وہ لڑکی کاؤنٹر پر جھکی ہوئی کلرک سے گفتگو کر رہی تھی۔ دفعتاً اس نے کلرک کے منہ ہاتھ جھاڑ دیا۔

''ہات تیری کی.....!'' سعیدہ اچھل کر بولی۔

دوسری طرف کاؤنٹر کلرک بھی کرسی سے اٹھ گیا تھا۔

''تم پاگل ہو گئی ہو.....!'' وہ دہاڑا۔

''تم خود پاگل ہو گئے ہو۔'' لڑکی چیخی۔

''چلی جاؤ یہاں سے۔''

''میں تمہارا خون پی لوں گی۔''

''سچ کہتا ہوں..... پولیس کو بلا لوں گا۔''

''بلاؤ پولیس کو.....!'' وہ چیخی۔ ''میں شکیلہ ہوں..... شکیلہ ہوں..... شکیلہ ہوں۔ مجھے دھوکہ دیا۔''

لوگ میزوں سے اٹھ اٹھ کر کاؤنٹر کے قریب جمع ہونے لگے۔

حمید نے بھی اٹھنا چاہا لیکن سعیدہ غرائی۔ ''بیٹھے رہو۔''

''اب اگر کلرک نے بھی اُسے تھپڑ مار دیا تو اس کی گردن ہی ٹوٹ جائے گی۔''

''میں کہتی ہوں بیٹھے رہو۔'' لیکن حمید اٹھ کر بھیڑ میں آ ملا۔

لڑکی چیخے جا رہی تھی۔ ''کمینہ..... ذلیل..... کل تک کہتا تھا کہ میں تمہاری آہٹ پہچان سکتا ہوں اور آج..... مجھے ہی نہیں پہچان سکتا۔''

کلرک نے بے بسی سے مجمع کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''آپ حضرات یقین فرمائیں کہ میں نے اس لڑکی کو آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔''

''تو مجھ سے کہا کرتا تھا کہ اگر تمہاری صورت بھی مسخ ہو جائے تو میرے دل کی دھڑکنیں مجھے تمہاری ہی طرف لے جائیں گی؟''

''میں تمہیں نہیں جانتا.....!'' کلرک حلق پھاڑ کر چیخا۔

اتنے میں بائیں جانب ایک دروازہ کھلا اور ایک دراز قد آدمی اُس سے گزر کر ان کے قریب آ کھڑا ہوا۔ چند لمحے ان کی بک جھک سنتا رہا پھر کاؤنٹر کلرک سے تیز لہجے میں بولا۔

''اٹھو.....اور باہر چلے جاؤ۔''

''جج..... جناب عالی..... یہ بالکل جھوٹ ہے۔'' کلرک ہکلایا۔

''شٹ اپ اینڈ گیٹ آؤٹ۔''

حمید نے کلرک کے چہرے پر بھی جھلاہٹ کے آثار دیکھے۔

وہ کاؤنٹر پر ہاتھ ٹیک کر ادھر کود آیا اور ایک لمحہ کا توقف کئے بغیر باہر نکلا چلا گیا۔

لڑکی اس کے پیچھے تھی۔ حمید نے بھی انہیں کی جانب قدم بڑھائے اور یہ قطعی بھول گیا کہ سعیدہ بھی اس کے ساتھ ہے۔

کلرک اور وہ لڑکی تو تو میں میں کرتے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ حمید اُن سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ اُن کے ساتھ ہی کچھ اور لوگ بھی ریستوران سے نکلے تھے لیکن انہیں وہاں ٹھہرتے نہ دیکھ کر پھر اندر چلے گئے تھے۔

دفعتاً حمید نے کلرک کو رکتے دیکھا۔ لڑکی بھی رکی اور حمید اس طرح بائیں جانب والے نشیب میں اتر گیا جیسے وہ کوئی غیر متعلق راہ گیر ہو اور یہاں سے اس کا راستہ الگ ہو گیا ہو۔

دن بھر کی بوندا باندی کے بعد اس وقت مطلع صاف ہو گیا تھا اور تارے اپنی پوری آب و

تاب کے ساتھ چمک رہے تھے۔

حمید نشیب میں اُترا اور پھر ایک چٹان سے چپک کر رہ گیا۔ وہ دونوں اُسی جگہ کھڑ
گفتگو کر رہے تھے۔ حمید کا اندازہ تھا کہ وہ اُسے نہیں دیکھ سکیں گے۔

کلرک کہہ رہا تھا۔ ''میرا خیال ہے کہ تم شکیلہ کی کوئی سہیلی ہو۔''

''اب میں پاگل ہو جاؤں گی۔'' لڑکی دردناک آواز میں بولی۔

''سچ بتاؤ تم کون ہو۔'' کلرک کی آواز آئی۔ ''اور مجھے اس طرح ذلیل کرنے کا کیا
تھا۔ جانتی ہو..... تمہاری اس حرکت کی بناء پر میری ملازمت بھی گئی۔''

''میں کیا کروں..... میں کیا کروں۔'' لڑکی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''اے کون ہے؟ یہ عورت کیوں رو رہی ہے۔'' دفعتاً حمید نے ڈاکٹر سعیدہ کی گونجیلی
سنی۔ وہ شائد ان لوگوں کے قریب پہنچ چکی تھی۔

''آپ کون ہیں.....؟'' کلرک نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں پوچھ رہی ہوں.....!''

''اپنا راستہ لیجئے..... آپ ہیں کون پوچھنے والی۔'' کلرک کی آواز آئی۔

عورت نے رونا بند کر دیا تھا۔ حمید نے سوچا کہیں بات بڑھ نہ جائے۔ اُسے
شدت سے تاؤ آ رہا تھا۔ آخر دخل اندازی کی کیا ضرورت تھی۔

اُسے اُوٹ سے نکلنا ہی پڑا۔ نشیب سے اوپر چڑھتا چلا گیا۔ تاروں کی چھاؤں
دھندلے سائے صاف دیکھے جا سکتے تھے۔

''کیا ہوا..... کیا بات ہے؟'' اُس نے اُن کے قریب پہنچ کر کہا۔

''کچھ نہیں صاحب۔ کوئی بات نہیں۔'' کلرک کے لہجے میں جھلاہٹ ابھی باقی تھی

''میں نے اس لڑکی کو روتے سنا تھا۔'' سعیدہ بول پڑی۔

''ارے آپ قاضی ہیں یا ملا.....!''

''میں قاضی ہوں..... اور یہ ملا نہیں ایک خاتون ہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''خفا
ضرورت نہیں۔ کیوں شکیلہ کیا بات ہے تم ہی بتاؤ۔''

''شکیلہ.....!'' کلرک اور لڑکی کی زبانوں سے بہ یک وقت نکلا۔ لیکن دونوں ہی کے لہجے
میں حیرت تھی۔

''ہاں شکیلہ..... میں تمہیں اپنی روح کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔'' حمید بولا۔

''میرے خدا.....!'' کلرک بڑبڑایا۔ ''میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ آخر تم لوگ
چاہتے کیا ہو۔''

''تم چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔'' حمید بولا۔ ''تمہاری بدبختی ہے کہ تم شکیلہ جیسی
وفادار لڑکی کو اس لئے نہیں پہچان سکتے کہ اس کا جسم کسی نے چرا لیا ہے۔ تم کیسے محبت کرنے
والے ہو کہ اس کی روح کی چیخیں نہیں سن سکتے۔''

''تم سب دھوکے باز ہو اور مجھے کسی جال میں پھنسانا چاہتے ہو۔'' کلرک تیز لہجے میں بولا۔

''شکیلہ تم میرے ساتھ چلو۔'' حمید بولا۔

''کیا مطلب.....؟'' سعیدہ غرائی۔

''آپ خاموش رہیے۔'' حمید سخت لہجے میں بولا۔

''آپ لوگ کون ہیں؟'' لڑکی نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''تمہارے ہمدرد.....!'' حمید نرم لہجے میں بولا۔

''اچھا شمسی میں جا رہی ہوں..... یہ بھیانک رات مجھے ساری زندگی یاد رہے گی اور تم.....
اور تم کبھی چین نہ پا سکو گے۔'' لڑکی نے کہا اور پھر حمید سے بولی۔ ''چلئے جناب۔''

''تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔'' سعیدہ نے حمید کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔

''خاموش رہو۔'' حمید نے اس سے بازو چھڑاتے ہوئے سخت لہجے میں کہا اور لڑکی کا ہاتھ
پکڑ کر پھر ریستوران کی طرف چل پڑا۔ سعیدہ ان کے پیچھے تھی۔

کلرک پہلے تو دم بخود وہیں کھڑا رہا..... پھر چیخ چیخ کر گالیاں بکنے لگا۔ ساتھ ہی وہ اپنی
ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا حوالہ بھی دیتا جا رہا تھا۔

ریسٹوران کے قریب انہیں ایک ٹیکسی مل گئی۔ حمید نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر دو
لڑکیوں سے بیٹھنے کو کہا۔ ڈاکٹر سعیدہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ دوسری لڑکی کے چہرے سے تو
معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔ عجیب ویران ویران سی آنکھیں تھیں۔

"فیضان.....!" حمید نے ڈرائیور کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔

ٹیکسی حرکت میں آ گئی.....اور راستہ خاموشی ہی سے گزرا۔

ہوٹل فیضان پہنچ کر حمید انہیں سیدھا اپنے کمرے میں لے گیا تھا۔

دونوں لڑکیاں حمید کو گھورے جا رہی تھیں۔ سعیدہ کی آنکھوں سے غصہ جھانک رہا تھا
شکیلہ کی آنکھیں حیرت سے خوف ظاہر کر رہی تھیں۔

"مم.....میں نے پہلے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔" وہ تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولی
لیکن حمید کے بولنے سے پہلے ہی سعیدہ بول پڑی۔ "تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔"

حمید ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ اس کا بس چلتا تو وہ سعیدہ کو اٹھا کر کھڑکی کے
پھینک دیتا۔

"خدارا.....بتائیے.....آپ نے مجھے کیسے پہچانا۔" لڑکی حمید ہی کی طرف دیکھتی ہ
بولی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے سعیدہ کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہو۔

"میں سب کچھ جانتا ہوں۔"

"کیا جانتے ہیں.....میرا قد، میرا جسم، میرا حلیہ، آخر یہ سب کیسے بدل گئے۔ بلا
میرے والدین بھی مجھے نہیں پہچان سکتے۔ لیکن نہ جانے کیوں مجھے اس پر طیش آ گیا تھا کہ
نے بھی مجھے نہ پہچانا.....کیا اس کی محبت صرف اس جسم تک محدود تھی جسے میں کھو چکی ہوں
آدمی محض جسم تو نہیں ہے۔ وہ مجھ سے کہا کرتا تھا کہ ہم دونوں کے درمیان ذہنی رشتہ ہے۔
نہ ٹوٹنے والا رشتہ.....تو پھر اُس نے مجھے کیوں نہ پہچانا۔"

"ذہنی رشتے جسموں ہی کے توسط سے قائم ہوتے ہیں۔" حمید بولا۔ "لہٰذا اگر کوئی ذ
اس واسطے کو نہ پہچان سکے تو کس طرح قصوروار ٹھہرایا جا سکتا ہے۔"

وہ چند لمحے خاموش رہ کر مردہ سی آواز میں بولی۔ "ہاں یہ بھی سوچتی ہوں لیکن میں کیا
کروں.....یہ کوئی بھی نہیں بتا سکتا۔"

"تم نے کب محسوس کیا کہ تمہارا جسم بدل گیا ہے۔"

"آج صبح.....جب سو کر اٹھی.....شہد اکٹھا کرنے والی فرم میں ملازم ہوں.....یہاں تنہا
رہتی ہوں۔ والدین نصیر آباد میں ہیں۔"

"بالکل تنہا رہتی ہو۔"

"بالکل.....ایک مکان کرائے پر لے رکھا ہے۔ کوئی ملازم بھی نہیں ہے۔ ملازم رکھ ہی
نہیں سکتی۔ آمدنی اس کی اجازت نہیں دیتی۔ آج صبح سو کر اٹھی تو پڑوس کی ایک لڑکی آئی اور مجھ
سے پوچھنے لگی شکیلہ کہاں ہے۔"

میں سمجھی شائد مذاق کر رہی ہے لہٰذا میں بھی ہنسنے لگی۔ لیکن وہ ایک سنجیدہ لڑکی ہے۔ مجھ
سے عمر میں چھوٹی ہے اور میرا بڑا احترام کرتی ہے۔ جب وہ برابر شکیلہ کہاں ہیں شکیلہ کہاں ہیں
کی رٹ لگائے رہی تو مجھے غصہ آ گیا۔ اس پر اس نے کہا کہ اگر آپ شکیلہ آپا کی کوئی مہمان
ہیں تو آپ کو اتنا بداخلاق نہ ہونا چاہئے۔ ان سے کہہ دیجئے گا کہ سائرہ آئی تھی۔ میں نے سوچا
شائد وہ اچانک پاگل ہو گئی ہے۔ لیکن جب میں نے کچھ دیر بعد آئینہ دیکھا تو میں حیران رہ گئی۔
میں واقعی شکیلہ نہیں تھی۔"

"کل رات آپ اپنے ہی جسم میں سوئی تھیں۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں بالکل.....اور میں نے پچھلی شام شمسی ہی کے ساتھ گزاری تھی۔ دس بجے گھر
واپس گئی۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔ دن بھر میں یہ دوسرا کیس میری نظروں سے گزرا ہے۔"

"اوہ تو کیا اور بھی کوئی.....!"

"آپ کے والد صاحب۔" حمید نے سعیدہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"فضول بکواس نہ کرو۔" سعیدہ غرائی۔ "وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔"

"کیا انہیں بھی یہی شکایت ہے کہ اُن کا جسم بدل گیا۔"

"جی ہاں.....اور وہ انہیں یعنی اپنی بیٹی کو بھی نہیں پہچان سکے۔"

"لیکن میں تو اپنے متعلقین کو پہچان سکتی ہوں۔ البتہ وہی مجھے نہیں پہچانتے۔"

"کیوں ڈاکٹر سعیدہ!" حمید سعیدہ کو گھورتا ہوا بولا۔ "کیا ان کے سارے متعلقین اپنی یادداشتیں کھو بیٹھے ہیں۔"

"میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی..... مجھے نیند آرہی ہے۔" سعیدہ نے جماہی لی۔

"اچھی بات ہے تو آپ آرام فرمایئے۔ ہم دونوں جا رہے ہیں۔"

"ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"بالکل ہوش میں ہوں۔ مجھے اس قسم کی کوئی ہدایت نہیں ملی تھی کہ آپ کی نگہداشت بھی کرنی پڑے گی۔ آیئے شکیلہ صاحبہ چلیں.....!"

"آپ مجھے کہاں لے جائیں گے۔"

"میں آپ کا گھر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"یہ ناممکن ہے۔"

"کیوں.....؟"

"کبھی ششی بھی میرے گھر نہیں گیا۔ آپ خود سوچئے..... پڑوسی کیا سمجھیں گے۔"

"جب وہ آپ کو بحیثیت شکیلہ پہچان ہی نہیں سکتے تو پھر کچھ سوچنے کا سوال کب پیدا ہوتا ہے"

"اگر میں بھی ساتھ چلوں تو۔" دفعتاً سعیدہ نے نرم لہجے میں کہا۔

"لیکن میں گھر جانا ہی نہیں چاہتی۔" لڑکی بولی۔ "پڑوسیوں کو کیا جواب دوں گی کہ شکیلہ کہاں ہے۔"

"کہہ دیجئے گا کہ وہ آپ کو مکان میں ٹھہرا کر خود اپنے والدین کے پاس چلی گئی ہے۔ تین دن میں واپس آجائے گی۔"

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر سر ہلا کر بولی۔ "ہاں یہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن آپ

میرے گھر چل کر کیا کریں گے۔"

"ہوسکتا ہے کچھ کر ہی سکوں۔ عالم و عاملِ روحانیت ہوں..... ڈاکٹر زیتو نام ہے۔"

پھر وہ تینوں ہی کمرے سے نکلے تھے۔ سعیدہ بے حد سنجیدہ نظر آرہی تھی۔ چڑچڑا پن رخصت ہو چکا تھا۔ انہیں کچھ دور پیدل چلنا پڑا تھا۔ پھر ٹیکسی مل گئی تھی اور وہ شکیلہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

پگھل گیا

میٹرن اس کے کمرے کا دروازہ پیٹ رہی تھی۔ پانچ بجے صبح سے اُس کی ڈیوٹی تھی۔ لیکن اب سات بج رہے تھے۔ میٹرن کو اس کی غیر حاضری کی اطلاع ملی..... نورا اچھی لڑکی تھی۔ میٹرن اُسے پسند کرتی تھی۔ اُس کا تقرر بحیثیت نرس ابھی حال ہی میں ہوا تھا۔ میٹرن نہیں چاہتی تھی کہ اُس کے خلاف کسی قسم کی شکائت ڈاکٹر انچارج تک پہنچے لہٰذا وہ خود ہی اُس کے کمرے کی طرف چل پڑی تھی۔

کافی دیر کے بعد دروازہ کھلا اور ایک اجنبی لڑکی سے مڈبھیڑ ہوگئی۔

"نورا کیا کررہی ہے۔" میٹرن نے اُس سے پوچھا۔

"میں شرمندہ ہوں.....!" وہ جلدی سے بولی۔ "معافی چاہتی ہوں دیر تک سوتی رہی۔"

"تم کون ہو..... میں نورا کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔"

"میں..... میں.....!" لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں..... نورا کو بلاؤ..... اُس نے میری اجازت حاصل کئے بغیر تمہیں اپنے ساتھ کیوں ٹھہرایا۔"

"میں..... میں نورا ہوں سسٹر.....!"

"لڑکی کہیں تیرا دماغ تو نہیں چل گیا۔ مجھ سے شوخی کرتی ہے جبکہ میں تجھے جانتی بھی نہیں۔"

"سسٹر.....سسٹر.....!"

"نورا کو بلاؤ۔" میٹرن چیخ کر بولی۔

"میں نورا ہوں.....آپ کو کیا ہو گیا ہے۔"

"ادھر ہٹو.....!" میٹرن اُسے ایک طرف دھکیلتی ہوئی اندر گھستی چلی گئی۔

لیکن کمرہ خالی تھا۔ اُس نے غسل خانے کا دروازہ کھولا وہ بھی خالی تھا۔

اب وہ جھلا کر لڑکی کی طرف مڑی۔

"بتاؤ نورا کہاں ہے۔ ورنہ میں پولیس کو اطلاع دے دوں گی۔"

"سسٹر.....سسٹر.....!"

"نورا کہاں ہے۔" میٹرن اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتی ہوئی بولی۔

"سسٹر.....!" لڑکی کو بھی غصہ آ گیا۔

"مارے مارتے حلیہ بگاڑ دوں گی۔" میٹرن نے پھر گریبان پکڑا۔

پھر ذرا ہی سی دیر میں وہاں اچھا خاصا ہلڑ ہو گیا۔ نرس نورا آئینے میں اپنی شکل دیکھ دیکھ کر پچھاڑیں کھا رہی تھی۔

دفعتاً ایک تازہ وارد نرس نے کہا۔ "یہ تو شکیلہ ہے.....گولڈن ہنی ٹریڈرس کی ٹائپسٹ!"

پھر اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ اس کی قیام گاہ سے واقف ہے۔

نورا مسحور ہو کر رہ گئی تھی۔

وہ لوگ اسے جہاں لے جاتے چلی جاتی۔ ایک بار اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں صرف اتنا ہی کہا۔ "بلاشبہ میں نورا نہیں معلوم ہوتی لیکن آسمانی باپ کی قسم میں نورا ہوں۔"

بات پھیلتی رہی۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ ایک پولیس سب انسپکٹر وہاں طلب کر لیا گیا۔

اب شام ہو چلی تھی۔ شکیلہ والی بات اس کے علم میں آئی اور اس نے فوراً ہی اس نرس کے بتائے ہوئے پتہ پر لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس بستی میں پہنچ کر نرس نے شکیلہ کے مکان کی نشاندہی کی۔

پڑوسیوں نے بھی نورا کو شکیلہ کی حیثیت سے پہچان لیا تھا۔ لیکن وہ برابر یہی کہے جا رہی تھی کہ وہ کبھی ان اطراف میں آئی ہی نہیں.....

مکان کا دروازہ مقفل تھا۔ پولیس نے پڑوسیوں سے تصدیق کے بعد دروازے کا قفل توڑ دیا۔

"اب بتاؤ..... نورا کہاں ہے.....ورنہ میں کسی سخت قسم کی کارروائی پر مجبور ہو جاؤں گا۔" سب انسپکٹر نے لڑکی سے کہا۔

"میں نورا ہوں.....!" لڑکی روہانسی ہو کر بولی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں.....کیسے یقین دلاؤں۔"

پھر پڑوس کی ایک لڑکی نے بتایا کہ آج صبح اس مکان میں اسے ایک اجنبی لڑکی ملی تھی جو خود کو شکیلہ باور کرانے کی کوشش کرتی رہی تھی۔

یہ مسئلہ درپیش ہی تھا کہ قدموں کی چاپیں سنائی دیں اور کیپٹن حمید اپنی دریافت اور ڈاکٹر سعیدہ سمیت کمرے میں داخل ہوا۔

"نورا.....!" میٹرن کی زبان سے بے اختیار نکلا اور حمید کی دریافت دوسری لڑکی کی طرف ہاتھ اٹھا کر چیخی۔ "یہ میں ہوں۔"

"یہ میں ہوں.....!" دوسری لڑکی اس کی طرف جھپٹتی ہوئی بولی۔

اب دونوں ایک دوسری سے دو فٹ کے فاصلے پر کھڑی متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہی تھیں۔

نورا نے کہا۔ "میں شکیلہ ہوں۔"

شکیلہ نے کہا۔ "میں نورا ہوں۔"

"اور آپ کون ہیں جناب.....!" سب انسپکٹر نے حمید سے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"ڈاکٹر ایس ایچ زیٹو.....!"

پھر سب انسپکٹر نے ڈاکٹر سعیدہ کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ میری اسسٹنٹ.....ڈاکٹر سعیدہ ہیں۔" حمید نے جلدی سے کہہ کر اُن دونوں لڑکیوں

کو اس طرح گھورنا شروع کر دیا جیسے کوئی عامل روحانی کسی آسیب زدہ کو گھورتا ہے۔

''آپ! ایک پولیس آفیسر سے گفتگو کر رہے ہیں۔'' سب انسپکٹر نے تیز لہجے میں کہا۔

''بڑی خوشی ہوئی۔'' حمید نے لڑکیوں سے توجہ ہٹائے بغیر اس کی طرف مصافحہ کے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

اتنے میں دونوں لڑکیاں بیک وقت بے ہوش ہو کر فرش پر آ رہیں۔

''یہ کیا ہو رہا ہے.....کیا ہو رہا ہے.....؟'' میٹرن بڑبڑاتی ہوئی اُن کی طرف جھپٹی۔

''وہ جو کچھ بھی ہو رہا ہو۔'' انسپکٹر حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''آپ میری بات کا جواب دیجئے۔''

''فرمائیے جناب.....!'' حمید نے بہ آہستگی اس کا ہاتھ اپنے شانے پر سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''آپ کا اس لڑکی سے کیا تعلق ہے؟''

''وہی جو ایک آسیب زدہ کا ایک عامل سے ہونا چاہئے۔ میرے پاس گئی تھی.....کہنے لگی میرا جسم بدل گیا ہے۔''

''اس بناء پر آپ اسے آسیب زدہ سمجھے۔''

''ارے انہیں ہوش میں لانے کی تدبیر کرو.....!'' ایک پڑوسی بولا۔

''جی ہاں.....آسیب زدگی ہی سمجھئے اسے.....ٹھہرئیے اب مجھے دونوں ہی کو دیکھنا پڑے گا۔'' حمید ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''ٹھہرئیے.....!'' سب انسپکٹر کا لہجہ سخت تھا۔

حمید مڑ کر اُسے گھورنے لگا۔

''آپ براہِ کرم ان سے دور ہی رہئے۔''

''وہ میری مریضہ ہے جناب۔''

''کچھ بھی ہو.....یہ پولیس کیس ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کے دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں تھے اور آنکھیں آہستہ آہستہ

بند ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر دفعتاً اس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔ دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں سے نکل کر چہرے پر آئے اور پھر وہ آگے کی طرف جھکتا چلا گیا۔

''کیا ہوا.....تمہیں کیا ہوا؟'' سعیدہ بوکھلا کر اس کی طرف بڑھی اور اس کے شانے پکڑ کر اُسے سیدھا کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

حمید کراہتا ہوا سیدھا ہو گیا۔

''ہائیں.....!'' سعیدہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔

''کیا بات ہے؟'' حمید نے نحیف آواز میں پوچھا۔

''تت.....تمہاری.....شکل بدل گئی ہے۔'' سعیدہ نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

وہ لوگ جو ان دونوں کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کر رہے تھے حمید کی طرف متوجہ ہو گئے۔ سبھوں کے چہروں پر حیرت کے آثار تھے اور سب انسپکٹر بھی آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہا تھا۔

حمید کمزور سی آواز میں بولا۔ ''ہو سکتا ہے میری صورت بدل گئی ہو.....وہ ایک مسخرہ جن ہے.....لیکن میں اُسے دیکھ لوں گا۔''

''یہ.....یہ.....کیا ہوا۔'' سب انسپکٹر نے اس کے قریب آنے کی کوشش کی۔

''وہیں ٹھہرئیے اور مجھے بتائیے کہ آپ یہاں میری مریضہ کے گھر پر کیسے آئے؟''

''یہ پولیس کیس ہے۔ یہ لڑکی جو خود کو نورا کہتی ہے نورا کے کمرے میں پائی گئی اور یہ لڑکی جس نے خود کو ابھی شکیلہ کہا تھا دراصل نورا ہی ہے۔''

''لیکن یہ حقیقتاً شکیلہ ہے.....یعنی شکیلہ کی روح.....نورا میں حلول کر گئی ہے اور نورا کی روح شکیلہ میں.....اُسے مذاق نہ سمجھئے.....میں بہت دنوں سے اس جن کے تعاقب میں ہوں.....آئیے ڈاکٹر سعیدہ چلیں۔''

''لیکن جناب.....!''

''فرمائیے.....!''

''آپ کی شکل.....!''

''میں ٹھیک کرلوں گا.....اس نے مجھے وارننگ دی ہے۔''

''لیکن آپ کی مریضہ.....!''

''آپ اسے پولیس کیس سمجھتے ہیں تو آپ ہی اسے بھی سنبھالئے گا۔شب بخیر۔''

وہ سعیدہ کو کھینچتا ہوا باہر نکلا چلا گیا۔باہر نکل کر بھی اس نے سعیدہ کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا
اس کی رفتار خاصی تیز تھی اور سعیدہ تو گویا اس کے ساتھ گھسٹ ہی رہی تھی۔

کئی تاریک اور نیم روشن گلیوں سے گزرنے کے بعد پھر وہ اُسی سڑک پر پہنچ گئے جو
فیضان کی طرف جاتی تھی۔سعیدہ جو بُری طرح ہانپ رہی تھی ایک جگہ رکنے کی کوشش کرتی
ممنائی ''اب مجھ سے نہیں چلا جاتا۔''

حمید رک گیا۔سعیدہ کی سانس پھول گئی تھی۔

''یہاں سے فیضان کا فاصلہ تقریباً چار میل ہوگا۔'' حمید بڑبڑایا۔

سعیدہ کچھ نہ بولی۔

یہاں اس سڑک پر اندھیرا تھا.....حمید نے اپنی ناک کے نتھنوں سے اسپرنگ نکا
جیب میں ڈال لئے۔جنہوں نے فوری طور پر اس کی شکل میں نمایاں تبدیلی کی تھی۔

''چلئے.....!'' حمید نے اُسے ٹھوکا دیا۔

''ٹھہرو.....مم.....میں.....بُری طرح ہانپ رہی ہوں۔''

''کیا فرق پڑتا ہے.....چلتی بھی رہئے اور ہانپتی بھی رہئے۔یہاں تو ٹیکسی ملنے سے رہ

''تم نے ٹیکسی چھوڑی کیوں تھی۔''

''وہ رکنے پر تیار نہیں تھا.....یہاں تو چلے گی نہیں اپنی دھونس.....!''

''میں پیدل نہیں چل سکتی۔''

''اچھا تو پھر آپ یہیں قیام فرمائیے.....میں جارہا ہوں۔''

''ٹھہرو.....!''

''کچھ کہئے بھی تو.....!''

''کچھ دیر یہاں ٹھہر کر دم لینے دو۔'' وہ جھلا گئی۔

حمید جیب سے پاؤچ نکال کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا تھا۔

پھر جب وہ پائپ سلگا رہا تھا سعیدہ ''ارے'' کہہ کر پیچھے ہٹ گئی۔

''کیا ہوا.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''تمہاری شکل.....؟''

''ہاں فی الحال بگڑ گئی ہے۔''

''ٹھیک ہوگئی.....!''

''الحمدللہ.....!''

''نہیں بتاؤ.....یہ کیا ہوا تھا.....؟''

''خوفناک جن ہے.....ہوسکتا ہے میرے دم بھی نکل آئے۔''

''کیپٹن حمید سنجیدگی سے گفتگو کرو۔''

''گفتگو کرو ہی کیوں.....؟''

حمید نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور پائپ کے کش لیتا رہا۔

سعیدہ کچھ دیر خاموش رہی پھر ''جہنم میں جاؤ'' کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

حمید اس کے پیچھے چلنے لگا۔تقریباً ایک فرلانگ چلنے کے بعد وہ پھر رک گئی۔حمید دو چار
لمبے لمبے ڈگ بھر کے اس کے قریب جا پہنچا۔

''آپ غلط سمت پر جارہی ہیں محترمہ.....!'' اس نے کہا۔

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب یہ کہ مشرق نہیں مغرب۔''

''اور تم اب بتا رہے ہو۔'' وہ دانت پیس کر بولی۔

''کیا روانگی سے پہلے آپ نے مجھ سے پوچھا تھا۔''

"کیپٹن حمید.....؟"

"یس مادام.....!"

"میں تمہاری شکایت کروں گی۔"

"بھولے بھٹکوں کو راستہ بتانا میرے فرائض میں داخل نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ سخت لہجے میں کہہ کر پلٹی اور بڑی تیز رفتاری سے مخالف سمت چل پڑی۔

حمید بھی اسی جانب مڑا۔لیکن وہ زیادہ دور نہ چل سکی.....پھر رک گئی۔

"ٹھیک جا رہی ہیں.....ٹھیک جا رہی ہیں.....چلتی چلئے۔" حمید نے ذرا فاصلے ہی ہانک لگائی۔

"کیپٹن حمید اب میں تمہیں مار بیٹھوں گی۔" وہ جھلا کر بولی۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ مخالف سمت سے کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپ چمکے اور پھر وہ پ طرح دکھائی دینے لگی۔

حمید اُسے روکنے کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے سڑک کے کنارے ہوگیا۔

سعیدہ بھی اُس کے قریب ہی کھسک آئی تھی۔حمید ہاتھ ہلا ہلا کر گاڑی کو روکنے کے اشارہ کرتا رہا۔بس ان کے قریب ہی آ کر رکی لیکن ڈرائیور نے بتایا کہ وہ ہوٹل فیضان کی طر نہیں جائے گی۔

"جہنم ہی میں کیوں نہ جائے..... پیدل تو نہیں چلوں گی۔" سعیدہ بڑبڑاتی ہوئی بس چڑھ گئی۔پھر وہ کریسنٹ نائٹ کلب کے قریب اُترے.....اور بس شمال کی جانب مڑ گئی۔

"اب کیا صورت ہوگی۔" حمید نے سعیدہ سے پوچھا۔

"دیکھا جائے گا۔" سعیدہ نے لاپروائی سے کہا۔

سردی بڑھ گئی تھی۔حمید نے محسوس کیا کہ سعیدہ کانپ رہی ہے۔

"میری ایک تجویز ہے.....!" اس نے کہا۔

"کیا.....؟" سعیدہ نے نرم لہجے میں پوچھا۔سردی نے غالباً دماغ ٹھنڈا کر دیا تھا۔

"ہم اندر چل کر کافی پئیں اور کسی ایسے آدمی کو دوست بنانے کی کوشش کریں جو ہمیں ہوٹل فیضان تک پہنچا دے..... یہاں بہت سی گاڑیاں پارک ہیں۔"

"کوئی حرج نہیں۔" سعیدہ بولی۔

وہ دونوں نائٹ کلب میں داخل ہوئے۔ہال میں فلور شو جاری تھا اور زیادہ تر میزیں آباد تھیں۔انہوں نے بیٹھتے ہی کافی طلب کی۔رقاصہ خاصی دلکش تھی۔حمید ہال میں داخل ہوتے ہی اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"بھلا مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے اس سے۔" سعیدہ بولی۔

"کس سے.....؟"

"رقص اور رقاصہ سے.....کوئی مرد ناچ رہا ہوتا تو بات بھی تھی۔"

"اور میں جو صبح سے ناچ رہا ہوں۔"

"کیپٹن حمید! ابھی تم آدمی بن سکتے ہو۔"

"کیا مطلب.....؟"

"تھوڑی بہت شرافت کے جراثیم تم میں موجود ہیں۔کوشش کرو تو آدمی بن سکتے ہو۔"

"کوشش کر کے تو میں سبز پری.....اندر سبھا والی بھی بن سکتا ہوں۔اوہو.....اس آدمی کو دیکھو.....!"

"کسے.....کدھر.....؟" وہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"آدمی ہی آدمی ہیں.....جسے مناسب سمجھئے۔"

"کیا بات ہوئی؟"

اتنے میں ویٹر کافی کی ٹرے لایا اور حمید اتنی لاپروائی سے پائپ پیتا رہا جیسے اس پر کسی سوال کا جواب باقی نہ ہو۔سعیدہ اسے گھورے جا رہی تھی۔

"میں پوچھ رہی ہوں.....تم نے کیوں کہی یہ بات۔"

"اُوں.....!" حمید چونک پڑا۔

"سنو.....! میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ ڈیڈی کا دماغ خراب ہوجانے کی وجہ سے شیر ہو رہے ہو۔"

"آپ غلط سمجھیں محترمہ سعیدہ۔ مجھے اس پر افسوس ہے کہ آپ کو اپنے ڈیڈی کی ذ برابر بھی پرواہ نہیں۔"

"یہ کیسے سمجھ لیا تم نے؟"

"آخر آپ میرے ساتھ کیوں دوڑی آئی تھیں۔"

"انہیں کے کیس سے ملتا جلتا ایک کیس سامنے آنے کی بناء پر.....!"

"کس نتیجے پر پہنچیں.....؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا..... میں نے ان دونوں کو ایک دوسرے کو گھورتے دیکھا تھا بالکل ایسا ہی لگتا تھا جیسے سچ مچ ان کے جسم ایک دوسرے سے بدل گئے ہوں۔"

"کیا یہ کوئی مرض ہے؟"

"نہیں.....اسے مرض نہیں کہہ سکتے۔"

"اور غالباً آپ اسے آسیبی خلل بھی نہ تسلیم کریں.....کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

"تو پھر میں کیا کروں؟"

"بتایئے.....!"

"میں نے آج تک کسی کے لئے نہیں بنائی۔"

"ارے تو اپنے لئے ہی بنا لیجئے۔"

وہ اپنی پیالی میں کافی انڈیلنے لگی۔حمید خاموش بیٹھا رہا۔

وہ دراصل ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے اس دیو پیکر آدمی کو دیکھ رہا تھا جس نے کچھ دیر قبل ہاتھ پھیلا کر رقاصہ کی کمر تھامنے کی کوشش کی تھی اور رقاصہ اچھل کر پیچھے ہٹی تھی اور تھرکتی ہوئی دوسری طرف چلی گئی تھی۔حمید نے اس کے چہرے پر خوفزدگی کے آثار بھی دیکھے تھے۔

یہ آدمی غیر معمولی طور پر طویل القامت اور جسیم تھا۔حمید کو قاسم یاد آیا لیکن وہ بھی اس قابل نہیں ہوسکتا تھا۔حمید کا خیال تھا کہ اس کا قد کم از کم سات فٹ ضرور ہوگا۔ساتھ ہی پھیلاؤ بھی کم نہیں تھا۔شانوں کی چوڑائی تین فٹ سے کم نہیں معلوم ہوتی تھی۔

سعیدہ غالباً اُسے نہیں دیکھ سکی تھی۔

"اب تمہاری کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" دفعتاً سعیدہ نے اُسے یاد دلایا اور وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"میں کہہ رہی ہوں کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

"میں نے سن لیا ہے۔" حمید نے کافی پاٹ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

رقاصہ اُن کے قریب سے گزر رہی تھی۔حمید نے اُسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے۔" سعیدہ بولی۔

"کوئی مرد ناچ رہا ہوتا تو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔تمہیں احساس ہونا چاہئے کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے محترمہ.....لیکن شائد میں ابھی تک آپ کا عورت پن محسوس ہی نہیں کرسکا۔"

"کیا مطلب.....؟"

"آپ مجھے عورت نہیں معلوم ہوتیں۔"

"ہوں.....!" وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔

رقاصہ آگے بڑھ گئی تھی۔لیکن حمید نے محسوس کیا کہ وہ اس میز سے کتراتی ہوئی نکلنے کی کوشش کر رہی تھی جہاں وہ آدمی بیٹھا تھا۔لیکن وہ آدمی اس کی طرف کب متوجہ تھا۔اس کی ٹھوڑی تو سینے پر ٹکی ہوئی تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ اونگھ گیا ہو۔

رقاصہ پھر دوسرے سرے کی طرف جا نکلی تھی۔

دفعتاً ہال میں اندھیرا ہوگیا اور مختلف قسم کی اسپاٹ لائٹس رقاصہ کے جسم پر پڑتی رہیں۔اسی طرح اُس نے پھر ہال کا ایک چکر لیا۔وہ اس دیو پیکر کے قریب سے گزر رہی تھی کہ اسپاٹ لائٹ اس پر سے پھسلتی ہوئی اندھیرے میں گم ہوگئی اور ساتھ ہی ایک دلخراش چیخ بھی

ہال کی محدود فضا میں گونجی اور روشنی بھی ہوگئی۔

لوگ بوکھلا کر اپنی جگہوں سے اٹھ گئے تھے۔حمید نے بھی کرسی چھوڑ دی تھی اور اس جا
گھورے جا رہا تھا جہاں دیوپیکر آدمی نظر آیا تھا۔بڑا عجیب منظر تھا۔وہ دیوپیکر آدمی چا
خانے چت فرش پر پڑا تھا۔

لیکن رقاصہ......اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔

جن لوگوں نے دیوپیکر کو اُس سے چھیڑ چھاڑ کرتے دیکھا تھا رقاصہ کو تلاش کرنے لگے
اور کچھ لوگ دیوپیکر کے گرد اکٹھا ہوگئے۔ان میں حمید بھی تھا۔

اس نے جھک کر دیکھا۔دیوپیکر یا تو گہری نیند سو رہا تھا یا بے ہوش تھا۔

بہت سے لوگوں کی بیک وقت گفتگو سے ہال گونجنے لگا۔

"خدا کی پناہ.....یہ تو دیو ہے دیو.....!" سعیدہ حمید کا شانہ ہلا کر بولی۔

حمید اس کی طرف توجہ دیئے بغیر اس دیو کو گھورے جا رہا تھا۔

"شیلا.....شیلا.....تم کہاں ہو؟" غالباً رقاصہ کو کسی نے آوازیں دیں اور پھر چا
طرف سے "شیلا شیلا" کی آوازیں آنے لگیں۔

اسے تلاش کرنے کے سلسلے میں لوگوں کا جوش وخروش بڑھتا جا رہا تھا۔

ذرا ہی سی دیر میں دیوپیکر آدمی کے قریب سعیدہ اور حمید کے علاوہ اور کوئی بھی نہ رہ گیا

"کچھ دیر پہلے اس نے رقاصہ کو پکڑنے کی کوشش کی تھی۔" حمید نے سعیدہ سے کہا۔

"اچھا.....؟" سعیدہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

پھر وہ چند لمحے خاموش رہ کر بولی۔"لیکن رقاصہ کہاں گئی؟"

اتنے میں ایک آدمی اُن کے قریب آ کھڑا ہوا۔

"کیا یہ آپ کے ساتھ ہیں؟" اس نے حمید سے کہا اور جملہ پورا کئے بغیر ہی اس بھا
دیوپیکر کو غور سے دیکھنے لگا۔

"جی نہیں.....یہ ہمارے ساتھ نہیں تھے۔" حمید بولا۔

"جانتے ہیں آپ انہیں۔" اس نے حمید کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"میرے لئے بھی اجنبی ہیں۔" اُس نے طویل سانس لے کر کہا۔"میں اس کلب کا منیجر ہوں۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" حمید نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

پہلے اس نے حمید کو غور سے دیکھا اور پھر خالی الذہنی کے سے عالم میں اس سے مصافحہ کیا۔

کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔"آپ نے بھی شیلا کی چیخ سنی تھی؟"

"جی ہاں۔"

"کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ ایک بار اس نے شیلا کی کمر پکڑنے کی کوشش کی تھی۔"

"شائد میں نے بھی اُسے ایسا کرتے دیکھا۔"

"تو پھر یہ تو یہاں پڑا ہے اور شیلا غائب ہوگئی ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ اُسے کوئی پکڑ لے گیا ہو۔"

"لیکن.....یہ.....یہ کیوں بیہوش ہوگیا؟"

"ہوسکتا ہے اس کے اس طرح غائب ہوجانے پر اسے گہرا صدمہ پہنچا ہو۔"

دفعتاً سعیدہ چیخی۔"ارے.....ارے.....یہ تو برف کی طرح پگھل رہا ہے۔" اور وہ تینوں
ہی دیوپیکر آدمی پر جھک پڑے۔

سچ مچ وہ برف کی طرح پگھل رہا تھا۔

چاکلیٹ

آن کی آن میں چاروں طرف یہ بات پھیل گئی کہ بیہوش ہوجانے والا دیوہیکل آدمی
پگھل رہا ہے۔

بیس منٹ کے اندر اندر وہاں صرف ایک سوٹ پڑا رہ گیا اور ٹیالے رنگ کا گاڑھا گاڑھا سیال اس کے چاروں طرف دور دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔

''کیوں نہ ہم یہاں سے کھسک ہی جائیں۔'' حمید نے سعیدہ سے کہا۔ ''ورنہ ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی پولیس سے مڈبھیڑ ہو جائے۔''

''میں بھی یہی سوچ رہی تھی.....خدا کی پناہ کس شیطانی چرخے میں پھنسے ہیں آ کر۔''

انہوں نے بل ادا کیا اور باہر نکل آئے۔

''کئی لوگ ہمیں گھور رہے تھے۔'' سعیدہ بولی۔

''مزید معلومات حاصل کئے بغیر اُن میں سے کوئی بھی وہاں سے نہیں ٹلے گا۔'' حمید نے کہا۔

''لیکن اب کیا ہوگا.....؟''

''یہاں سے شائد ایک میل سے زیادہ فاصلہ نہ ہوگا ہوٹل فیضان کا۔'' حمید نے تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

سعیدہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی۔ سڑک بالکل سنسان پڑی تھی۔ چڑھائیوں پر سعیدہ ہانپنے لگتی اور حمید سعیدہ سے کہتا کہ وہ کچھ دیر ٹھہر کر دم لے لے۔

پتہ نہیں کس طرح گرتی پڑتی وہ ہوٹل فیضان تک پہنچی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے مقامی پولیس کا کوئی آدمی فیضان میں اُس کا منتظر ہو کیونکہ شکیلہ نے ہوش میں آنے کے بعد پولیس کو اس کا پتہ ضرور بتا دیا ہوگا۔

خیال غلط نہ نکلا۔

کاؤنٹر کے قریب وہی سب انسپکٹر موجود تھا جس سے شکیلہ کے گھر پر ملاقات ہوئی تھی۔

حمید نے سعیدہ کو اشارہ کیا کہ وہ کمرے میں جائے اور خود کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

''آپ تو پھر ٹھیک ہو گئے جناب۔'' سب انسپکٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''بڑی مشکل سے اس میں کامیاب ہوا ہوں۔'' حمید مردہ سی آواز میں بولا۔

''آپ نے اپنا نام ڈاکٹر زیٹو بتایا تھا لیکن یہاں کے رجسٹر میں ساجد حمید درج ہے۔''

''میں نے ایس ایچ زیٹو بتایا تھا.....ساجد حمید زیٹو.....!''

''یہ زیٹو کیا چیز ہے؟''

''کیا میں آپ کا نام پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں۔''

''ضرور.....ضرور.....!'' وہ زہریلے انداز میں مسکرا کر بولا۔ ''اسلم بھٹی یہاں شیطان کی طرح مشہور ہے۔''

''ہاں.....شیطان کا نام بھی میرے لئے نیا نہیں ہے لیکن یہ بھٹی کیا چیز ہے؟''

''خیر.....خیر.....!'' وہ غضب ناک ہو کر بولا۔ ''آپ نے اس لڑکی کو شکیلہ کی حیثیت سے کیوں کر پہچان لیا تھا۔''

''روحانی قوت.....!''

''آپ کو پولیس اسٹیشن تک چلنا ہوگا۔''

''صاحب آپ اپنا کام کیجئے.....مجھ سے نہ الجھئے.....اگر مجھے جلال آ گیا تو خود پولیس اسٹیشن کو یہاں تک آنا پڑے گا۔''

حمید نے کاؤنٹر پر رکھے ہوئے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''کیا مطلب.....؟''

''ایس پی کرائمز مسٹر لطیفی سے علیک سلیک.....!''

''چلئے.....!'' سب انسپکٹر نے فون کی طرف اشارہ کر کے بے اعتباری سے کہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ حمید کو پکا فراڈ سمجھ رہا ہو۔

حمید نے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''ایس پی کرائمز.....مسٹر لطیفی.....پلیز گھر پر ہیں.....گھر کے نمبر.....ہوں.....ہوں.....ہوں.....تھری ایٹ زیرو نائین.....شکریہ۔''

سلسلہ منقطع کر کے اس نے گھر کے نمبر ڈائیل کئے اس دوران میں سب انسپکٹر اُسے یقین و شبہے کی کشمکش والی نظروں سے دیکھتا رہا تھا

''ہیلو.....!'' حمید ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''کیوں لطیفی صاحب.....آپ کو جاگنا تو نہیں

پڑا تھا..... میں حمید بول رہا ہوں..... جی ہاں میں بھی ابھی تک جاگ ہی رہا ہوں اور وہ آفیسر جو یہاں شیطان کی طرح مشہور ہیں میرے سر پر مسلط ہیں۔ غالباً ڈاکٹر زیٹو کو فراڈ سمجھتے ہیں..... انہیں ریسیور دوں..... اچھا.....!"

حمید نے ریسیور انسپکٹر کی طرف بڑھا دیا۔

انسپکٹر نے ماؤتھ پیس کے قریب منہ لا کر تھوک نگلا اور پھر منہ چلانے لگا۔ جیسے اس طرح کسی خاص قسم کی انرجی حاصل کرے گا۔ جو اُسے ایس پی سے گفتگو کرنے میں مدد دے سکے۔

"یس سر..... یس سر..... جی جی جی..... اچھا سر..... جی بہت اچھا..... لمبا قصہ ہے جناب..... بہت ہی عجیب..... اگر آپ فرمائیں تو خود حاضر ہو جاؤں..... بہت بہتر جناب۔"

ریسیور رکھ کر اس نے طویل سانس لی اور حمید کی طرف دیکھ کر کھسیانی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"آپ پہلے ہی بتا دیتے۔"

"خیر کوئی بات نہیں..... لڑکی کو ہوش آ گیا تھا۔"

"جی ہاں..... اسی نے تو آپ کے بارے میں بتایا تھا..... لیکن آخر کار آپ نے اُسے شکیلہ کیوں تسلیم کر لیا تھا؟"

"لمبی کہانی ہے..... آپ کو شائد ابھی لطیفی صاحب کے پاس جانا ہے۔"

"جی ہاں..... جی ہاں.....!" وہ مصافحہ کر کے تیزی سے صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

کاؤنٹر کلرک اتنی ہی تیزی سے حمید کی طرف بڑھ آئی تھی۔

"کیا قصہ تھا جناب.....؟" اس نے حمید سے پوچھا۔

"اپنی نوعیت کی پہلی کہانی ہے۔"

وہ اس کے دوسرے جملے کی منتظر معلوم ہوتی تھی۔

حمید نے جیب سے پائپ اور تمباکو کی پاؤچ نکالتے ہوئے کہا۔ "چند گھنٹے پہلے میں ایک ریستوران میں نان اور کباب سے جی بہلا رہا تھا کہ کاؤنٹر پر ایک لڑکی کو کاؤنٹر کلرک سے جھگڑتے دیکھا..... وہ کہہ رہی تھی کہ وہ شکیلہ ہے، اور کلرک ہکا بکا کھڑا تھا..... بات اتنی بڑھی کہ

ریستوران کے مالک نے دونوں سے باہر نکل جانے کو کہا۔ وہ یہ بھی کہہ رہی تھی کہ اُس کی شکل ضرور بدل گئی ہے لیکن وہ شکیلہ ہے! کاؤنٹر کلرک اپنا سر پیٹ رہا تھا کہ وہ اُسے شکیلہ کیسے تسلیم کر لے جبکہ وہ شکیلہ نہیں ہے۔ میں نے اُسے شکیلہ تسلیم کر لیا.....!"

"آپ نے.....!" لڑکی کے لہجے میں حیرت ہے۔

"کیا کرتا..... بات بھی تو ختم کرانی تھی کسی طرح..... ورنہ وہ تو اپنے اُس بوائے فرینڈ کو جان سے مار دینے پر آمادہ ہو گئی تھی۔"

"تو یہ پولیس آفیسر.....؟"

"میں دراصل اسے اس کے گھر چھوڑنے گیا تھا۔ وہاں ایک دوسری لڑکی ملی جو خود کو نورا کہہ رہی تھی۔"

پھر حمید نے شکیلہ کے گھر پر پیش آنے والے واقعات کے بارے میں اُسے بتایا۔

لڑکی کسی سوچ میں پڑ گئی تھی۔

"تم کیا سوچنے لگیں..... کیا مجھے جھوٹا سمجھتی ہو۔"

"جی.....!" وہ چونک پڑی۔ "جی نہیں۔ میں آپ کو جھوٹا نہیں سمجھتی۔ مجھے بھی ایک ایسا ہی واقعہ یاد آ رہا ہے۔"

"اُو..... ہو..... وہ کیا.....؟"

"چھ ماہ گزرے کچھ لوگ پکنک پر ایک جگہ گئے تھے۔ وہاں ایک لڑکی کسی بڑی گہری کھڈ میں گر گئی تھی۔ کھڈ کی گہرائی اتنی تھی کہ وہ لوگ نیچے نہ اُتر سکے اور مدد کے لئے انہیں شہر آنا پڑا۔ اس میں آٹھ دس گھنٹے لگ گئے۔ پھر جب ہیلی کوپٹر کھڈ میں اُترا تو وہاں اس کی لاش نہیں مل سکی تھی۔ پھر ایک ہفتے کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ ایک اجنبی لڑکی اپنے ریٹا ہونے کا دعویٰ کرتی پھر رہی ہے۔ اس کے جاننے والوں نے پولیس کو اطلاع دی۔ ایک ماہ تک یہ جھگڑا چلتا رہا اور پھر لوگوں نے اس کی طرف توجہ دینا ہی چھوڑ دیا۔"

"وہ لڑکی اب کہاں مل سکے گی.....؟" حمید نے پوچھا۔

"وہ لڑکی.....!" وہ طویل سانس لے کر مسکرائی۔ "وہ لڑکی میں ہی ہوں اور میں اپنے
سے اب تک مانوس نہیں ہو سکی۔ نہ میرا قد اتنا لمبا تھا اور نہ صورت ہی ایسی تھی۔ شائد کسی ہم
فام نسل کی.....لڑکی کے جسم میں میری روح حلول کر گئی ہے۔"

"بس محترمہ بس.....اب میں بیہوش ہو جاؤں گا۔"

لڑکی کی ہنسی بڑی تلخ تھی۔

حمید نے کہا۔ "جس وقت سے یہاں پہنچا ہوں کسی ایسے آدمی سے ملاقات نہیں ہو
جس کے جسم میں اس کی اپنی روح ہوتی۔"

لڑکی اسی انداز میں ہنستی رہی۔

"ہنسو نہیں.....میں اس وقت بہت پریشان ہوں.....مجھے ایک کمرہ چاہیئے۔"

"کیوں.....؟" لڑکی نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ایک لڑکی بھی ہے میرے ساتھ جس کا باپ یہاں عرصہ سے مقیم ہے۔ میں نے
خیال سے صرف ایک ہی کمرہ حاصل کیا تھا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ رہے گی لیکن باپ
اسے پہچاننے سے انکار کر دیا کیونکہ اس کے جسم میں بھی کسی اور کی روح حلول کر گئی ہے کہتا
کہ اس کا جسم کوئی اور چھین کر فرار ہو گیا۔"

"اوہو.....تو یہاں بھی کوئی ایسا موجود ہے۔"

"اب تو مجھے سب ہی ایسے نظر آئیں گے۔"

"کیا آپ اور وہ لڑکی ایک ہی کمرے میں قیام نہیں کر سکیں گے۔"

"میں نے آپ سے کمرے کے حصول کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"بات دراصل یہ ہے جناب کہ اتنی رات گئے ہمارے یہاں کمرہ دینے کا قاعدہ نہیں
باہر سے آنے والے یا تو کمرہ پہلے سے مخصوص کراتے ہیں یا پھر وہ دن ہی دن میں آتے ہیں۔"

"میں بھی دن ہی میں آیا تھا لیکن یہ دشواری آ پڑی۔"

"پھر بتایئے کہ میں کیا کروں.....؟"

"خیر.....میں یہیں کھڑے رہ کر بھی صبح کر سکتا ہوں۔" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا
مسکرایا۔ وہ بھی جواباً مسکرائی۔ اور حمید نے سر ہلا کر کہا۔

"مجھے حیرت ہے.....؟"

"کس بات پر.....؟"

"آخر تمہاری ڈیوٹی کتنے گھنٹوں کی ہوتی ہے۔ جس وقت میں یہاں آیا تھا تم ہی کاؤنٹر
پر موجود تھیں اور اب رات کے ڈھائی بج رہے ہیں۔"

"بڑی عجیب بات ہے.....مجھے خود بھی حیرت ہے۔" وہ سنجیدہ ہو کر بولی۔ "کئی دن تک
مسلسل جاگتی رہتی ہوں لیکن تھکن محسوس نہیں کرتی۔ بس ایسا لگتا ہے جیسے جی بھر کر سونے کے
بعد بالکل تروتازہ اٹھی ہوں۔"

"لیکن مجھ سے تو صبح دو قدم بھی نہ چلا جائے گا.....اگر میں دو تین گھنٹے کی نیند نہ لے سکا۔"

"میں ہر اعتبار سے حیرت انگیز ہو گئی ہوں۔"

"میں کیسے یقین کر لوں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

لڑکی اپنا پرس اٹھا کر اس میں کچھ ڈھونڈنے لگی۔ پھر ایک کنجی نکال کر حمید کی طرف بڑھا دی
اور بولی۔ "یہ میرے کمرے کی کنجی ہے۔ جا کر آرام کیجئے۔ آپ کو صبح سے پہلے کمرہ نہ مل سکے گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔ نمبر کیا ہے کمرے کا۔"

"لیکن آپ میرے معاملے کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کریں گے.....؟"

"مطمئن رہو.....ایسا ہی ہو گا" حمید نے کہا۔ اسکی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔

کمرے کا نمبر معلوم کر کے وہ وہاں سے چل پڑا تھا۔

لڑکی خاصی دلکش تھی۔ حمید اُسے یوریشین ہی سمجھا تھا۔ لیکن اس نے بڑی شستہ اور شگفتہ
اردو میں اسے اور ہی قسم کی کہانی سنائی تھی۔ باور کرانا چاہا تھا کہ وہ خود بھی اپنے اصلی جسم میں نہیں۔

حمید کچھ دیر بعد اس کی مسہری پر چت لیٹا ہوا بڑبڑا رہا تھا۔

"پروردگار.....تو نے یہ پیشہ میرے مقدر میں لکھ دیا تھا۔ لیکن کیا یہ بھی ضروری ہے کہ میں

روحوں کا تعاقب کرتا ہوا ابھی سے تیرے دربار میں آ پہنچوں اور یہ سب کچھ.....!''

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور فریاد جہاں تھی وہیں ٹوٹ کر رہ گئی۔ ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا

دوسری طرف سے لیڈی کلرک بول رہی تھی۔

''یہ بڑا اچھا ہوا میں سوچ رہا تھا تمہارا نام کیا ہوسکتا ہے۔'' حمید نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''ریٹا.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''اوریجنل نام.....!''

''ہاں..... ہاں..... گندمی رنگ کے جسم میں ریٹا کہلاتی تھی۔ موجودہ جسم میں بھی یہی نام برقرار رکھا ہے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ آپ کے ساتھ والی لڑکی ابھی آپ کو پوچھ رہی تھی۔ میں نے کہہ دیا مجھے علم نہیں۔''

''یہ تم نے بہت اچھا کیا..... اور اس سے زیادہ بات چیت نہ کرنا۔ فلفی ٹائپ کی لڑ ہے۔ تمہارا دماغ چھلنی کردے گی۔''

''خیر..... خیر..... اگر آپ بھوک محسوس کررہے ہوں تو میز کی دراز سے چاکلیٹ پیکٹ نکال لیجئے گا۔''

''شکریہ..... شکریہ۔'' حمید نے کہا اور سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسیور کریڈل رکھ دیا۔

وہ سوچنے لگا اب اُسے سو جانا چاہئے۔ پھر دفعتاً وہ اٹھ بیٹھا۔ ذہن کے کسی گوشے میں کوئی کھٹک تھی۔ فوری طور پر وہ اُسے کوئی معنی نہ پہنا سکا۔ لیکن عجیب سی بے چینی محسوس کررہا تھا۔

مسہری سے اٹھ کر وہ اس میز کے قریب آیا جس کا تذکرہ ریٹا نے فون پر کیا تھا۔

دراز کھولی۔ اس میں چاکلیٹ کے کئی پیکٹ پڑے دکھائی دیئے۔ وہ ان کی طرف ہا بڑھا ہی رہا تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔

ریسیور اٹھاتے وقت اس نے بُرا سا منہ بنایا تھا۔ دوسری طرف سے ریٹا کی آواز آئی۔

''چاکلیٹ نہ کھانا چاہتے ہو تو کچھ اور بھجواؤں.....؟''

''نہیں ٹھیک ہے۔ چاکلیٹ بہت لذیذ ثابت ہوئے ہیں۔'' حمید منہ چلاتا ہوا بولا۔ ''اس وقت کھا ہی رہا ہوں۔''

''کافی بھجواؤں.....؟''

''نہیں شکریہ..... پھر نیند نہ آئے گی۔ اب میں سو جاؤں گا۔ پلکیں بوجھل ہوئی جارہی ہیں۔'' حالانکہ نیند بالکل غائب ہوچکی تھی۔

سلسلہ منقطع ہوجانے کی آواز سن کر اس نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

وہ ریٹا کی دوسری کال کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کیا وہ صرف یہی نہیں معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اُس نے چاکلیٹ استعمال کئے یا نہیں۔ گفتگو کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس سلسلے میں اپنا اطمینان کرنا چاہتی ہو۔ حمید ریسیور رکھ کر پھر میز کی طرف آیا اور چاکلیٹ کا ایک پیکٹ نکال کر کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ اس نے ابھی تک کوٹ بھی نہیں اُتارا تھا اور جوتے بھی پہنے ہوئے تھا۔

اسے کیا کرنا چاہئے؟ وہ سوچتا رہا۔

پھر دفعتاً اس نے جیب سے چاکلیٹ کا پیکٹ اور اپنا پرس نکالا۔ پرس سے کوئی چیز نکالی جو ریک باریک تاروں میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے تار پھیلا دیئے۔ پھر تار کا ب سرا اپنی کلائی کی گھڑی کی چابی سے منسلک کردیا اور دوسرے سرے کی نوک چاکلیٹ میں اردی۔ جس چیز کے گرد یہ تار لپٹے ہوئے تھے اس کے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی پر تھی یہ قطب نما کی ل کا کوئی آلہ تھا۔ اس کی سوئی کپکپاتی ہوئی سبز رنگ کے ایک نشان پر ٹھہر گئی اور حمید نے ٹ کھینچ کر تاروں کے دونوں سروں کو متعلقہ چیزوں سے الگ کرکے اُسے پھر پرس میں رکھ

اس آلے کی نشاندہی کے مطابق چاکلیٹ میں کسی نشہ آور چیز کی آمیزش تھی۔

چاکلیٹ کا پیکٹ اس نے پھر جیب میں رکھ لیا۔ اور اب وہ اپنے بغلی ہولسٹر سے ریوالور اکر اس کے چیمبر چیک کررہا تھا۔ خطرے کا احساس لحظہ بہ لحظہ بڑھتا رہا۔ فون کی گھنٹی پھر بجی

لیکن اس بار حمید نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔

فون کی گھنٹی بجتی رہی۔ پھر بند ہوگئی۔ حمید نے کرسی کا رخ دروازے کی طرف [illegible] تھا۔ کچھ دیر بعد پھر فون کی گھنٹی بجی۔ حمید اپنی ہی جگہ پر جمارہا۔

کئی سکنڈ تک گھنٹی کی آواز کمرے میں گونجتی رہی پھر سناٹا چھا گیا۔

اس بار حمید نے اپنے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیئے تھے اور کرسی کی پشت گاہ پر گردن ڈ[ال] دی تھی۔ دل کی دھڑکنیں شمار کرنا ایسے موقعہ پر بہترین مشغلہ ثابت ہوتا ہے۔

کچھ دیر بعد باہر سے قفل میں کنجی گھومنے کی آواز آئی اور حمید آنکھوں میں خفیف سا [illegible] کر کے دروازے کی جانب دیکھتا رہا۔

دروازہ کھلا۔ ریٹا اندر داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے دو آدمی تھے۔ وہ حمید کے قریب آ[illegible] ان میں سے ایک کے ہاتھ میں بڑا سا تھیلا تھا۔ اس نے تھیلا حمید کے پیروں کے قریب [illegible] دیا۔

"بس نیچے ہی سے بھرلو.....!" دوسرا آدمی آہستہ سے بولا۔

اور پھر جیسے ہی پہلا تھیلے کا منہ کھولتا ہوا حمید کے پیروں کے قریب جھکا اسکی بھرپو[ر] [illegible] اس کے چہرے پر پڑی ساتھ ہی بائیں جانب کھڑے ہوئے آدمی کی گردن بغل میں [illegible] لی۔ پھر قبل اس کے کہ ریٹا کوئی حرکت کرتی..... بغلی ہولسٹر سے ریوالور بھی نکل آیا۔

لات کھانے والا دیوار سے ٹکا کھڑا اپنے چہرے سے خون پونچھ رہا تھا اور ریٹا [illegible] کھڑی تھی۔ دوسرے آدمی کی گردن پر حمید کے بائیں بازو کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ [illegible] بھی نہیں کرسکتا تھا۔ پھر حمید نے جھٹکا دے کر اُسے خود سے الگ کردیا اور وہ بھی لڑکھ[illegible] اپنے دوسرے ساتھی کے قریب جا پہنچا۔

"تم بھی دیوار سے لگ کر کھڑی ہو جاؤ..... ریوالور میں سائیلنسر لگا ہوا ہے۔ اس [illegible] رہے۔" حمید نے ریٹا سے کہا۔

اُسکے انداز سے لاپروائی ٹپک رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ سب کچھ مذاق

ریٹا چپ چاپ اُن دونوں کے قریب جا کھڑی ہوئی۔

حمید ریوالور کا رخ ان کی جانب کیئے ہوئے چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر بائیں ہاتھ سے چاکلیٹ کا پیکٹ نکالتا ہوا ریٹا سے بولا۔ "یہ چاکلیٹ اپنے دوستوں کو کھلاؤ۔"

ریٹا جہاں تھی وہیں بے حس وحرکت کھڑی رہی۔

"چلو.....!" حمید دانت پیس کر غرایا اور وہ اس طرح اس کے قریب آئی جیسے خواب میں [چ]ل رہی ہو۔ حمید نے پیکٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"انہیں یہ چاکلیٹ کھانا پڑے گا۔ ورنہ گولی..... نہایت آسانی سے تم تینوں کو قتل کر کے [چل]ا جاؤں گا۔"

ریٹا پیکٹ لئے اُن کی طرف مڑی۔

عجیب سی فضا تھی کمرے کی۔ چہرے سے خون پونچھنے والا بھی اب تن کر کھڑا ہوگیا تھا اور [illegible]وں ہی کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ اس پر تیار نہ ہوں گے۔

"سنو دوستو..... یہ محض دھمکی نہیں ہے۔ چاکلیٹ نہ کھانے پر میں تمہیں بے دریغ گولی مار [illegible]نا ہوں۔" حمید ریوالور کو جنبش دے کر بولا۔

ریٹا اُن کے قریب پہنچ کر پھر حمید کی طرف مڑی۔

"چاکلیٹ کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے تم خود انہیں کھلاؤ..... اور تم دونوں اپنے ہاتھ اوپر [اٹھ]ائے رکھو گے۔" حمید بولا۔

وہ اس کی ہدایت پر عمل کرنے کے لئے دوبارہ ان دونوں کی طرف مڑی۔

"نہیں..... ہاتھ اوپر ہی اٹھائے رکھو تم دونوں۔ ریٹا تمہارے منہ میں رکھ دے گی۔"

انہوں نے اپنے منہ کھول دیئے۔ پھر ریٹا نہیں چاکلیٹ کھلاتی رہی اور حمید ان پر نظر [illegible]ے رہا۔ وہ انہیں چاکلیٹ کھلا کر پھر اُس کی طرف مڑی اور حمید نے کرسی کی طرف اشارہ [کر]تے ہوئے کہا۔

"ادھر بیٹھ جاؤ۔"

وہ چپ چاپ کرسی پر آبیٹھی۔

''اے! تم لوگ منہ نہیں چلا رہے۔'' حمید نے ان دونوں کو للکارتے ہوئے ایک
کر دیا۔ ہلکی سی ''ٹرچ'' کمرے میں گونجی اور ان دونوں کے درمیان دیوار کا پلاسٹر ادھڑ گیا

وہ جلدی جلدی منہ چلانے لگے۔

''نگل جاؤ..... جلدی سے.....ورنہ پنڈلیوں کی ہڈیاں توڑ دوں گا۔'' وہ انہیں چبا
کچلتے اور نگلتے دیکھتا رہا۔ پھر ذرا ہی دیر میں انہیں جھومتے اور لڑکھڑاتے بھی دیکھا۔

''ریٹا ڈارلنگ.....!'' حمید نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ ''اب تم اُن دونوں کو مسہری
دو۔ چلو تکلف کی ضرورت نہیں۔''

ریٹا نے اُسے متحیرانہ نظروں سے دیکھا اور پھر چپ چاپ کرسی سے اٹھ گئی۔ ایک
کر کے دونوں کو مسہری تک لائی اور انہیں لٹا دیا۔ وہ چپ چاپ لیٹ گئے تھے اور ا
آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ ریٹا ہمہ تن سوال بنی حمید کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''وہ ریکارڈ پلیئر ہے کیا.....؟'' حمید نے چھوٹی میز کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

ریٹا نے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''ریکارڈوں کا ڈبہ کہاں ہے.....!''

''تم کیا کرنا چاہتے ہو۔'' ریٹا نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''یہ مت پوچھو.....!'' حمید نے ریوالور کو ہولسٹر میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''رمبا کا
ریکارڈ ہو تو لگا دو.....!''

وہ میز کی طرف بڑھی۔ میز کے نیچے ریکارڈ کا ڈبہ تھا۔ وہ فرش پر بیٹھ کر ریکارڈ نکا
پشت حمید کی طرف تھی۔

دفعتاً وہ بڑی پھرتی سے حمید کی طرف مڑی۔ اس کے ہاتھ میں اعشاریہ دو پانچ کا
پولشڈ پستول تھا۔

''اب تم مسہری کے قریب کھڑے ہو جاؤ'' وہ دانت پیس کر پھنکاری۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔''

حمید نے احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکاتے ہوئے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور آہستہ آہستہ
مسہری کی طرف کھسکنا شروع کر دیا۔

وہ پستول کا رخ اُس کی جانب کیے ہوئے دوسری میز کے قریب آئی اور دراز سے
چاکلیٹ کا ایک پیکٹ لے کر اُس کی طرف پھینکتی ہوئی بولی۔ ''اب تم کھاؤ گے چاکلیٹ.....!''

''کھانی ہی پڑے گی۔'' حمید نے مردہ سی آواز میں کہا۔

''اٹھاؤ.....!''

''یہ ناممکن ہے.....خود ہی اٹھا کر کھلا دو.....میں اُن دونوں سے کم خوبصورت نہیں ہوں۔''

''میں کہتی ہوں اٹھاؤ۔''

حمید نے دونوں ہاتھ نیچے گرا دیئے اور آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔

''میں گولی مار دوں گی۔'' وہ پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔

''ضرور مار دو۔'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''میں خالی اور بھرے ہوئے پستول کا وزن لوگوں کے
ہاتھوں پر دیکھ لیتا ہوں۔''

وہ اُس کی طرف بڑھتا رہا اور وہ کھسکتی کھسکتی دیوار سے جا لگی۔

دوسرے ہی لمحے میں حمید نے اُس سے پستول چھین لیا اور وہ اُس کے داہنے بازو پر
جھول گئی۔ ساتھ ہی رونا بھی شروع کر دیا۔ بُری طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

حمید یونہی خواہ مخواہ بائیں ہاتھ سے اس کا شانہ تھپکتا رہا۔ وہ روئے جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد حمید نے نرمی سے کہا۔ ''اگر تم میری ہدایت پر عمل کرتیں تو اس کی نوبت نہ
آتی۔ میں نے کہا تھا کہ رمبا کا ریکارڈ لگا دو۔''

وہ یک بیک سیدھی کھڑی ہو گئی۔ آنسو اب بھی تھے آنکھوں میں لیکن ہچکیاں اور سسکیاں
دب گئی تھیں۔

''تم کیا چاہتے ہو.....؟'' اس نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''رمبا.....!''

''کیا یہ مذاق کا وقت ہے۔'' وہ جھنجھلا گئی۔

''میں اندازہ نہیں کرسکتا کہ یہ کس قسم کا وقت ہے۔''

''تم کون ہو.....؟''

''ایک مسافر..... میں کہتا ہوں رمبا کا ریکارڈ لگادو..... ورنہ اب رحم نہ کھاؤں گا گھونٹ دوں گا۔''

وہ اس طرح ریکارڈ پلیئر کی طرف بڑھی جیسے کوئی پیچھے سے دھکیل رہا ہو۔

ریکارڈ نکال کر پلیئر پر لگایا۔

''آواز کم کرو.....اور کم.....اور کچھ اور.....بس ٹھیک.....!'' حمید کہتا ہوا آگے بڑھا اُس کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

''کک.....کیا مطلب.....!'' وہ ہکلائی۔

''ناچیں گے۔''

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔'' وہ بوکھلا کر بے ہوش آدمیوں کی طرف دیکھتی ہوئی بولی

''میں جانتا ہوں کہ انہیں کئی گھنٹے تک ہوش نہ آئے گا.....!''

''تم کیسے جانتے ہو.....؟''

''ناچو.....!'' حمید اُسے کھینچ کر رقص کی پوزیشن میں لاتا ہوا بولا۔

اور وہ بالکل ایسے ہی انداز میں ناچنے لگی جیسے کوئی اُسے چاروں طرف سے دھکیلتا پھر رہا ہو

''خدا کے لئے بتاؤ.....تم آخر چاہتے کیا ہو۔'' وہ کچھ دیر بعد منمنائی اور ساتھ ہی ریکارڈ بھی ختم ہوگیا۔

''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ صبح ہونے تک میں اس کمرے میں مقیم رہوں۔ وقت گزارنے کے لئے رمبا ہی سہی.....یا جو رقص تم پسند کرو.....والز ناچنا آتا ہے؟''

''مجھے دو منٹ بیٹھنے دو.....!'' وہ ہاتھ چھڑا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

پھر اسی طرح دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لئے جیسے دفعتاً آنکھوں میں اندھیرا آ گیا ہو۔

''کہو تو ان دونوں کو اٹھا کر غسلخانے میں بند کردوں۔'' حمید بولا۔

''کیا مطلب.....؟'' وہ چونک کر اُسے گھورنے لگی۔

''مجھے غلط نہ سمجھو۔ بہت شریف آدمی ہوں۔ کچھ دیر لیٹوں گا۔ مسہری خالی کرانی ہے۔'' حمید کہتا ہوا مسہری کی طرف بڑھا۔

''ٹھہرو.....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔

حمید سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔''

''نہیں.....میں باز آیا.....!'' حمید کانوں پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

''کیوں.....؟''

''بس اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ تم کسی اور کے جسم میں قیام پذیر ہو۔''

''یہ جھوٹ نہیں.....!'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''چلو تسلیم کرلیا میں نے.....لیکن انہیں غسل خانے میں منتقل کردینے میں کیا قباحت ہے۔''

''ہمیں یہاں سے جلد از جلد نکل چلنا چاہئے۔''

''اب اس طرح کہیں لے جا کر پھنساؤ گی۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''خدا کے لئے مجھ پر اعتماد کرو.....ورنہ ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ رہ سکے گا۔''

وہ کلائی کی گھڑی دیکھتی ہوئی بولی۔ ''صرف آدھا گھنٹہ رہ گیا ہے۔ اس کے بعد ہم کہیں نہ ہوں گے۔''

''آخر ہے کیا چکر.....؟''

''وقت نہیں ہے۔ میں تفصیل سے کچھ نہ بتا سکوں گی۔ بس اتنا ہی سمجھ لو کہ یہ دونوں بے چارے بھی مفت میں مارے جائیں گے۔''

''اوہو.....تو کیا انہیں بھی ساتھ لے چلنا پڑے گا۔''

''یہ بھی میری ہی طرح ستم رسیدہ ہیں۔ مجبوراً پڑے ہیں اس چکر میں۔''

''ہوں.....تو تم کہاں لے جاؤ گی انہیں۔''

''تم یہاں سے نکلو تو بتاؤں.....!''

''اس جال کا کوئی دوسرا سرا بھی ہوگا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اس طرح نہ پھنس سکوں تو کسی دوسری تدبیر کے ذریعہ کہیں اور.....!''

''میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر مضطربانہ انداز میں بولی۔

حمید خاموشی سے اُسے گھورتا رہا۔

''میں خود ڈرائیو کروں گی اور تم اپنا ریوالور بخوبی استعمال کرسکو گے۔''

''میں ان دونوں کو لاد کر نیچے نہیں لے جاسکتا۔''

''تم انہیں صرف غسل خانے میں پہنچاؤ گے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اچھا آؤ.....میرے ساتھ میں تمہیں بتاؤں گی۔'' وہ غسل خانے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

غسل خانے کا دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوکر بولی۔ ''آؤ.....!''

''بھلا وہ کونسی بات ہوسکتی ہے جو غسلخانے کے علاوہ اور کہیں نہیں بتائی جاسکتی۔''

''تم آؤ تو.....!'' وہ ہاتھ ملتی ہوئی بولی۔ بہت زیادہ نروس نظر آرہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سچ مچ زیادہ تاخیر موت ہی کا سبب بننے والی ہو۔

حمید غسلخانے میں داخل ہوگیا۔

''اب دروازہ بند کردو۔''

''بڑے غیر مناسب آدمی کا انتخاب کیا ہے تم نے۔'' حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے زہریلی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

ریٹا نے خود ہی ہاتھ بڑھا کر دروازے کا ہینڈل کھینچ لیا۔

''اپنی جان پر کھیل جاؤں گا..... یاد رکھنا۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

وہ نروس سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ ''تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔''

پھر اس نے واش بیسن کے نیچے ہاتھ لے جاکر کچھ ٹٹولا.....اور غسلخانے کا فرش لفٹ کے سے انداز میں نیچے کی طرف سرکنے لگا۔ حمید پہلے تو لڑکھڑایا پھر فوراً ہی سنبھالا لے کر ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا تھا۔ ریٹا نے اسے گھورتے ہوئے دیکھا۔

''میرے قریب آئیں تم اور میں نے خودکشی کی۔'' حمید نے نسوانی لہجے میں اُسے دھمکی دی۔

وہ پھر ہنس پڑی۔

پھر دفعتاً حمید کے جسم کو جھٹکا سا لگا.....فرش رک گیا تھا۔

حمید نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ غسلخانے کی چھت کا بلب تقریباً ایک سوفٹ کی بلندی پر نظر آرہا تھا۔ اس نے ایسی ہی گھٹن محسوس کی جیسے کسی بہت ہی گہرے کنوئیں کی تہہ میں کھڑا ہو۔

سامنے ایک دروازہ نظر آیا جس کے قریب ایک سوئچ بورڈ لگا ہوا تھا۔ ریٹا نے ایک سوئچ کے پش بٹن پر انگلی رکھ دی۔ دروازہ کھل گیا۔ سامنے ایک طویل سرنگ تھی لیکن اس میں اندھیرا نہیں تھا۔ دور تک چھوٹے چھوٹے ٹیوب روشن تھے۔

دروازے سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک عجیب وضع کی گاڑی کھڑی نظر آئی۔

''ہم انہیں اسی گاڑی پر لے چلیں گے۔'' ریٹا بولی۔

''ضرور.....ضرور.....!'' حمید اس کے بائیں پہلو پر ریوالور کی نال رکھتا ہوا بولا۔ ''یہاں تم میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''وقت نہ ضائع کرو.....!'' اس نے سوئچ بورڈ کے دوسرے پش بٹن کو دباتے ہوئے کہا۔ ''اب غسلخانے کا فرش پھر اوپر کی طرف جارہا تھا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اب تو یہ لڑکی خود اُسے ہی نروس کئے دے رہی تھی۔

فرش اوپر اٹھتے اٹھتے اپنی اصلی جگہ پر آ ٹھہرا۔ ریٹا نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور وہ دونوں پھر اُسی کمرے میں واپس آ گئے۔ مسہری پر بے ہوش آدمی اب بھی اُسی حال میں پڑے تھے۔

''بس اب انہیں اٹھا اٹھا کر غسل خانے میں پہنچا دو۔'' ریٹا نے کہا۔

''ہم آخر جائیں گے کہاں؟'' حمید بولا۔

''دیکھو..... اگر تم یہاں رہ گئے تو کسی طرح بھی بچ نہیں سکتے۔ کس کے ہاتھوں نہیں سکو گے..... یہ میں نہیں جانتی۔''

''اچھا تو پھر مجھے مر ہی جانے دو۔''

''لیکن میں تو نہیں مرنا چاہتی..... یہ دونوں بھی اچھے مستقبل کی اُمید پر جی رہے ہیں۔''

''کیوں نہ تم تینوں کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔''

''بے مصرف..... قطعی فضول..... اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔''

حمید تھوڑی دیر تک خاموش کھڑا رہا پھر اس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور مسہ کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ''اچھی بات ہے۔''

دونوں کو یکے بعد دیگرے اٹھا اٹھا کر غسلخانے میں لے گیا اور ایک بار پھر دونوں غسلخا کے متحرک فرش پر کھڑے تھے۔ چھت کی روشنی لحظہ بہ لحظہ اُن سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

پہلے ہی کی طرح وہ پھر اسی پوائنٹ پر پہنچ گئے جہاں سرنگ کا دروازہ تھا۔ ریٹا نے ح سے کہا کہ وہ اُن دونوں بے ہوش آدمیوں کو گاڑی تک پہنچا دے۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ حمید ایک منٹ کے اندر اندر یہ کام بھی انجام دے لیا۔

ریٹا کے اسٹیئرنگ وہیل سنبھالتے ہی حمید اُس کے برابر ہی بیٹھ گیا۔

ریوالور گود میں پڑا ہوا تھا لیکن ریٹا اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوئی۔

حمید سرنگ کی بناوٹ کا جائزہ لے رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی دھات کے وعریض پائپ کے اندر سے گذر رہے ہوں۔

اُس سرنگ کو روشن رکھنے والے ٹیوب عام طور پر استعمال کئے جانے والے ٹیوبوں

مختلف تھے۔ روشنی بھی کچھ عجیب سی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سرنگ کے ٹمپریچر کا تعلق اُس روشنی سے ہو۔ یہاں گھٹن کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ حمید کا ذہن اتنا ہی تازہ تھا جیسے وہ کھلی فضا میں سانس لے رہا ہو۔

گاڑی اس طرح سرنگ میں دوڑ رہی تھی جیسے کسی پرسکون جھیل کی سطح پر کوئی تیز رفتار کشتی۔ گاڑی کا انجن بھی بے آواز تھا۔ اس سفر کے اختتام پر حمید نے گھڑی دیکھی۔ اس میں دو منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوئے تھے۔

سفر کا اختتام سرنگ کا بھی اختتام نہیں ثابت ہوا تھا۔ بلکہ یہ گاڑی ایک دروازے میں داخل ہو کر ایک بہت بڑے ہال میں پہنچی تھی۔

''اب ان دونوں کو گاڑی ہی میں پڑے رہنے دو۔'' ریٹا نے حمید سے کہا۔

''اور میں.....!''

''میرے ساتھ آؤ۔''

''چلو.....!'' حمید نے کہا اور اس کے پیچھے چل پڑا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اُسے کرنا بھی چاہئے یا نہیں۔

ریٹا ہال سے ملحقہ ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئی جہاں پیغام رسانی کے آلات کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ ایک ٹرانسمیٹر کے سامنے کھڑی ہو کر فریکوئینسی سیٹ کرنے لگی۔ پھر بولی۔ ''ہیلو..... بی آئی بی..... ہیلو..... بی آئی بی۔''

''بی..... آئی بی..... اسپیکنگ.....!'' ریسیور سے آواز آئی۔

''وہ پتہ نہیں کہاں چلا گیا..... ہم جب کمرے میں پہنچے تو مسہری خالی تھی اور اُس نے چاکلیٹ بھی نہیں استعمال کئے تھے..... اُوور.....!''

''تھری سکس کو اس کی اطلاع دو..... اُوور.....!''

ریٹا نے پھر فریکوئینسی تبدیل کی اور یہی اطلاع کسی ''تھری سکس'' کو بھی دے کر ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر دیا۔ ''تھری سکس'' کی طرف سے کچھ نہیں کہا گیا تھا۔

وہ اُسے باہر چلنے کا اشارہ کرتی ہوئی خود بھی دروازے کی طرف بڑھی۔ پھر اُسی لائین کے دوسرے کمرے کا رخ کرتی ہوئی اس سے بولی۔ ''اب ہم بے خوف ہو کر یہاں کچھ دیر ٹھہر سکتے ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے اُس کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہاں ایک مسہری ایک میز اور دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ میز پر کئی عدد موٹی موٹی مجلد کاپیاں رکھی نظر آئیں۔

''بیٹھ جاؤ.....!'' ریٹا کرسی کی طرف ہاتھ اٹھا کر مسکرائی۔ ''ابھی ایک بار پھر تمہیں ریوالور نکال لینا پڑے گا۔''

''ہو سکتا ہے.....!'' حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

ریٹا نے میز سے ایک کاپی اٹھائی اور حمید کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔

''تمہارے لئے اس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔''

حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو لایعنی سی جنبش دی اور کاپی کی طرف متوجہ ہو گیا اور پھر وہ ذہنی جھٹکا جو اس کے اوراق الٹتے ہی لگا تھا ایسا نہیں تھا کہ اس کے حواس پر اثر انداز نہ ہوتا۔

پہلے صفحے پر کرنل فریدی کی تصویر تھی اور تصویر کے نیچے اس سے متعلق ایک مختصر نوٹ۔

دوسرے صفحے پر اس نے اپنی تصویر دیکھی.....اسی طرح اس کے محکمے کی دوسری نمایاں شخصیتوں کی تصاویر نظر آئیں۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ دفعتاً اس نے بڑی لاپروائی سے وہ البم میز پر ڈال دیا اور سوالیہ نظروں سے ریٹا کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ مسکرائی۔ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر بولی۔ ''اب نکالو ریوالور.....!''

''اب میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔''

''کیوں.....؟''

''میں ہر معاملے میں موڈ کا پابند ہوں۔ اس وقت بہت اچھا موڈ ہے۔ لہٰذا میں کشت

خون کی باتیں نہیں سوچ سکتا۔''

''کیا تم ہم لوگوں کے بارے میں پہلے سے کچھ جانتے تھے.....؟''

''تم لوگ ہو کیا بلا.....؟''

''ہم میں سے شائد ہی کوئی جانتا ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے؟''

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ''اب ہم یہاں کیا کر رہے ہیں!''

''بس دو منٹ بعد ایک پیغام ریسیو کرنا ہے۔'' وہ گھڑی دیکھتی ہوئی بولی۔

وہ وہاں سے اٹھ کر پھر آپریشن روم میں آئے۔

ریٹا نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر دیا اور گھڑی دیکھتی رہی۔

دفعتاً ریسیور سے آواز آئی۔ ''ہیلو.....ٹی تھرٹین.....ٹی تھرٹین.....!''

''ٹی تھرٹین.....!'' ریٹا بولی۔

''معلوم کرو کہ وہ تمہارے کمرے سے کہاں گیا تھا۔ اس پر کڑی نظر رکھو.....اُوور.....!''

''اگر وہ ہوٹل ہی سے چلا گیا تو.....!''

''سوال تو یہ ہے کہ اچانک ہوٹل ہی سے کیوں چلا جائے گا۔''

''سوال یہ ہے کہ وہ میرے کمرے ہی سے کیوں غائب ہو گیا۔'' ریٹا جھنجھلا کر بولی۔

''اُوور.....اینڈ آل.....!'' دوسری طرف سے غراہٹ سنائی دی اور ریٹا نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر دیا۔

حمید حد درجہ کا لاپرواہ نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی ہوش مند آدمی کسی 'بازیچہ اطفال' سے دوچار ہو۔

ریٹا نے پھر اُسے باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ اس بار وہ سیدھے گاڑی کی طرف آئے تھے۔

بے ہوش آدمیوں کی حالت میں کوئی فرق نہیں ہوا تھا۔

''ان کا مسئلہ میری سمجھ سے باہر ہے۔'' ریٹا پر تشویش لہجے میں بولی۔

''کیوں.....؟''

"میں نہیں جانتی کہ یہ کس طرح ہوش میں آئیں گے۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ یہ ہوش میں بھی آئیں۔"

"کیوں نہیں؟"

"تم اب یہاں کتنی دیر تک ٹھہر سکتی ہو۔"

"جتنی دیر چاہوں.....میرا کمرہ اندر سے مقفل ہے اور میں ڈیوٹی بھی ختم کر چکی ہوں۔"

"تو پھر ہم اطمینان سے گفتگو کر سکیں گے۔ ہو سکتا ہے اتنی دیر میں یہ لوگ ہوش میں بھی آجائیں۔"

"تم کس قسم کی گفتگو کرنا چاہتے ہو.....؟"

"ظاہر ہے کہ تم مجھے کچھ بتانا چاہتی ہو.....اور یہ بھی جانتی ہو کہ میں آسانی سے کسی بات پر یقین نہ کر سکوں گا۔"

"کیا اس پر بھی آسانی سے یقین نہیں کرو گے کہ میں تمہیں بے ہوش کر کے کہیں لے جانا چاہتی تھی۔"

"اس پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔"

"یہ ایک مسلسل اذیت ہے کیپٹن.....!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "یہ دونوں بے چارے عرصہ سے دکھ جھیل رہے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ بھی کسی سوچ میں پڑ گئی تھی۔ دفعتاً اس نے سر اٹھا کر کہا۔ "یہ حقیقت ہے کہ میں بہت گہری کھڈ میں گر گئی تھی۔ پھر مجھے ہوش نہیں کہ کیا ہوا۔ البتہ ہوش آنے پر میں نے خود کو اس اجنبی جسم میں پایا تھا۔ عجیب سا کمرہ تھا۔ اس ہال اور ان کمروں سے بھی زیادہ عجیب جس کی چھت آسمان معلوم ہوتی تھی۔ میں اس کمرے میں تنہا تھی۔ آنکھ کھلتے ہی اٹھ بیٹھی۔ سامنے قد آدم آئینہ تھا۔ چیخ نکل گئی اپنی شکل دیکھ کر۔ ٹھیک اسی وقت ایک آواز سنائی دی جو کہہ رہی تھی کہ مجھے حراساں نہ ہونا چاہئے۔ مجھے ایک خوبصورت جسم میں منتقل کر دیا گیا ہے۔"

"وہی کہانی جو تم نے مجھے کاؤنٹر پر سنائی تھی۔"

"ہاں.....وہی کہانی.....وہ جھوٹ نہیں تھا۔ میں اپنے اصلی جسم میں نہیں ہوں۔ بہرحال میں نے اپنا اصلی جسم بھی دیکھا تھا جسے پہچاننے میں بھی دشواری ہوئی تھی۔"

"کیا تمہارا اصلی جسم اتنا پرکشش نہیں تھا۔"

"اتنا پرکشش نہیں تھا۔ لیکن مجھے اس سے محبت تھی۔ تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ میں اس کی شکستہ حالی پر کس قدر روئی تھی۔ اس آواز نے مجھے بتایا تھا کہ وہ جسم کسی طرح بھی کارآمد نہ ثابت ہوتا اس لئے مجھے دوسرے جسم میں منتقل کر دیا گیا اور اب میں اس نادیدہ آدمی کی ادنیٰ کنیز ہوں جس کی آواز میں نے اس کمرے میں سنی تھی۔"

"ادنیٰ کنیز کیوں؟"

"جو کچھ وہ کہتا ہے مجھے کرنا پڑتا ہے۔ میں کیا سب ہی اسی لئے اُس کے غلام ہیں کہ وہ حیرت انگیز قوتوں کا مالک ہے۔"

"اوہو.....شائد یہ ہوش میں آ رہے ہیں۔" حمید نے بے ہوش آدمیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں.....بس اب خاموش رہو۔ بلکہ یہاں سے ہٹ جاؤ۔ میں ان لوگوں کا عندیہ لئے بغیر نہیں چاہتی کہ انہیں اس سمجھوتے کا علم ہو۔"

"لیکن میرا مشورہ ہے کہ تم انہیں کچھ بھی نہ بتاؤ۔ ان سے کہہ دینا کہ میں نکل بھاگا تھا اور تم انہیں کسی نہ کسی طرح یہاں تک لے آئی تھیں۔"

دفعتاً حمید فرش پر بیٹھ گیا۔ کیونکہ بے ہوش آدمیوں میں سے ایک سر اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

پھر اس نے اس کی بھرائی ہوئی سی آواز بھی سنی۔ "میں کہاں ہوں؟"

"تم محفوظ ہو.....!" ریٹا بولی۔ "وہ بھاگ گیا.....میں تم دونوں کو کسی نہ کسی طرح یہاں اٹھا لائی۔"

"یہ بہت بُرا ہوا۔" گاڑی کے اندر سے آواز آئی۔ "اب ہماری خیر نہیں۔"

"تم گھبراؤ نہیں۔ میں نے اس سے ایک بہت بڑا جھوٹ بولا ہے۔" ریٹا نے کہا۔

"کیسا جھوٹ.....؟"

"میں نے اُسے آگاہ کردیا ہے کہ کیپٹن حمید نہ تو میرے کمرے میں رکا تھا اور نہ اس نے چاکلیٹ استعمال کی تھی۔ ہم جب کمرے میں پہنچے تو کمرہ خالی تھا۔"

"یہ بہت اچھا کیا تم نے مس ریٹا..... میں ساری زندگی تمہارا احسان مند رہوں گا۔"

اتنے میں دوسرے آدمی کو بھی ہوش آ گیا اور اسے بھی یہی بتایا گیا۔ پہلے آدمی کی طرح اس نے بھی اس پر اظہار مسرت کیا۔ پھر پہلا آدمی بولا۔ "تم بہت بڑے خطرے میں پڑ گئی ہو مس ریٹا۔"

"کیسا خطرہ.....؟"

"اس جاسوس کے اس طرح نکل جانے سے..... ہم تک تو وہ پہنچ نہ سکے گا لیکن تم ہوٹل کے کاؤنٹر پر بیٹھی ہو اور اُس کے حکم کے بغیر تم وہاں سے بھی نہیں ہٹ سکتیں۔"

"ہاں..... میں خطرے میں ہوں۔"

"پھر کیا کرو گی؟"

"میری فکر نہ کرو۔ تم دونوں اپنے کمروں میں جا کر آرام کرو۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر چاکلیٹ کی مقدار زیادہ ہوتی تو تم کئی گھنٹے تک سر نہ اٹھا سکتے۔"

وہ دونوں گاڑی سے اُترے تھے اور حمید دوسری طرف کھسک گیا تھا۔

"تین چار گھنٹے گزر جانے پر میں تم دونوں کو باہر نکال دوں گی۔" ریٹا نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔

پھر حمید نے انہیں ایک کمرے کی جانب جاتے دیکھا۔ اُن کے پیر لڑکھڑا رہے تھے۔ جیسے ہی انہوں نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا ریٹا نے آہستہ سے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔ "اب تم گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔"

حمید اسی جگہ بیٹھ گیا جہاں پہلے بیٹھا تھا۔ اب اس کی پلکیں نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ ریٹا نے مشین اسٹارٹ کی اور گاڑی دروازے سے گزرتی ہوئی پھر سرنگ میں

ں ہو گئی۔

حمید نے دوسری طرف ہاتھ اٹھا کر پوچھا۔ "ادھر کیا ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔ وہ دونوں بھی نہیں جانتے۔ ہمیں حکم ہے کہ اس سرنگ میں ہال سے ...ے نہ بڑھیں۔"

"کبھی بڑھ کر تو دیکھا ہوتا۔"

"ہمت نہیں پڑتی۔"

"آخر کیوں؟"

"پتہ نہیں کیا ہو اس کے آگے۔"

"تو تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ لوگوں کو بے ہوش کر کے یہاں پہنچا دو۔"

"ہاں..... اسکے بعد کا حال میں نہیں جانتی۔ وہ دونوں بھی نہیں جانتے۔"

"اس لڑکی کے باپ کے بارے میں بھی کچھ بتاؤ جو میرے ساتھ تھی۔"

"اُسے بھی میں نے ہی پہنچایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک آدمی اور بھی تھا دونوں کی ...ی ہوئی تھی اور وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو گھورا کرتے تھے۔"

"دوسرا آدمی کس کمرے میں تھا۔"

"اسی کے برابر والے کمرے میں۔ پھر وہ اچانک غائب ہو گیا۔ دو دن سے نہیں دکھائی دیا۔"

"آخر ان حرکتوں کا مقصد کیا ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"مجھ سے تو کام لیا جارہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مقصد بھی یہی ہے۔ اس طرح وہ لوگ ...لئے کام کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ میرے لئے یہ دھمکی ہے کہ اگر میں نے ان کے حکم کی ...کی تو اس بار مجھے کسی جانور کے جسم میں منتقل کر دیا جائے گا۔"

"...بکری کے جسم میں تم خود کو کیسی لگو گی۔" حمید نے اس انداز میں کہا جیسے خود ہی اُسے ...دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔

وہ کچھ نہ بولی۔ کسی گہری سوچ میں پڑ گئی تھی۔

البم

کاؤنٹر کے قریب پہنچ کر حمید کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ
سے اتنی جلدی ملاقات ہو سکے گی۔ غالباً وہ خاص طور پر کوئی پلین چارٹر کرا کے یہاں پہنچ
شائد کاؤنٹر کلرک سے معلومات فراہم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

حمید اپنے ریڈی میڈ میک اپ میں اس کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔ ریٹا گے
سے وہ اسی میک اپ میں برآمد ہوا تھا۔ اس کی شکل دیکھ کر وہ کافی دیر تک ہنستی رہی تھی۔

حمید صدر دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ویسے فریدی کے قریب سے گزرتے
اپنے مخصوص انداز میں کھنکھارا تھا اور ساتھ ہی اُسے اپنی ناک میں رکھے اسپرنگ بھی
بڑے تھے۔ کیونکہ کھنکھار کے جھٹکے نے انہیں ان کی جگہ سے کسی قدر ہٹا دیا تھا۔

فریدی نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر کاؤنٹر کلرک سے باتیں کرنے لگا

حمید لان پر نکل آیا۔ صبح کا دھندلکا پھیلنے لگا تھا۔
بڑی خوشگوار خنکی تھی۔ فریدی سے مڈبھیڑ ہو جانے کے بعد پھر نیند کہاں
معلومات جو اس نے حاصل کی تھیں اس کے ذہن میں لاوے کی طرح ابلنے لگی تھیں
جلد از جلد فریدی پر اپنی کارگزاریوں کا رعب ڈال سکے۔

نیند اس طرح آنکھوں سے غائب ہوئی تھی جیسے پچھلی رات ایک پل کے لئے
کھلی ہو۔ وہ لان پر ٹہلتا رہا۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے دیکھا کہ فریدی صدر دروازے
کھڑا سگار سلگا رہا ہے۔

حمید جہاں تھا وہیں رک گیا۔

فریدی اسی کی طرف آ رہا تھا۔ جیسے ہی قریب آیا حمید بول پڑا۔

''یہ ہوٹل ہمارے قیام کے لئے مناسب نہیں۔''

''میں جاوداں میں ٹھہرا ہوں۔'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''مجھے بھی وہیں لے چلئے..... جلدی کیجئے..... ورنہ بے ہوش ہو جاؤں گا۔''

''صورت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔''

''میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں..... جتنی جلد ممکن ہو یہاں سے نکل چلئے۔''

''چلو.....!'' فریدی پھاٹک کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ''جس ٹیکسی سے آیا تھا اُسے انگیج کرایا تھا۔''

حمید خاموشی سے اُس کے پیچھے چلتا رہا۔ ٹیکسی میں بیٹھ جانے کے بعد بھی وہ خاموش ہی رہا۔ ٹیکسی ہوٹل جاوداں کی طرف جا رہی تھی۔ جاوداں اعلیٰ درجہ کے ہوٹلوں میں سے تھا۔

فریدی نے اپنے لئے ایسا حصہ مخصوص کرایا تھا جس میں تین کمرے تھے۔ ہوٹل پہنچ کر حمید نے سوچنا شروع کیا کہ آخر اپنی یہ اُوٹ پٹانگ کہانی کہاں سے شروع کرے۔

''ڈی آئی جی صاحب سے پھر ملاقات ہوئی تھی یا نہیں۔'' فریدی ہی نے گفتگو کی ابتداء کی۔

''نہیں.....!''

''سعیدہ کہاں ہے؟''

''میرے کمرے میں..... اور میں غریب الوطنی کی زندگی بسر کرتا رہا ہوں۔ اُف فوہ..... آپ نے اس لڑکی کا نام لے کر پھر میری زندگی تلخ کر دی۔''

''کیوں.....؟ کیا ہوا.....؟''

''یہ پوچھئے کیا نہیں ہوا.....؟''

پھر اس نے سعیدہ ہی کے بارے میں بتاتے ہوئے وہ ''طلسم ہوشربا'' شروع کر دی جو خود اُسے اس وقت محض ایک خواب معلوم ہو رہی تھی۔

فریدی صبر و سکون کے ساتھ سنتا رہا۔

''اور اب میں نیند کے سمندر میں غرق ہونے والا ہوں۔'' حمید نے آخر میں کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ حمید اس کی طرف ملتجیانہ نظروں سے دیکھتا ہوا اونگھنے لگا۔

''بہتر ہے۔'' فریدی کچھ دیر بعد بولا۔ ''تم جا کر سو جاؤ۔''

''اللہ آپ کو لاتعداد سالیوں اور سالوں سے نوازے۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر اُسے دعا دیتا ہوا خود بھی اٹھ گیا۔

بیڈ روم میں آیا اور جوتوں، کپڑوں سمیت بستر پر گر گیا۔ ایک آدھ کپ چائے لینے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔ لیٹتے ہی خراٹے لینے لگا۔

پھر شام کے چار بجا دیئے تھے۔ فریدی نے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگایا تھا۔

''عذاب قبر کا سزاوار نہیں تھا۔'' وہ آنکھیں ملتا ہوا بڑبڑایا۔ ''لیکن خیر.....!''

''تم ابھی زندہ ہو فرزند.....ہوش میں آؤ۔''

''کتنا خوبصورت خواب تھا۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''میں نے دیکھا جیسے آپ الزبتھ ٹیلر کے جسم میں منتقل کر دیئے گئے ہوں۔''

''تمہیں بیس منٹ کے اندر اندر تیار ہو جانا ہے۔'' فریدی اس کی بکواس پر دھیان نہ دیتا ہوا بولا۔

''غالباً میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ان لوگوں کے پاس ہماری تصویریں بھی موجود ہیں۔'' حمید نے پر تفکر لہجے میں کہا۔

''ہاں میں جانتا ہوں.....تم سے جو کچھ کہا ہے اس پر عمل کرو۔''

فریدی نے ایک جیپ کار ایک ہفتہ کے لئے کرائے پر حاصل کی تھی۔ وہ دونوں ٹھیک پچیس منٹ بعد وہاں سے روانہ ہوئے۔

''آپ ملے ڈی آئی جی صاحب سے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ملا تھا.....لیکن میں ان کے لئے قطعی اجنبی ثابت ہوا۔''

''آخر یہ سب ہے کیا.....؟''

''میری دانست میں تو اس لڑکی ریٹا کا خیال بالکل درست ہے۔''

''کس سلسلے میں.....؟''

''لوگوں کو اپنا غلام بنائے رکھنے کے لئے یہ حرکت کی گئی ہے۔ ریٹا کا خیال ہے کہ اگر اس نے ان کیلئے کام کرنے سے انکار کر دیا تو اسے کسی جانور کے جسم میں منتقل کر دیا جائے گا۔''

''کیا ہم شہنشاہ افراسیاب والی ''طلسم ہوشربا'' سے دوچار ہونے والے ہیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ خود ہی جیپ ڈرائیو کر رہا تھا۔

سورج غروب ہونے میں ابھی دیر تھی۔ مغربی افق کے اَبر آلود ہونے کی بناء پر رنگا رنگ دھاریاں دور تک پھیلتی چلی گئی تھیں اور خودرو پھولوں کی مہک سے فضا معمور تھی۔

حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بڑبڑایا۔ ''ویسے کبھی ادھر آنے کی توفیق نہیں ہوئی تھی۔''

''بڑی پُر فضا جگہ ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''شائد تمہارا سکون زیادہ عرصہ تک برقرار نہ رہ سکے۔''

''کیوں.....؟''

''قاسم کو تمہاری تلاش تھی۔ کسی طرح علم ہو گیا ہے اُسے کہ تم نے کہیں کے لئے فلائی کیا ہے۔ لہٰذا مختلف فضائی کمپنیوں کے دفتروں کے چکر کاٹتا پھر رہا تھا۔''

''آنے دیجئے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''ہاں.....دیکھو تم اُس لڑکی سے دور ہی رہو گے۔''

''کس لڑکی سے.....؟''

''وہ.....ریٹا.....!''

''کیا آپ اس سے ملے تھے؟''

''فی الحال ضرورت نہیں سمجھی۔''

''آخر یہ ہے کیا چکر.....؟''

''دیکھیں گے۔''

''آپ کو ان حالات کا علم کیسے ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ آپ کو پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی۔ اس لئے آپ نے مجھے اس طرح بے سروسامانی کی حالت میں روانہ کر دیا تھا۔''

"ہاں مجھے علم تھا کہ کوئی غیر معمولی واقعہ ہوا ہے۔"

"سعیدہ کا خیال ہے کہ ڈی آئی جی صاحب ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں۔"

"عام حالات میں یہی سمجھا جائے گا۔"

"شکیلہ اور نورا کے کیس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"آج میں نے ان دونوں کے معاملات کی تصدیق بھی کر لی ہے۔ دونوں ہسپتال میں ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ اگر میرے جی بہلنے کا کوئی سامان نہ ہوا تو میں بھی پاگل ہو جاؤں گا۔"

"تمہیں ہوٹل فیضان ہی میں مقیم رہنا ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"اگر اس طرح وہاں سے غائب ہو گئے تو اس لڑکی ریٹا کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ کوئی بہت بڑا کھیل ہے۔ ہمیں محتاط رہنا پڑے گا۔"

"میں رہ جاؤں گا.... لیکن ڈاکٹر سعیدہ؟"

"اسے بھی برداشت کرو.... کسی نہ کسی طرح۔"

"بے موت مر جاؤں گا۔"

"کچھ بھی ہو۔"

"لیکن اس کمرے میں تو قیام نہیں کر سکتا۔"

"صرف دو دن اور ٹھہرو وہاں۔ تاکہ لڑکی ان لوگوں کے شبہے سے بالاتر ہو جائے۔"

"پھر بھی.... مجھے دوسرا کمرہ چاہئے۔"

"اس کا انتظام بھی میں نے کر دیا ہے۔"

"سعیدہ کو واپس بھجوا دیجئے نا....!"

"وہ اپنے باپ کو اس حال میں چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہے۔"

"تو ہم کہاں جا رہے ہیں اس وقت....!"

"فیضان....!"

"اور آپ....؟"

"میں وہیں جاوداں میں قیام کروں گا۔"

"ساتھ کیوں نہ رہیں۔"

"مناسب نہیں سمجھتا.... کیا تم خائف ہو....؟"

"ہرگز نہیں.... میں تو جنت الفردوس کے خواب دیکھ رہا ہوں۔"

"نہیں.... کچھ حراساں نظر آ رہے ہو۔"

"مجھے سعیدہ سے بچائیے ورنہ خودکشی کر لوں گا۔"

"کیا بہت بور کرتی ہے۔" فریدی مسکرایا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ بُرا سا منہ بنائے بیٹھا رہا۔ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "میں نے اس غیر معمولی جسامت رکھنے والے آدمی کے بارے میں بھی چھان بین کی تھی۔"

"وہ کون تھا....؟ وہ اس طرح پگھل کیوں گیا تھا۔"

"دونوں ہی باتیں نہیں معلوم ہو سکیں۔"

"پھر کیا چھان بین کی تھی آپ نے؟"

"کلب میں پہلی ہی بار دیکھا گیا تھا۔ رقاصہ کا پتہ ابھی تک نہیں چل سکا۔ تمہیں یقین ہے کہ تم نے اُسے رقاصہ کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھا تھا۔"

"جی ہاں.... اور وہ خود کو بچا گئی تھی۔ لیکن پھر جو اس کی طرف نظر اٹھی تھی تو میں نے اسے اونگھتے پایا تھا۔ سر سینے پر جھکا ہوا تھا۔"

فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔

جیپ ہوٹل فیضان کے پھاٹک پر روک دی گئی۔ فریدی نے حمید سے اُترنے کو کہا۔

"اور آپ....؟"

"میں واپس جاؤں گا۔ اس وقت کاؤنٹر پر ریٹا ہی موجود ہے۔ وہ تمہیں تمہارے کمرے کی کنجی دے گی۔ کچھ دیر کاؤنٹر پر رک کر اس سے چھیڑ چھاڑ ضرور کرنا۔"

"کیا مطلب.....؟" حمید کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"چھیڑ چھاڑ کا ترجمہ کس زبان میں چاہتے ہو۔" فریدی نے بے حد خشک لہجے میں

حمید گاڑی سے نیچے اُتر کر کچھ کہے سنے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا۔ مڑ کر دیکھا بھی نہ
فریدی موجود ہے یا چلا گیا۔

صدر دروازے سے ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔ شام کے ساڑھے پانچ بج رہے
زیادہ تر میزیں ابھی خالی تھیں۔

کاؤنٹر کی طرف مڑا ہی تھا کہ ڈی آئی جی اور سعیدہ پر نظر پڑی۔ وہ کاؤنٹر کے قریب
کی ایک میز پر تھے۔ کسی مسئلہ پر الجھ گئے تھے۔ شائد گفتگو کے انداز سے جوش و خروش ظاہر
تھا۔ ریٹا بھی انہیں کی طرف متوجہ تھی۔

"میرے لئے کوئی کمرہ بک ہوا ہے۔" حمید نے ریٹا سے پوچھا۔

"آپ کا نام جناب.....؟" وہ مسکرائی۔

"کیپٹن ساجد حمید۔"

"جی ہاں۔" اس نے دراز سے کنجی نکال کر کاؤنٹر پر ڈال دی۔ اتنے میں سعیدہ
اُسے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ وہ کرسی سے اٹھ کر اس کے قریب آئی اور گھورتی ہوئی بولی۔
کہاں تھے؟"

"مجھے اس وقت بھی نہیں معلوم کہ میں کہاں ہوں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر

"مجھ سے بے تکی باتیں نہیں چلیں گی۔"

اتنے میں ڈی آئی جی بھی اٹھ کر اُن کے قریب آ گیا۔

"سنئے جناب۔" اس نے حمید سے کہا۔ "ان صاحبزادی نے میری زندگی تلخ کر
دی ہے۔ میں انہیں کس طرح سمجھاؤں کہ یہ جسم ان کے باپ کا ہوسکتا ہے لیکن میں ان کا
نہیں ہوسکتا۔ میری عمر اتنی زیادہ نہیں کہ ان جیسی بیٹی کا تصور بھی کرسکوں۔"

"آپ مجھ سے کیا کہہ رہے ہیں جناب۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "انہوں نے مجھے

زندہ رہنے کے قابل چھوڑا ہے۔"

"کیا مطلب.....؟" سعیدہ نے آنکھیں نکالیں۔

"کک.....کچھ نہیں.....!" حمید نے گڑبڑا کر کہا اور ریٹا کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"ادھر دیکھو میری طرف.....!" سعیدہ اس کا شانہ پکڑ کر اپنی جانب موڑتی ہوئی بولی۔

"خدارا.....میری خطائیں معاف کردیجئے۔" حمید گھگھیایا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور ریٹا نے ریسیور اٹھالیا۔ سعیدہ حمید کو گھورے جارہی تھی۔

"کوئی صاحب آپ کو پوچھ رہے ہیں۔" ریٹا نے ماؤتھ پیس میں ہاتھ رکھ کر حمید سے کہا۔

"کیا پوچھ رہے ہیں.....؟"

"کہ فیضان میں کیپٹن حمید نام کے کوئی صاحب مقیم ہیں یا نہیں۔"

"آپ نے کیا کہا۔"

"یہی کہ رجسٹر دیکھ کر بتا سکوں گی۔ ہولڈ آن کیجئے۔"

حمید سوچنے لگا۔ کون ہوسکتا ہے۔ فریدی تو اس طرح پوچھ نہیں سکتا کیونکہ وہ خود ہی ابھی
ابھی اُسے یہاں چھوڑ کر گیا تھا۔ پھر کون ہوسکتا ہے۔

اس نے ریٹا سے ریسیور لینے کے لئے ہاتھ بڑھادیا۔

"ہیلو.....!" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "کون صاحب ہیں۔"

"قاسم صاحب۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"قبر میں بھی تم مجھے چین نہ لینے دو گے؟"

"قون.....حمید بھائی۔" دوسری طرف سے چہک کر پوچھا گیا۔ پھر فوراً ہی کسی قدر
ناخوشگوار لہجے میں کہا گیا۔ "سالے وہ رات بھول گئے جب تم نے وعدہ کیا تھا۔"

"کیسا وعدہ.....؟" حمید نے نتھنے پھلائے۔

"یہی کہ جب بھی کسی اچھی جگہ پر جاؤ گے مجھے جرور.....ضرور ساتھ لے جاؤ گے۔"

"یہاں ہرگز مت آنا ورنہ جان سے مار دوں گا۔"

''ابے جاؤ.....تمہارے باپ کا ہوٹل ہے نا کہ نہ آؤں گا.....!''

حمید نے ریسیور کریڈل پر پٹخ کر سعیدہ سے کہا۔''اب میری زندگی محال ہے۔''

''کون تھا.....؟'' سعیدہ نے پوچھا۔

''ابھی معلوم ہو جائے گا۔'' حمید نے کہا اور پھر ڈی آئی جی کی طرف مڑ کر بولا۔''آپ کے لئے مناسب یہی ہے کہ آپ زیادہ سے زیادہ آرام کریں۔''

''میں بیمار تو نہیں ہوں۔'' ڈی آئی جی نے کسی قدر ترش لہجے میں کہا۔

''آپ کی مرضی.....!'' حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور میزوں کے درمیان سے دوسرے سرے تک بڑھتا چلا گیا۔

بالکل دیوار کے قریب کی ایک جگہ پر ایک میز اپنے لئے منتخب کر کے ویٹر کو کافی کا آرڈر دیا۔سعیدہ ڈی آئی جی کو چھوڑ کر اس کے پیچھے چل پڑی تھی۔

''میں نے بھی ابھی تک شام کی چائے نہیں پی۔'' وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔

''آپ کے کمرے میں بھجوا دی جائے گی۔آپ کے لئے بھی میرا مشورہ یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ آرام کیجئے۔''

''تم تھے کہاں.....؟''

''محترمہ.....میرے حال پر رحم کیجئے۔''

''کیا مطلب؟ تم آخر مجھ سے اس انداز میں گفتگو کیوں کر رہے ہو؟''

''آج صبح آپ نے لباس کیوں تبدیل نہیں کیا.....؟''

''تم سے مطلب.....؟''

''بس تو پھر آپ بھی میرے معاملات میں کوئی سروکار نہ رکھئے۔''

''تمہیں کرنل فریدی نے یہاں کیوں بھیجا تھا؟''

''اس کا جواب میں صرف کرنل ہی کو دے سکوں گا۔''

''تم میرا ہاتھ نہیں بٹا رہے؟''

''بٹا تو رہا ہوں.....آپ کے والد صاحب اپنے کمرے میں تشریف لے گئے۔''

''وہ تو میں نے ہی روک رکھا تھا انہیں۔تمہارے مشورے پر انہوں نے عمل نہیں کیا۔''

''آپ چاہتی کیا ہیں؟''

''میری نظروں کے سامنے رہو۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ویٹر کافی لایا۔

''میں بھی کافی ہی پی لوں گی۔'' سعیدہ بولی۔

''اور لاؤ.....!'' حمید نے ویٹر سے مردہ سی آواز میں کہا۔

''ود کریم.....!'' سعیدہ بولی۔

ویٹر چلا گیا۔حمید سوچ رہا تھا کہ آخر اس مصیبت سے کیونکر نجات ملے گی اور پھر وہ موٹا مردود بھی تھوڑے ہی سی دیر میں یہاں دھرا ہوگا۔

''ٹھہرو.....میں ابھی آتی ہوں۔'' وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

''میں نے کافی کے لئے کہہ دیا ہے۔''

حمید منہ کھولے دیکھتا رہ گیا۔وہ تیز تیز چلتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اس کی کافی بھی آگئی اور ٹھنڈی ہوتی رہی۔

سعیدہ کی واپسی بیس منٹ سے پہلے نہ ہو سکی۔دھانی ساری میں تھی اور چہرے پر اس طرح پاؤڈر رپف کیا تھا کہ دور سے دکھائی دیتا تھا۔ہاتھ میں وینٹی بیگ بھی نظر آیا۔جو اس سے قبل اس کے پاس نہیں تھا۔وہ بیٹھ کر سانس درست کرنے لگی۔غالباً بہت تیز چل کر آئی تھی۔

حمید اُسے تحیر آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔اس دوران میں سعیدہ نے اپنی عینک بھی اتار کر میز پر رکھ دی تھی۔

''کافی تو ٹھنڈی ہو گئی۔'' حمید نے کہا۔

''دوسری منگواؤ.....!'' سعیدہ مسکرائی اور حمید کا دل دھڑکنے لگا۔اس کی مسکراہٹ اُسے بڑی عجیب لگی تھی۔

''بہتر ہے۔'' اس نے اشارے سے ویٹر کو بلا کر دوسری کافی کے لئے کہا۔ سعیدہ بیگ سے آئینہ اور پف نکال کر چہرے کا پاؤڈر ہموار کرنے لگی تھی۔

حمید نروس قسم کے انداز میں کھنکارا۔ آنکھیں پھاڑے حیرت سے اُسے دیکھتا رہا۔

پاؤڈر ہموار کر کے وہ بولی۔ ''لپ اسٹک کافی پی کر لگاؤں گی۔''

''یعنی کہ آپ..... آپ کے پاس تو شائد وینٹی بیگ تھا ہی نہیں۔''

''آج ہی خریدا ہے۔'' وہ چہک کر بولی۔

''کیا میں اس بدپرہیزی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔''

''بس یونہی..... تم نے کہا تھا نا کہ زندگی کی یکسانیت سے ہر آدمی اکتا جاتا ہے۔ میں بھی اکتا گئی ہوں۔''

حمید دیر تک سر ہلاتا رہا۔

سعیدہ اب بھی آئینے میں اپنے چہرے کا جائزہ لئے جارہی تھی۔ دوسری کافی آئی۔ حمید اس کے لئے کافی بنانے پر آمادہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ آخر سعیدہ نے خود ہی کہا۔

''کیا تم میرے لئے کافی نہیں بناؤ گے۔''

''بب..... بناؤں گا۔''

''تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟''

''وہ..... وہ.....!'' دفعتاً حمید کی نظر صدر دروازے کی طرف اٹھ گئی تھی اور اس نے قاسم کو داخل ہوتے دیکھا تھا۔

''کک..... کون.....؟'' سعیدہ نے بھی اُدھر ہی دیکھتے ہوئے کہا اور پھر یک لخت ساکت ہو گئی۔

قاسم نے کاؤنٹر کے قریب رک کر چاروں طرف نظریں دوڑائی تھیں اور حمید کو دیکھ کر دانت نکال دیئے تھے۔

''ارے..... وہ تو ہماری ہی طرف آرہا ہے۔ اللہ خیر.....!'' سعیدہ بوکھلا کر بولی۔

''تو پھر کیا کروں.....؟'' حمید جھنجھلا گیا۔

''ارے تم دیکھو تو ویسا ہی ہے جیسا پچھلی رات وہاں پگھل گیا تھا۔''

''آپ کافی بنا کر پیجئے۔ میں اُسے دیکھ لوں گا۔'' حمید نے کہا اور قاسم کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اٹھ کر کھڑا ہوا اور ہاتھ ہلا ہلا کر قاسم سے کہنا شروع کر دیا۔ ''بھاگ جاؤ..... بھاگ جاؤ..... ورنہ پگھل کر بہہ جاؤ گے۔ یہاں کی آب و ہوا موٹے آدمیوں کو راس نہیں آتی۔''

''ہی ہی ہی ہی.....!'' قاسم کھڑا احمقانہ انداز میں ہنستا رہا۔ حمید کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھ کر نروس ہو چکا تھا۔

''تم نے سنا نہیں..... میں کہتا ہوں بھاگ جاؤ۔ پگھل جاؤ گے اور صرف تمہارا سوٹ فرش پر پڑا رہ جائے گا۔''

''ارے باپ رے۔'' قاسم یک بیک بدحواس نظر آنے لگا۔

''سچ کہتا ہوں..... بھاگ جاؤ۔''

''لیقن..... لیقن.....!''

''لیقن ویقن کچھ نہیں..... بس بھاگ جاؤ۔''

حمید نے دیکھا کہ سعیدہ بھی کرسی سے اٹھ رہی ہے۔ وہ قاسم ہی کی طرف متوجہ رہا اور سعیدہ چپ چاپ وہاں سے کھسک گئی۔

''بیٹھ جاؤ.....!'' حمید نے کرسی کی طرف اشارہ کر کے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''چلی..... غئی.....!'' قاسم ہانپتا ہوا بولا۔

''جانے دو..... بیٹھو..... میں تمہارے لئے کافی بنا رہا ہوں۔''

''تو پھر ابھی کیوں بھگا رہے تھے۔'' قاسم نے بُرا مان جانے کے سے انداز میں کہا۔

''ابے وہ تو جن تھا۔ یہاں آتے ہی سر پر سوار ہو گیا تھا۔''

''مجھے نہیں کہہ رہے تھے۔'' قاسم نے طفلانہ حیرت کے ساتھ پوچھا۔

''ہرگز نہیں..... جن بھی بھاگ گیا۔''

"اے جاؤ..... اُلو نہ بناؤ..... وہ لونڈیا تھی یا جن.....!"

"عورت کے بھیس میں تھا.....!"

"بس بس..... نہیں چلے گا بھیس ویس..... اب جن بھی سالے سراغ رساں ہونے کہ بھیس بدلیں گے۔"

اتنی دیر میں حمید کافی بنا چکا تھا۔ پیالی اس کی طرف سرکاتا ہوا بولا۔ "لو پیئو.....!" اس کی نگاہ صدر دروازے کی طرف اٹھ گئی۔

اس بار سچ مچ اسی قسم کا دیو پیکر آدمی جھک کر صدر دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا جو پچھلی رات کو نائٹ کلب میں نظر آیا تھا۔

قاسم نے بھی اسکی طرف دیکھا اور نہ جانے کیوں جھینپے ہوئے انداز میں منہ چلانے لگا۔ ریٹا اپنی کرسی سے اٹھ گئی تھی اور خوفزدہ نظروں سے اس دیو پیکر کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

پہلا میک اپ

شاید ابھی تک اس کی نظر ریٹا پر نہیں پڑی تھی اور ہال میں اس وقت ریٹا کے علاوہ کوئی عورت نہیں تھی۔

دفعتاً حمید نے قاسم سے کہا۔

"دیکھو تو تمہیں کیسا گھور رہا ہے۔"

"ہاں..... سالا نہیں تو..... لیکن ..... مجھ سے لمبا معلوم ہوتا ہے۔"

"ابے..... کچھ نہیں..... للکار دے۔"

"قیوں..... کھوانکھوا.....!"

"تمہاری مرضی..... دھاک بیٹھ جائے گی..... دیکھو سب ہی اُسے غور سے دیکھ رہے

اور وہ لڑکی جو کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی ہے۔"

"اے..... ہاں ہے تو۔" قاسم نے کہا اور منہ چلانے لگا۔

"تو پھر..... ارے لو..... وہ تو وہیں بیٹھ گیا۔ کاؤنٹر کے قریب۔"

"بیٹھ جانے دو۔ اے..... تم خوامخواہ مجھے اس سے کیوں لڑا دینا چاہتے ہو۔ کیا بگاڑا ہے اس نے میرا۔"

"تمہاری مرضی.....!" حمید یونہی رواروی میں بولا۔ وہ پوری طرح اس دیو ہیکل آدمی کی طرف متوجہ تھا۔

اس نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر کچھ کہا۔

ویٹر خوفزدہ انداز میں سر ہلاتا ہوا کچن کی طرف واپس چلا گیا۔

ہال کے سب ہی لوگ اس کی طرف متوجہ تھے۔ کبھی وہ قاسم کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی اس کی طرف۔ قاسم کی آمد پر بھی وہ سب ہی چونکے تھے۔

پچھلی رات کا واقعہ آج کے اخبارات میں شائع ہوا تھا اور لوگوں کو اس حیرت انگیز حادثے کا علم ہو چکا تھا جو پچھلی رات ایک نائٹ کلب میں وقوع پذیر ہوا تھا۔

دفعتاً کاؤنٹر کے فون کی گھنٹی بجی اور وہ دیو پیکر چونک کر آواز کی جانب مڑ گیا۔

پھر حمید نے اُسے اٹھتے دیکھا۔

وہ کاؤنٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ریٹا اچھل کر کاؤنٹر سے دور ہٹ گئی۔ کاؤنٹر کی چوڑائی زیادہ نہیں تھی اور وہ کاؤنٹر پر جھک کر بہ آسانی ریٹا کو پکڑ سکتا تھا۔ غالباً ارادہ بھی کچھ اسی قسم کا رکھتا تھا۔ اس نے ریٹا کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا کہ ریٹا کی چیخ نکل گئی۔

"ابے او..... حرامزادے۔" قاسم اُسی جگہ سے دہاڑا۔

اور پھر وہ اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا بھی تھا۔ حمید نے اُسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ بھی اسکے پیچھے پیچھے کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ لوگ اپنی کرسیوں سے اٹھ گئے تھے۔

دفعتاً قاسم نے قریب پہنچ کر پیچھے سے اُس کے کوٹ کا کالر پکڑ لیا۔

نہ صرف کالر پکڑا تھا بلکہ پوری قوت سے اُسے پیچھے بھی کھینچا تھا۔ وہ کسی جڑ سے اکھڑے ہوئے تناور درخت کی مانند فرش پر آ پڑا۔

"سالے نہیں تو.....!" قاسم اپنے ہاتھ ملتا ہوا بڑبڑایا۔

اب وہ فاتحانہ انداز میں ریٹا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے۔ دیو پیکر فرش پر چت پڑا تھا۔ آنکھیں بند تھیں، اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

دفعتاً قاسم خوش ہو کر بولا۔ "لو..... پیشاب کر رہا ہے سالا.....!"

لیکن حمید محسوس کر رہا تھا کہ اس کا جسم آہستہ آہستہ پگھل رہا ہے۔

کسی نے پولیس اسٹیشن فون کر دیا۔

دفعتاً حمید کو خیال آیا کہ قاسم کو وہاں سے ہٹا دینا چاہئے۔ لیکن اب یہ قطعی ناممکن تھا۔ کیونکہ لوگوں نے قاسم کو بھی گھیرے میں لے لیا تھا۔ دیو پیکر آدمی کا جسم پگھلتا رہا۔

اتنے میں قاسم کی بھی آنکھیں کھلیں۔ وہ بھی حیرت سے اس ڈراؤنے منظر کو دیکھتا رہا۔

"ارے..... بب..... باپ..... غمید بھائی..... ارے باپ رے۔ مجھے سنبھالو..... بب.....بیہوش.....!"

اور پھر وہ جو لہرا کر گرنے لگا ہے تو حمید کے سنبھالنے کے باوجود بھی ڈھیر ہی ہوتا چلا گیا۔

حمید کو سنبھالا دینے سے اتنا ہوا کہ دھڑام سے گرنے کی بجائے بہت احتیاط سے لمبا لمبا لیٹ گیا تھا۔

پھر کسی نے ٹیلی فون کھڑکھڑا کر پولیس کو اطلاع دی کہ دوسرا بھی بیہوش ہو گیا۔

حمید اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کر رہا تھا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں جناب؟" ایک آدمی نے اُسے ٹوکا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ یہ پگھلنے والوں میں سے نہیں ہے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"اس لئے کہ اسے سالہا سال سے جانتا ہوں۔ یہ کاؤنٹر گرل کو بچانے کے لئے اُس

سے الجھ پڑا تھا۔"

"پھر بھی آپ الگ ہٹ جائیں تو بہتر ہے۔"

"آپ اپنا کام کیجئے۔ خواہ مخواہ مجھے کیوں بور کر رہے ہیں۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"میں نے پولیس کو فون کیا ہے۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ کسی فلم اسٹار کو کیا ہے۔"

"آپ عجیب آدمی ہیں؟" وہ گردن جھٹک کر دوسری طرف چلا گیا۔

دیو پیکر بدستور پگھل رہا تھا اور گاڑھا گاڑھا سیال فرش پر پھیلنے لگا تھا اور یہ سیال پھیلتا ہوا قاسم تک بھی پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے حمید اُسے وہاں سے ہٹا لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔

لیکن قاسم تنہا اس کے بس کا روگ تو نہیں تھا۔ کچھ لوگوں سے مدد بھی طلب کی۔ مگر کون اُسے ہاتھ لگانے کو تیار ہوتا..... وہ سب ہی اُس کے بھی پگھل جانے کے منتظر تھے۔

اتنے میں پولیس بھی آ گئی اور اُس کے ساتھ فریدی کو بھی دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ وہ سیدھا قاسم ہی کی طرف آیا تھا۔

"یہ کیسے ہوا.....؟" اس نے حمید سے پوچھا۔

"میں اسے یہاں سے ہٹانا چاہتا ہوں..... اُدھر دیکھئے۔" حمید نے پگھلتے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ گاڑھا سیال اب قاسم سے دو یا تین فٹ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔

"اُدھر ہٹو.....!" فریدی نے اُسے ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا اور جھک کر قاسم کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا لیا۔

دیکھنے والوں کے لئے تیسرا عجوبہ۔

وہ سب اُسے حیرت سے گھور رہے تھے اور اس نے قاسم کو کاؤنٹر پر لٹا دیا۔ ریٹا ایک بار پھر سہم کر پیچھے ہٹ گئی۔ فریدی نے حمید کو اشارہ کیا کہ وہ قاسم کے پاس ٹھہرے اور خود پگھلتے ہوئے آدمی کے قریب جا کر کھڑا ہوا۔ حمید نے دیکھا کہ ایس پی کرائمز آہستہ آہستہ اُس سے کچھ کہہ رہا ہے۔ فریدی کا سر پُر تشویش انداز میں ہل رہا تھا۔

پھر فریدی کی عقابی نظریں تماشائیوں کا جائزہ لینے لگیں۔

حمید قاسم کی طرف متوجہ تھا۔ اتنے میں دو کانسٹیبل ایک اسٹریچر کاؤنٹر کے قریب لائے۔

"تم اسے اپنے کمرے میں لے جاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "میں ابھی وہیں آتا ہوں۔"

"پانچ چھ آدمیوں نے مل کر قاسم کو اسٹریچر پر ڈالا تھا اور پورٹر کی رہنمائی میں اُسے کے کمرے تک لائے تھے۔"

حمید اسے مسہری پر ڈلوا کر خود کسی عیالدار بیوہ کے سے انداز میں اُس کے سرہانے بیٹھ گیا۔

حمید کا کمرہ اُسی کوریڈر میں تھا جس میں ڈی آئی جی اور سعیدہ کے کمرے تھے۔

کچھ دیر بعد سعیدہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اب اُس نے لپ اسٹک بھی لگائی تھی۔

خاصی دلکش لگ رہی تھی اس وقت..... لیکن حمید بھنا کر رہ گیا۔

"یہ کیا ہوا؟ تم اسے یہاں کیوں اٹھوا لائے ہو؟" سعیدہ نے پوچھا۔

"بے ہوش ہو گیا ہے مردود..... لیکن کسی طرح پگھلنے کا نام نہیں لیتا۔"

"میں نے سنا ہے کہ دوسرا ہال میں پگھل رہا ہے۔"

"سنی سنائی باتوں پر یقین کر لینا حماقت ہے۔ خود جا کر دیکھ آؤ۔"

"تم چاہتے ہو کہ میں یہاں سے چلی جاؤں..... کیوں؟"

"ارے نہیں صاحب..... آپ یہ کمرہ بھی مجھ سے چھین لیجئے اور میں در بدر کی ٹھوکریں کھاتا پھروں۔"

"کاٹ کھانے کو کیوں دوڑ رہے ہو..... یہ مرد بھی میری سمجھ میں نہ آسکیں گے۔"

"ناقص العقل ہوتے ہیں کم بخت۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"یقیناً..... بیسویں صدی کے مرد سو فیصد ناقص العقل ہیں۔"

"تو اب اکیسویں صدی میں بھی پیدا ہونے کی کوشش کروں گا۔"

اتنے میں ریٹا بوکھلائی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ چند لمحے کھڑی ہانپتی رہی! پھر ہکلانے لگی۔

"یہ کک..... کیا ہوا..... مم..... میرے خدا۔"

حمید نے اس کے لئے کرسی خالی کر دی اور اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "بیٹھ جاؤ..... فکر نہ کرو..... تم پر کوئی بات نہ آئے گی۔ میں تو موجود تھا وہاں۔"

"اور آپ صدر مملکت ہیں۔" سعیدہ نے زہریلے لہجے میں کہا۔ لیکن حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر ریٹا کا شانہ تھپکتا رہا۔

کمرے میں دو کرسیاں تھیں۔ دوسری پر سعیدہ جم گئی۔ وہ ریٹا کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتی رہی تھی۔ لیکن ریٹا تو قاسم کی طرف متوجہ تھی۔

"کیا یہ تمہارا کوئی شناسا ہے؟" ریٹا نے کچھ دیر بعد حمید سے پوچھا۔

"ہاں..... بہت پرانا..... اس وقت اسی نے فون پر میرے بارے میں پوچھا تھا۔"

"لیکن..... وہ..... دوسرا.....؟"

"ہوں..... تو اس نے تمہیں پکڑنے کی کوشش کی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"یقیناً..... اگر تمہارا دوست اُسے پیچھے نہ کھینچ لیتا تو میں آ گئی تھی اس کی گرفت میں۔"

"اس سے پہلے کبھی تم نے اُسے نہیں دیکھا۔"

"کبھی نہیں..... میری یادداشت میں تو وہ کبھی یہاں نہیں آیا۔"

"کیا تم اور کیا تمہاری یادداشت.....!" سعیدہ بڑبڑائی۔

"ڈاکٹر سعیدہ! اگر کوئی حرج نہ ہو تو اسے دیکھ لو۔" حمید نے اس سے کہا۔

"میں کوئی حکیم تو نہیں کہ نبض دیکھ لوں۔ یہاں میرے پاس سامان نہیں ہے۔"

اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ یہ فریدی تھا۔

"تمہیں جو کچھ بھی کہنا ہے جلدی سے کہہ جاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"بس اتنا ہی عرض کروں گا کہ اب دو بلائیں جان کو چمٹ گئی ہیں۔"

"تمہارا نجی معاملہ ہے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"کل یہ حضرت رات بھر اور آج دن بھر غائب رہے تھے۔" سعیدہ نے حمید کی طرف

ہاتھ اٹھا کر فریدی سے کہا۔

فریدی نے اس ریمارک پر صرف سر ہلا دیا۔

پھر حمید نے اُسے ڈائننگ ہال والی کہانی سنائی۔

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر حمید کو وہیں رکنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر چلا گیا۔

"یہ صاحب! کون تھے؟" ریٹا نے حمید سے پوچھا۔

"تعجب ہے کہ تم انہیں نہ پہچان سکیں جبکہ تمہارے البم میں ان کی بھی تصویر موجود
شائد سب سے طویل نوٹ انہیں کے بارے میں لکھا گیا ہے اس میں۔"

"اچھا.....!" وہ تفہیمی انداز میں سر ہلا کر رہ گئی۔

پھر کمرے کی فضا پر بوجھل سا سکوت طاری ہو گیا۔

قاسم اس وقت لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا۔ آنکھوں کے پپوٹے تھرتھرا رہے تھ
ایک گال بھی پھڑکنے لگا۔

"کیا یہ مر رہا ہے۔" سعیدہ نے کہا اور اٹھ کر مسہری کے قریب آ گئی۔

"اسکی نبض پر ہاتھ ہی رکھ دو تا کہ یہ سکون سے مر سکے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر

"میں جان کنی کا منظر نہیں دیکھ سکتی۔" ریٹا بوکھلا کر اٹھ گئی۔

حمید نے اُسے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔ سعیدہ قاسم کی نبض دیکھ رہی تھی اور قاسم کا
گال بھی پھڑکنے لگا تھا۔

یک بیک اس نے آنکھیں کھول دیں اور سعیدہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آئی۔

قاسم نے چاروں طرف دیدے گھمائے اور پھر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ سعیدہ
آہستہ سے حمید سے کہا۔ "ہوش آ گیا ہے۔"

ریٹا اپنی کرسی دور کھسکا لے گئی۔

ٹھیک اسی وقت فریدی پھر دستک دے کر کمرے میں داخل ہوا۔

"ڈاکٹر سعیدہ! میری دانست میں آپ نصیر آباد واپس چلی جاتیں تو بہتر تھا۔" اس نے

"یہ کیسے ممکن ہے..... ڈیڈی کو اس حال میں تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا۔ وہ اپنی یادداشت کھو
بیٹھے ہیں۔"

"انہیں ہسپتال میں داخل کرا دیا جائے گا۔"

"اس کے باوجود بھی میں اپنی موجودگی ضروری سمجھتی ہوں۔"

"جیسی آپ کی مرضی! لیکن میں ان کے گرد بھیڑ بھاڑ پسند نہیں کروں گا۔ خاندان کے
دوسرے افراد کو یہاں بلانے کی کوشش نہ کیجئے گا۔"

"وہ تو میں خود بھی پسند نہ کروں گی۔ ان کے ذہن پر بہت زیادہ بار ان کے لئے نقصان
دہ ثابت ہو گا۔"

"کیا اسے ہوش آ گیا.....؟" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"خدا جانے..... آنکھیں تو کھول رکھی ہیں۔"

"ہائے میرا مکدر.....!" دفعتاً قاسم بھوں بھوں کرتی ہوئی روہانسی آواز میں بولا۔ "میں
خود ہی اپنا کباڑ کر لیتا ہوں..... میں سمجھا سالا پیشاب کر رہا ہے۔ مگر وہ تو..... ارے باپ
رے..... ہو ہو ہو ہو.....!"

اس کے حلق سے ڈری ڈری آوازیں نکلنے لگیں۔

سب اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لہٰذا کسی کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ کب غسل خانے کا
دروازہ کھلا اور کب ایک نقاب پوش ٹامی گن سنبھالے ہوئے کمرے میں داخل ہو گیا۔

"موٹے آدمی کے علاوہ اور سب کمرے سے باہر نکل جائیں۔" دفعتاً نقاب پوش نے
انہیں للکارا اور وہ سب چونک کر اُس کی طرف مڑے۔

"بھائی کیا تکلیف ہے تمہیں۔" حمید نے مضحکانہ انداز میں اس سے پوچھا۔

"موٹے آدمی کے علاوہ اور سب کمرے سے باہر نکل جائیں۔" اس نے پھر اپنے الفاظ
دہرائے۔

"آخر کیوں.....؟" فریدی نے پُرسکون لہجے میں پوچھا۔

"دس تک گننے کے بعد میں فائرنگ شروع کردوں گا۔ ورنہ باہر جاؤ۔ ایک......دو تین......چار......اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ......دروازے کی طرف مڑو...... پانچ......!"

سبھوں نے ہاتھ اٹھا لئے۔

"مجھے دروازہ کھولنے کی اجازت دو......ورنہ یہ لوگ باہر کیسے نکلیں گے۔" فریدی نے

"اجازت ہے۔" وہ غرایا۔

فریدی ان لوگوں کو ہٹاتا ہوا دروازے تک جا پہنچا۔

پھر حمید نے چشم زدن میں جو کچھ بھی دیکھا ہوش اڑا دینے کے لئے کافی تھا۔ فریدی جھک کر بائیں ہاتھ سے دروازے کا ہینڈل گھماتے ہوئے بڑی پھرتی سے ریوالور نکالا تھا اس کو بائیں بغل کے نیچے سے دوسری طرف لے جاکر محض اندازے سے فائر کر دیا تھا۔

ایک طویل کراہ کے ساتھ نقاب پوش دیوار سے جا ٹکرایا۔ ٹامی گن ہاتھوں سے نکل مسہری کے قریب آ گری تھی۔ جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔

حمید کی دانست میں فریدی نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ اُس کے ریوالور سے نکلی ہوئی گولی ریٹا اور سعیدہ کے درمیان سے گذری تھی اور ان دونوں کا فاصلہ بمشکل آٹھ یا نو انچ رہا ہوگا۔ وہ دونوں اس سے بے خبر تھیں کہ فریدی کیا کرنے جا رہا ہے۔ لہٰذا ان میں سے کوئی بھی ادھر اُدھر ہو سکتی تھی۔ ان دونوں کو تو جیسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ زندہ ہیں۔

نقاب پوش دو یا تین سیکنڈ دیوار سے ٹکا رہا پھر دھم سے فرش پر آ رہا۔

خود حمید میں ابھی تک اتنی سکت پیدا نہیں ہو سکی تھی کہ وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی کر سکتا۔

دفعتاً انہوں نے فریدی کی آواز سنی۔ "اب تم سب باہر چلے جاؤ۔"

وہ دروازے کی طرف بڑھے۔ فریدی قاسم کو سہارا دے کر مسہری سے اٹھا رہا تھا۔ قاسم نے اٹھنے میں بڑی پھرتی دکھائی۔

حمید دروازے کے قریب پہنچ کر پھر پلٹ آیا۔

"کیا میں بھی جاؤں......؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں......!"

"لیکن جناب......!" ریٹا کمزور سی آواز میں بولی۔ "آپ کے ساتھ یہاں میری موجودگی ضروری ہے۔ ورنہ آپ کوئی غلطی بھی کر سکتے ہیں۔"

فریدی نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا اور حمید سے کہا کہ وہ سعیدہ کے کمرے میں اس کا منتظر رہے۔

ریٹا آہستہ سے بولی۔ "وہ کمرہ مناسب ہے۔"

قاسم احمقانہ انداز میں ایک ایک کی شکل دیکھ رہا تھا۔ حمید انہیں ساتھ لے کر راہداری میں نکل آیا۔

فریدی نے ریوالور میں سائیلنسر لگا رکھا تھا ورنہ اس وقت راہداری سنسان نہ ہوتی۔

قاسم بڑبڑا رہا تھا۔ "اب زندہ رہا تو لعنت بھیج دوں گا۔ دوستی دوستی پر شروع ہو گئی ٹھائیں ٹھوئیں۔ سالا اپنا مکدر ہی خراب ہے۔ اب لو سالے پگھل رہے ہیں۔ پڑے ہوئے......ایک ہاتھ بھی تو نہیں مارا تھا۔ ارے باپ رے۔"

دفعتاً وہ اچھل پڑا اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہیں پر جم سا گیا ہو۔

"اب کیا ہوا......؟" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"جرا یہ تو بتاؤ......اس نقاب پوش نے یہ کیوں کہا تھا کہ موٹے کے علاوہ اور سب کمرے سے باہر نکل جائیں۔"

"اب ہوش آیا ہے؟" حمید نے آنکھیں نکالیں۔ "چلو سیدھی طرح ورنہ۔"

"نہیں بتاؤ مجھے۔"

"ارے پیارے بھائی......وہیں چل کر بتاؤں گا۔"

"کہاں چل کر......؟"

"ان کے کمرے میں۔" حمید نے سعیدہ کی طرف اشارہ کیا اور قاسم اس طرح چونک پڑا جیسے پہلی بار اس کی موجودگی کا احساس ہوا ہو۔

''اچھا......اچھا......چلو چلو۔'' قاسم نے کہا اور اپنے مقدور بھر تیز چلنے کی کوشش کرنے لگا۔

ڈاکٹر سعیدہ اس طرح خاموش تھی جیسے گھگھی بندھ گئی ہو۔

وہ اپنے کمرے میں داخل ہو کر کرسی پر گر گئی تھی۔

قاسم مسہری کی طرف بڑھ رہا تھا کہ حمید نے ٹوک دیا۔

''اب تم ہوش میں آ گئے ہو اس لئے کرسی پر بیٹھو۔''

''ہاں...... ہاں...... ٹھیک ہے۔'' وہ جلدی سے سر ہلا کر بولا۔

وہ خاموش بیٹھے رہے۔ قاسم کبھی حمید کی طرف دیکھتا اور کبھی نظریں چرا کر سعیدہ کی طرف دیکھنے لگتا۔

''حمید...... بھائی اب تو بتاؤ۔'' وہ کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''تمہاری محوبت میں جہاں بھی جاتا ہوں کچھ نہ کچھ گھپلا ہو جاتا ہے۔''

''بڑی دکھ بھری داستان ہے۔''

''مجھے بتاؤ۔'' وہ کنکھیوں سے سعیدہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''خدا کے لئے جلدی بتاؤ میری جان...... نقل جائے غی......!''

''اچھا...... ادھر آؤ۔'' حمید نے کرسی سے اٹھ کر کہا اور اسے الگ لے جا کر سرگوشی شروع کر دی۔ ''یہ لڑکی بے چاری بڑی مصیبت میں پڑ گئی ہے۔ کچھ لوگ اسے اٹھا لے جانا چاہتے ہیں اور اس کو کسی طرح یقین ہی نہیں آتا کہ دنیا میں اس کا کوئی ہمدرد بھی ہے۔''

''تم اس کو یقین دلا دو کہ میں اس کا ہمدرد ہوں۔'' قاسم چھاتی ٹھونک کر بولا۔

''میاں یقین کرے تو کس طرح۔''

''اچھا میں ہی یقین دلا دوں گا۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن یہ ہے قون......؟''

''یہ بھی تو نہیں بتاتی۔''

''میں پوچھ لوں غا......؟''

وہ پھر اپنی اپنی جگہوں پر آ بیٹھے۔ حمید نے اپنے چہرے پر سوگ سا طاری کر لیا تھا۔

قاسم بار بار سعیدہ کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔

ایک بار جیسے ہی دونوں کی نظریں ملیں قاسم بول پڑا۔ ''آپ قون ہیں؟''

''جی...... ای...... ای......!'' سعیدہ نے جی کو طویل کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا ڈاکٹر سعیدہ۔'' حمید تڑ سے بولا۔ ''یہ بھی ذرا فلاسفر قسم کے آدمی ہیں تکلفات کی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہیں۔''

''پھر بھی میں اس قسم کی بدتمیزی پسند نہیں کرتی۔''

''تھوڑا تکلف برتو......!'' حمید نے قاسم سے کہا۔

''بہت اچھا......!'' قاسم سعادت مند بچوں کے سے انداز میں سر ہلا کر بولا۔

''کیپٹن حمید...... اگر کرنل فریدی نے تمہیں یہاں نہ بھیجا ہوتا تو میں تمہیں باہر نکال دیتی۔''

''صدمے سے پریشان ہیں یہ۔'' حمید نے قاسم سے معذرت طلب لہجے میں کہا۔

''قوئی بات نہیں۔ قوئی بات نہیں۔''

''میں کمرے میں خاموشی چاہتی ہوں۔''

حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر اس طرح سر ہلایا جیسے کہہ رہا ہو۔ ''تم کچھ خیال نہ کرنا۔''

قاسم نے بھی اپنے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ پھر دونوں بے حد سنجیدگی سے ہونٹ پر ہونٹ جمائے خاموش بیٹھے رہے۔ ویسے وہ احمقانہ انداز میں ایک دوسرے کو دیکھے بھی جا رہے تھے۔

پھر کچھ دیر بعد حمید نے قاسم سے کہا۔ ''چلو ہم دونوں غسل خانے میں چل کر باتیں کریں۔''

''میرا مذاق اڑا رہے ہو۔'' سعیدہ غرائی۔

''ہرگز نہیں...... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''جی ہاں...... جی ہاں۔'' قاسم بھی سر ہلا کر بولا۔ ''حمید بھائی تو بہت اچھے آدمی ہیں۔''

''میں آپ سے نہیں پوچھ رہی۔''

''تو اس میں کھفا ہونے کی قیا بات ہے؟''

''قاف، قاف، قاف، آخر آپ کاف کے بجائے قاف کیوں بولتے ہیں۔''

"قدرت ہے خدا کی......" قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"سارتر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"قون......سارتر......؟"

"وہ کوئی باقاعدہ قسم کا تھنکر تو ہے نہیں۔" حمید جلدی سے بول پڑا۔ "لہٰذا قاسم صاحب کیا جانیں اُسے۔ انہیں کہانیوں اور ڈراموں سے لگاؤ نہیں۔"

"پھر کیسے جانتے ہیں؟"

"قس کو نہیں جانتا۔" قاسم اکڑ کر بولا۔ "مس مادھوری سے لے کر سائرہ بانو تک کو جانتا ہوں۔ میرے بچپن میں ایق کن بائی بھی تھیں۔"

"کیا مطلب......؟" سعیدہ نے حمید کی طرف دیکھ کر متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"مطلب یہ کہ انہوں نے غیر معروف تھنکرز تک کو پڑھ ڈالا ہے۔"

دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی اور حمید نے اونچی آواز میں کہا۔

"کم ان پلیز......؟"

ریٹا گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئی اور حمید کو مخاطب کر کے بولی۔ "ذرا میرے ساتھ آیئے!"

حمید قاسم کو وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کر کے اس کے ساتھ راہداری میں نکل آیا۔

"انتہائی درجہ غیر دانش مندانہ بات ہوئی ہے۔" ریٹا ہانپتی ہوئی بولی۔

"کیا ہوا......؟"

"کرنل فریدی! میرے منع کرنے کے باوجود بھی غسل خانے والی لفٹ سے نیچے اُتر گئے۔"

بے آواز فائر

حمید سناٹے میں آ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فریدی اچانک اس قسم کا کوئی قد

اٹھائے گا۔

ریٹا کہتی رہی۔ "انہوں نے مقتول کا لباس اتار کر خود پہنا، نقاب لگائی اور اسی کے سے انداز میں ٹامی گن لے کر نیچے اُتر گئے۔"

"یہاں کتنے کمروں میں لفٹ موجود ہے۔"

"میں تو یہی سمجھتی تھی کہ صرف دو کمروں میں ہے۔ ایک میرے کمرے میں اور دوسری ایک کمرے میں جہاں وہ دونوں رہتے ہیں۔"

"کون دونوں؟"

"وہی جنہیں پچھلی رات ہم نے سرنگ والے ہال میں چھوڑا تھا۔"

"مجھے کچھ کرنا چاہئے۔" حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

"تم کیا کرسکو گے......وہاں قدم قدم پر موت ہے۔ آج تک ہم تینوں میں سے کسی نے بھی اس ہال سے آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کی۔"

"تم لوگ بہت زیادہ خائف ہو۔ لفٹ استعمال کرنے کا طریق کار تم نے ہی بتایا تھا۔"

"نہیں......میرے بتانے سے پہلے ہی وہ واش بیسن کے نیچے لفٹ کا بٹن تلاش کر چکے تھے۔ خدا کی پناہ۔ ایسا پھرتیلا آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ جانتے ہو نقاب پوش کے ٹھیک دل کی جگہ سینے پر گولی لگی تھی۔"

"اس قسم کی حرکتیں وہ نشانہ لئے بغیر بھی کر سکتے ہیں۔"

وہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر بولی "اچھا اب میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔"

"ایک بات اور......!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مقتول کو تم پہچانتی تھیں؟"

"نہیں......!" ریٹا تھوک نگل کر بولی۔ "میرے لئے بالکل اجنبی تھا۔ میں تو صرف انہیں دونوں کو جانتی ہوں۔"

"اور کسی کو بھی نہیں۔"

"نہیں......!"

''اس ہوٹل کا مالک کہاں ملے گا......؟''

''اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ انہیں لوگوں کی طرف سے مجھے ہدایت ملی تھی کہ میں اسی ہوٹل میں ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کروں......اور وہ نہایت آسانی سے مل گئی تھی۔''

''منیجر کہاں ہے؟''

''وہی تو تھا جو تم سے الجھ گیا تھا۔''

''اوہ......وہی جس نے پولیس کو فون کیا تھا......؟''

''ہاں......اور وہی تمہیں مالک کے بارے میں بھی بتا سکے گا۔''

''بڑی عجیب بات ہے کہ تم نے مالک کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔''

''کیپٹن حمید......بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو تم......مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ غیر ضروری باتوں میں پڑ کر خود کو ہلاکت میں ڈالوں۔''

''اب تم اپنے کمرے میں جا کر کیا کرو گی۔''

''پھر کہاں جاؤں؟'' وہ جھنجھلا کر بولی۔ ''منیجر نے کاؤنٹر سے ہٹا دیا ہے۔ گاہکوں کے بیانات لئے جا رہے ہیں۔''

''نہیں نہیں......تم اپنے کمرے میں ضرور جاؤ۔ مجھے دراصل تمہاری طرف سے تشویش ہو گئی ہے۔''

''فکر نہ کرو......دیکھا جائے گا۔'' ریٹا نے کہا اور مردہ سی چال کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

حمید دروازے کی طرف مڑا۔ ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور اندر نظر پڑتے ہی ٹھٹک کر رہ گیا۔ عجیب منظر تھا۔ قاسم دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہا ہے اور سعیدہ اس کے قریب رومال لئے کھڑی تھی۔

حمید کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے کہا۔ ''اب دیکھو......میری سمجھ میں تو کچھ آ نہیں رہا۔''

وہ بہت زیادہ نروس معلوم ہوتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے قاسم سے بھی کچھ اوٹ پٹانگ قسم کی باتیں کر چکی ہو۔

''لیکن یہ رو کیوں رہا ہے؟''

''میں کیا جانوں......میں نے تو صرف اتنا پوچھا تھا کہ انہوں نے بوطیقا بھی پڑھی ہے یا نہیں۔''

''میں سمجھا......!'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''کیا سمجھے! جلدی بتاؤ......مجھے الجھن ہو رہی ہے۔''

''اس کی بیوی جو ابھی حال ہی میں فوت ہوئی ہے بوطیقا کا ترجمہ اردو میں کر رہی تھی۔''

قاسم نے اور زیادہ زور و شور کے ساتھ رونا شروع کر دیا۔ اب سسکیوں کے ساتھ آوازیں بھی نکلنے لگی تھیں۔

''اب یہ چپ کس طرح ہوں گے۔'' سعیدہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''میری الجھن بڑھتی جا رہی ہے۔''

''دیکھئے میں کوشش کرتا ہوں......آپ ذرا......ایک منٹ کے لئے باہر چلی جایئے۔''

سعیدہ اس طرح کمرے سے نکل بھاگی تھی جیسے قید سے رہائی ملی ہو۔

''بیٹا۔ اب چپ بھی ہو جاؤ۔'' حمید نے قاسم کے قریب پہنچ کر کہا۔ ''ورنہ بتا دوں گا اسے کہ ابھی اس کی بیوی فوت نہیں ہوئی اور اسکے باپ نے بھی کبھی بوطیقا کا نام نہ سنا ہو گا۔''

قاسم نے گریہ زاری میں بریک لگانے کی کوشش کی لیکن فوری طور پر کامیابی نہ ہوئی۔

''اب تم تھوڑی دیر تک بالکل خاموش رہو گے۔ اُس کی کسی بات کا جواب مت دینا۔''

''سالے......تم ہمیشہ مجھے کسی نہ کسی مصیبت میں پھنسا دیتے ہو۔'' قاسم روتا ہوا بولا۔

''میں کیا جانوں پھلسفا وغیرہ۔ میرے باپ نے مجھے اکونکس پڑھوائی تھی۔''

''پھر کیا کہتا پیارے؟ وہ پڑھی لکھی اور لیڈی ڈاکٹر ہے۔''

''لیڈی ڈاکٹر ہے۔'' قاسم نے چہک کر پوچھا۔ یک بیک ذہنی رو بہک گئی۔ روتے

روتے مسکرانے لگا۔شرارت آمیز قسم کی مسکراہٹ تھی۔

دفعتاً حمید کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔"اچھا تو پھر میں بیمار بنا جاتا ہوں.....میرا علاج کروادو.....!"

"بیماری کیا بتاؤں بیٹے۔"

"کہہ دینا بیوی کے غم میں روتے روتے بواسیر ہوگئی ہے۔ بواسیر ارے نہیں وہ کیا کہتے ہیں اُسے....نکسیر...نکسیر....کیوں نکسیر ہی کہتے ہیں نا اُسے جس میں منہ سے خون آنے لگتا ہے۔"

"اُسے تو شہتیر کہتے ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"ابے جاؤ.....اب میں اتنا چغد نہیں ہوں.....شہتیر تو ہاتھی اٹھاتے ہیں میں نے جغرافیہ میں پڑھا تھا۔"

"اچھا بس ختم.....اب میں اُسے بلا رہا ہوں۔" حمید نے کہا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔لیکن سعیدہ راہداری میں نہیں تھی۔

اس نے سوچا ممکن ہے باپ کے کمرے میں چلی گئی ہو۔لہٰذا وہ پھر کمرے میں واپس چلا آیا۔

قاسم ٹکٹکی لگائے خلاء میں گھورے جارہا تھا۔اُس پر یہ کیفیت اسی وقت طاری ہوتی جب وہ کوئی اسکیم بنا رہا ہوتا۔

حمید خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔دفعتاً دروازے پر کسی نے دستک دی۔

"آجاؤ.....!" حمید بولا۔

دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے والا فریدی تھا۔

"آپ.....؟" حمید متحیرانہ انداز میں بولا۔

"ریٹا کہاں ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں۔"

"وہ نکل گئی ہوگی۔ چلو میرے ساتھ۔ قاسم اٹھو.....جتنی جلد ممکن ہو سکے اس عمارت سے نکل بھاگو۔"

"کچھ بتایئے بھی تو......!"

"وقت نہیں ہے......سعیدہ کہاں ہے؟"

"اپنے باپ کے کمرے میں ہوگی۔"

"ان دونوں کو بھی نکالو یہاں سے۔"

فریدی کے لہجے کی بناء پر قاسم بھی بوکھلا کر اٹھا اور وہ تینوں کمرے سے باہر نکل آئے۔

پھر حمید نے دیکھا کہ فریدی ڈی آئی جی کے کمرے کا دروازہ بُری طرح پیٹ رہا ہے۔

ڈی آئی جی نے دروازہ کھول کر جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔"کیوں زندگی حرام کر رکھی ہے تم لوگوں نے......اس لڑکی کو یہاں سے لے جاؤ......ورنہ میں یا تو اُسے جان سے ماردوں گا یا خودکشی کرلوں گا۔"

"آپ دونوں ہی چلئے۔ ورنہ سچ مچ آپ کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔" فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر کھینچتے ہوئے کہا۔سعیدہ اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ وہ بھی بوکھلا کر باہر نکل آئی۔فریدی نے ڈی آئی جی کو زینوں کی طرف لے جانا چاہا لیکن اس نے اپنا جسم ایک دم اکڑا لیا تھا۔

دفعتاً فریدی بڑی پھرتی سے نیچے جھکا اور ڈی آئی جی کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر ڈال لیا۔

پھر اس نے جو زینوں کی طرف دوڑ لگائی ہے تو قاسم جیسے لمڈھیگ کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا اور اب تو حمید بھی بوکھلا گیا تھا۔ وہ دوڑتے ہی ہوئے ڈائننگ ہال میں پہنچے۔ یہاں ایس پی کرائمز ابھی گاہکوں کے بیانات لے رہا تھا۔

فریدی نے اُسے مخاطب کر کے بلند آواز میں کہا۔

"ایس پی صاحب اگر اس عمارت میں ایک بھی متنفس رہ گیا تو تھوڑی دیر بعد اس کا خون آپ کی گردن پر ہوگا۔ یہاں سے باہر نکل کر جتنا تیز دوڑ نا ممکن ہو دوڑیئے۔ بہت دور نکل جایئے۔"

"ہائے میں کیسے نکل جاؤں......مجھ سے دوڑا نہیں جاتا۔" قاسم چنگھاڑا۔لیکن گھسٹتا ہی کسی نہ کسی طرح اُن کے پیچھے۔ وہ ہوٹل سے باہر نکل آئے۔

"یہ کیا دیوانگی ہے...... کچھ تو بتاؤ۔" سعیدہ چیخی۔ حمید اُسکا ہاتھ پکڑے کھینچے لئے جا
"میں اس کا باپ نہیں ہوں...... میں اس کا باپ نہیں ہوں۔" فریدی کے کاند
ہوا آدمی ہذیانی انداز میں چیخے جا رہا تھا۔

باہر اندھیرا تو پھیل گیا تھا لیکن آسمان صاف ہونے کی وجہ سے گہری تاریکی نہ
راستہ تو سجھائی ہی دیتا تھا۔

"میرے پیچھے چلے آؤ۔" فریدی نے بلند آواز میں انہیں مخاطب کیا۔

"ایسی کی تیسی۔" قاسم دہاڑا۔"میں تو نہیں دوڑوں گا۔ ان لوگوں کا دھندا یہی ہے
کوئی کچھ نہ بولا۔

اتنے میں انہوں نے ہوٹل کے لاؤڈ اسپیکر پر کسی کی آواز سنی۔"عمارت سے با
جایئے۔۔۔فوراً۔۔۔عمارت کو خطرہ ہے...... جتنی جلد ممکن ہو عمارت سے بہت دور ہٹ جا
زبردست خطرہ ہے۔ باہر نکلئے عمارت سے۔"

پھر یہی اعلان انگریزی میں بھی ہوا کیونکہ ہوٹل میں کچھ غیر ملکی بھی مقیم تھے۔

فریدی نے اِب سڑک چھوڑ دی تھی اور ایک ڈھلان میں اتر رہا تھا۔

سعیدہ لڑکھڑانے لگی تھی۔ دفعتاً حمید نے بھی اس کے ساتھ وہی رویہ اختیار کر
فریدی نے اس کے باپ کے لئے اختیار کیا تھا۔

اب وہ اس کے کاندھے پر پڑی ہوئی "ارے ارے" کئے جارہی تھی اور حمید
قدموں کے ساتھ ڈھلان میں اُتر رہا تھا۔

فریدی اس سے قریباً دس گز آگے رہا ہوگا۔ البتہ قاسم کا کہیں پتہ نہ تھا۔

عمارت سے نکل بھاگنے والوں کا شور صاف سنائی دے رہا تھا۔

اچانک حمید نے چیخ کر کہا۔"ارے کہیں رکئے گا بھی یا نہیں۔"

"بس ڈھلان ختم ہوتے ہی رک جائیں گے۔"

شائد وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن ایک زوردار دھماکے نے زمین ہلادی۔

حمید منہ کے بل گرا اور لڑھکتا ہوا نیچے چلا گیا۔ سعیدہ اور دوسروں پر کیا گزری اس کا ہوش
ے کہاں تھا۔

ایک دھماکہ اور ہوا اور حمید لڑھکتا ہوا ایسی جگہ جا پہنچا جہاں سے مزید لڑھکنا ممکن نہیں تھا۔
ں اُبھری ہوئی چٹان رکاوٹ بن گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔

حمید محسوس کر رہا تھا جیسے ہاتھ پیروں میں جنبش کرنے کی سکت ہی نہ رہ گئی ہو۔

"حمید...... حمید...... سعیدہ......!" فریدی اُسے کہیں دور سے آواز دے رہا تھا۔

حمید نے جواب دینا چاہا لیکن آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ منہ بالکل خشک تھا۔ زبان
سے لگ گئی تھی اور حلق میں پھندا تھا۔

وہ اُسی طرح پڑا ہانپتا رہا۔ سردی کے باوجود پورا جسم پسینے سے شرابور تھا۔
ساری حسیات بیدار تھیں۔ وہ اوپر سے اٹھنے والا شور بھی سن رہا تھا۔ بس حرکت نہیں کرسکتا تھا۔
تھوڑی دیر بعد جھلسا دینے والی ہوا کا تھپیڑا جسم کو لگا اور دھوئیں کی بدبو سے دماغ پھٹنے
سانس لینے میں بھی دشواری محسوس ہونے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے منوں غبار پھیپھڑوں
ر آیا ہو۔ وہ کھانسنے لگا۔

فریدی کی آواز پھر آئی۔"حمید...... حمید......!"
اس بار آواز کسی قدر قریب سے آئی تھی۔

حمید پھیپھڑوں کے بل چیخ کر رہ گیا۔ آواز الفاظ کی شکل نہیں اختیار کرسکی تھی۔ بس وہ
اپنی موجودگی سے آگاہ کردینا چاہتا تھا۔

"گھبرانا نہیں...... میں آرہا ہوں۔" آواز اور زیادہ قریب سے آئی۔

"پانی...... پانی......!" حمید نے محسوس کیا کہ صرف یہی لفظ وہ آسانی سے ادا کرسکتا
لہٰذا اس کا جواب دیتا ہوا ذہن اسی لفظ کے دہراتے رہنے پر اکساتا رہا۔
اور پھر آہستہ آہستہ اُس پر غفلت طاری ہوتی گئی۔ بے ہوشی یا موت اس کا اندازہ تو اسی
کرسکا تھا جب سورج کی کرن اُس کے چہرے پر پڑی تھی۔

اس نے بوکھلا کر آنکھیں کھول دیں۔ اوپر کھلا ہوا آسمان تھا اور چاروں طرف پہاڑیا
ہوئی تھیں۔ فوری طور پر اٹھ بیٹھنا چاہا لیکن ممکن نہ ہوا۔ پورا جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا
پھر اُس نے دائیں بائیں نظر دوڑائی۔ بائیں جانب تھوڑے ہی فاصلے پر سعیدہ
پڑی نظر آئی۔ ڈی آئی جی اس کے قریب ہی اوندھا پڑا تھا۔ لیکن فریدی کہیں نہ دکھائی
حمید بڑی کوششوں کے بعد اٹھ کر بیٹھ سکا۔ سر بُری طرح چکرا رہا تھا۔ ایسا معلو
جیسے وہ شانوں پر ٹھہر ہی نہ سکے گا۔

کچھ دیر تک دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا رہا پھر اٹھ کھڑے ہونے کی کوشش کر
سورج کافی چڑھ گیا تھا اور وہ پوری طرح دھوپ میں پڑے تھے۔ وہ اپنی ٹانگوں
کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ اب وہ کھڑا ہو سکتا ہے۔

اٹھ گیا اور پنجوں پر زور دیتا رہا۔ پھر ڈی آئی جی کی طرف بڑھا۔

"جناب عالی...... جناب عالی......!" اس کا شانہ ہلا ہلا کر آوازیں دیتا رہا۔

لیکن ڈی آئی جی سے پہلے اس کی ان آوازوں پر سعیدہ جاگ گئی تھی۔

"حمید......!" بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا اور لیٹے ہی لیٹے اس کی جانب
کوشش کرنے لگی۔

"وہیں لیٹی رہو...... ڈی آئی جی صاحب کو جگا رہا ہوں۔"

"تم...... تم ٹھیک ہو......!"

"ہاں...... آں......!" اس نے کہا اور پھر ڈی آئی جی کو جھنجھوڑنے لگا۔

"انہیں یونہی رہنے دو۔"

"ڈاکٹر سعیدہ...... خاموش رہو۔"

"مجھے پیاس لگی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ بالکل احمقانہ انداز میں ڈی آئی جی کو ہلائے جا رہا تھا۔

"وہ دیکھو......!" دفعتاً سعیدہ بول پڑی۔ "وہ کون لوگ ادھر آ رہے ہیں۔"

حمید نے اس طرف نظر اٹھائی جدھر سعیدہ نے اشارہ کیا تھا۔

کچھ لوگ پہاڑی سے اُتر رہے تھے۔

"جہنم میں جائیں۔" حمید جھلا کر بولا۔ "آخر ڈی آئی جی صاحب جاگتے کیوں نہیں۔"

"کہیں تم بھی تو پاگل نہیں ہو گئے۔"

"کیوں......؟" حمید غرایا۔

"ہوش میں نہیں ہیں...... ورنہ کبھی کے جاگ گئے ہوتے۔"

"ان کے فرشتوں کو بھی اٹھنا پڑے گا۔ میں جگا رہا ہوں۔"

"ہٹو...... ہٹ جاؤ...... ان کے پاس سے۔" سعیدہ زور لگا کر اٹھتی ہوئی بولی۔

دفعتاً حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ابھی تک سوتا رہا ہو پھر اُسے اپنی اس حماقت پر افسوس بھی ہوا کہ ایک بے ہوش آدمی کو خواہ مخواہ جھنجھوڑے ڈال رہا ہے۔

ذہن کی عجیب سی حالت تھی۔ کبھی سوچتا سمجھتا ہوا سا معلوم ہوتا اور کبھی بھٹکنے لگتا۔

چڑھائی پر سے آنے والے قریب آتے جا رہے تھے۔ سات آدمی تھے۔ اُن کے ساتھ ایک اسٹریچر بھی تھا۔

کچھ اور قریب آنے پر حمید نے فریدی کو پہچان لیا۔ وہ ایک دبلے پتلے پستہ قد غیر ملکی کے برابر بھی چل رہا تھا اور دونوں کے درمیان گفتگو بھی جاری تھی۔ وہ بالکل قریب آ گئے۔

فریدی نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر سر کو جنبش دی اور نحیف الجثہ سفید فام غیر ملکی سے انگریزی میں کہا۔ "یہ ہے وہ بے ہوش آدمی جو اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا۔"

"اور یہ اُسی دھماکے کی وجہ سے بے ہوش ہوا تھا۔" غیر ملکی نے پوچھا۔

"ہاں ڈاکٹر ٹنڈل۔"

"تب تو یہ بھی ممکن ہے کہ ہوش میں آنے کے بعد اس کی یادداشت واپس آ جائے۔ بہرحال اب اسے یہاں سے لے چلنا چاہیے۔"

ڈی آئی جی کو اسٹریچر پر ڈال دیا گیا۔ سعیدہ خاموشی سے سب کچھ دیکھتی رہی تھی۔

چلتے وقت اس کے قدم لڑکھڑانے لگے۔

"اسے سہارا دو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"سہارا.....؟"

"تم بھی ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"قاسم کہاں ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" فریدی نے کہا اور سعیدہ کا بازو پکڑ لیا۔ وہ چلتے چلتے پھر لڑکھڑائی تھی۔

"مجھ سے تو اس پہاڑی پر نہیں چڑھا جائے گا۔"

"کوشش کرو۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا اور اُس کا بازو پکڑے چلتا رہا۔

چڑھائی دشوار گذار نہیں تھی۔ اسٹریچر اٹھانے والے تو اسی طرح چل رہے تھے جیسے ہموار زمین پر چل رہے ہوں۔ نحیف الجثہ غیر ملکی حمید کے برابر چل رہا تھا۔

"تم تینوں کا طبی معائنہ بہت احتیاط سے کرنا پڑے گا۔" اُس نے حمید سے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ بولنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دو تین دن آرام کے بغیر وہ کسی قابل بھی نہیں ہو سکے گا۔

کچھ اوپر جا کر راستہ کسی قدر دشوار ہو گیا تھا۔

"کیا تم چڑھائی پر کچھ گھٹن سی محسوس کر رہے ہو۔" غیر ملکی نے حمید سے پوچھا۔

"نہیں تو......!"

"یہ اچھی علامت ہے۔ مضبوط اعصاب کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

حمید خاموشی سے راستہ طے کرتا رہا۔

اوپر پہنچ کر انہیں کچھ دور ڈھلان پر اُترنا پڑا۔ پھر وہ ایک مسطح قطعے میں داخل ہوئے۔ یہاں اُگی ہوئی نباتات کو بڑے سلیقے سے سنوارا گیا تھا۔ سبزے کے درمیان خوبصورت روشیں تھیں اور وسط میں لکڑی اور پتھر سے بنی ہوئی ایک چھوٹی سی عمارت تھی جس کا بیشتر حصہ عشق پیچاں کی بیلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

حمید کی آنکھوں میں ٹھنڈک سی دوڑ گئی۔

عمارت کے برآمدے تک پہنچے تو یہ کیفیت ہوئی جیسے فرش ہی پر لیٹ کر سو جائے گا۔

نحیف الجثہ غیر ملکی جسے فریدی ڈاکٹر ٹسڈل کہہ کر مخاطب کرتا رہا تھا حمید کی کمر تھپتھپا کر بولا۔ "نہیں جوان...... پہلے تم گرم پانی سے غسل کرو گے۔ پھر میں تمہیں ہلکا ناشتہ دلواؤں گا اس کے بعد تم متواتر تین دن تک سوتے رہنا۔ مجھے ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہوگی۔"

حمید نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں سر کو جنبش دی اور اُس کے ساتھ چلتا رہا۔

وہ نشست کے کمرے میں بیٹھ گئے۔ یہاں ایک بڑی معصوم صورت لڑکی نے انہیں خوش آمدید کہی تھی اور ڈاکٹر ٹسڈل نے اُسے اپنی بیٹی کی حیثیت سے متعارف کرایا۔

خدوخال کی دلکشی حمید کے معیار کے مطابق تھی۔ لیکن اس وقت دوبارہ سو جانے کی خواہش کے علاوہ اور کوئی لگن نہیں تھی۔

ڈاکٹر ٹسڈل کی ہدایات پر عمل کر کے ہی وہ خواب گاہ تک پہنچ سکا۔

نیند ذہن پر کسی تیز قسم کے نشے کی طرح طاری ہوئی تھی اور اُس نے خواب کے دھندلکوں میں دیکھا تھا جیسے وہ اتنا موٹا ہو گیا ہے کہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا۔

اس نے خواب ہی میں قہقہہ لگا کر کہا۔ "یہی ہے میری جنت۔"

پھر آنکھ کھلی تو کانوں میں مینڈولن کا ایک طربیہ نغمہ گونجنے لگا تھا۔

ڈاکٹر ٹسڈل کی بیٹی ربیکا خواب گاہ کے ایک گوشے میں کھڑی مینڈولن بجا رہی تھی۔

حمید کے بیدار ہو جانے پر وہ ہاتھ روک کر آگے بڑھی اور معذرت طلب لہجے میں بولی۔

"ڈیڈی نے کہا تھا کہ تمہیں شام کی چائے کے لئے جگا دیا جائے۔ لیکن چونکہ تم ذہنی جھٹکوں کا شکار ہوئے ہو اس لئے جگانے کے لئے کوئی خوشگوار طریقہ اختیار کیا جائے۔"

"تم مینڈولن بہت اچھا بجاتی ہو۔" حمید مسکرایا۔

"شکریہ...... میں بچپن ہی سے مشق کرتی آئی ہوں۔"

چائے کے بعد وہ فریدی کے ساتھ باغیچے میں آ بیٹھا تھا۔

"آخر یہ سب کیا تھا......؟" اس نے اس سے پوچھا۔

"میرا ایک اندیشہ جو سو فیصد درست نکلا۔"

حمید سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔ فریدی چند لمحے خاموش رہ کر پھر بولا۔ "مجھے یقین
تھا کہ ہوٹل میں کہیں نہ کہیں ڈائنا مائٹ ضرور لگائے گئے ہوں گے تاکہ ضرورت پڑنے پر
راستے تباہ کئے جاسکیں جو ہوٹل سے سرنگ تک جاتے تھے۔"

"کیا اس آدمی کے مارے جانے کی بناء پر انہوں نے راستے تباہ کر دیئے۔"

"ریٹا کی فریب دہی پر۔"

"ریٹا کی فریب دہی؟" حمید چونک پڑا۔

"تمہیں حیرت کیوں ہے؟"

"وہ تو آپ کے لئے بہت پریشان تھی۔ آپ لفٹ کے ذریعے نیچے چلے گئے تو وہ
بوکھلائی ہوئی میرے پاس آئی تھی اور کہا تھا کہ کرنل صاحب نے بہت بُرا کیا۔ تنہا سرنگ میں
نہیں جانا چاہئے تھا۔"

"اچھا......!" فریدی کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ نظر آئی۔

"کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟" حمید جھنجلا گیا۔

"وہ میرے ساتھ اس کمرے میں رہ گئی تھی۔ تم یہی سمجھے ہوگے کہ شاید میری رہنمائی کرنا
چاہتی ہوگی۔ کیونکہ میں بھی یہی سمجھا تھا لیکن میں ابھی لاش کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ اس نے
شیشے کی ایک گیند جس میں گیس بھری ہوئی تھی میرے قریب فرش پر پٹخ دی۔ میں فوری طور پر
اس سے متاثر ہو کر بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ وہ اطمینان سے سرنگ میں داخل ہوئی اور اپنے
باس کو نقاب پوش کے مارے جانے کی اطلاع دے دی۔ ظاہر ہے کہ پھر وہ ہوٹل والے راستے
کیسے برقرار رکھ سکتے تھے۔ اگر میں کچھ دیر اور ہوش میں نہ آتا تو ہوٹل سے ایک آدمی بھی زندہ
باہر نہ نکل سکتا۔ اب وہاں ملبے کے ڈھیر کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔"

حمید سناٹے میں آ گیا۔ ایک بار پھر وہ دونوں دھماکے اس کے ذہن میں گونجے اور وہ

نکھیں بند کر کے کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔

توبہ

حمید نے تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولیں۔ چند لمحے خلاء میں گھورتا رہا پھر فریدی کی طرف
ھے بغیر پوچھا۔

"یہ لوگ کون ہیں؟"

"ڈاکٹر ٹسڈل ایک مشنری ڈاکٹر ہے۔ میں نے بڑی دشواری سے تم تینوں کو اس جگہ
پایا۔ کیونکہ تم تینوں ہی بیہوش ہو گئے تھے۔ صبح پیاس محسوس ہوئی تو تم لوگوں کو وہیں چھوڑ کر
ی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر تک بھٹکتے رہنے کے بعد یہ عمارت نظر آئی۔ ڈاکٹر
ڈل نرم دل آدمی ثابت ہوا۔ بہرحال اس کی خدا ترسی کے نتیجے میں تم خود کو یہاں دیکھ رہے
۔ ڈی آئی جی صاحب ہوش میں تو آ گئے ہیں لیکن ذہنی حالت پہلے سے بھی زیادہ سقیم ہو گئی
ہے۔ ڈاکٹر ان کی حالت کا گہرا مشاہدہ کر رہا ہے۔"

"آخر یہ ہے کیا چکر......؟" حمید اپنا سر سہلاتا ہوا بولا۔ "آپ نے مجھے یہاں کیوں بھیجا
ا اور مجھے یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ مجھ پر سعیدہ کی دیکھ بھال کی بھی ذمہ داری ہوگی۔"

"میں نے تم دونوں کو صرف یہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا کہ وہ تمہیں پہچان بھی سکتے
ں یا نہیں۔"

"پھر فریدی مختصراً اس رات کی کہانی دہراتا رہا۔ جب ایک اجنبی چور دروازے سے اس
ل کوٹھی میں داخل ہوا تھا اور اسے باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ ڈی آئی جی ہے اور کس
طرح اس کا جسم کسی دوسرے کے جسم سے بدل گیا ہے۔"

حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا تھا۔ اس کے خاموش ہو جانے کے بعد

بھی کچھ دیر تک اس کی یہی حالت رہی۔ پھر طویل سانس لے کر وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا
ہیلی کوپٹر کے شور کی طرف متوجہ ہوگیا جو شائد اسی باغیچے میں اُتر رہا تھا۔

''چلو اندر چلیں۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

حمید طوعاً و کرہاً اٹھا تھا۔ جی نہیں چاہتا تھا کہ کھلی فضا چھوڑ کر کمروں کی گھٹن میں واپس جائے۔

نشست کے کمرے میں سعیدہ اور ربیکا مچھلیوں کی اقسام پر گفتگو کررہی تھیں۔ انہیں
کر خاموش ہوگئیں۔ پھر سعیدہ ہیلی کوپٹر کی آواز کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''انکل گراہم ہوں گے۔'' ربیکا بولی۔ ''وہ ہمیشہ ہیلی کوپٹر ہی کے ذریعے یہاں
ہیں۔ تم نے تو نام سنا ہوگا۔ کرنل گراہم کا۔ تمہاری فوج کے پہاڑی ڈویژن کے تربیت
حیثیت سے یہاں مقیم ہیں۔''

''مجھے فوج وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس لئے نام سننے کا بھی سوال نہیں پیدا ہوتا۔''

ربیکا اٹھ کر برآمدے میں چلی گئی۔ وہ لوگ وہیں بیٹھے رہے۔

ہیلی کوپٹر لینڈ کرچکا تھا اور ہوا کا جھکڑ کمرے کے اندر بھی محسوس ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد ربیکا ایک بلڈاگ قسم کے آدمی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔

نووارد اُن تینوں کو دیکھ کر دروازے کے قریب ہی ٹھٹک گیا۔ اس کے جبڑے غیر
طور پر بھاری تھے اور کوتاہ گردن ہونے کی بناء پر ایسا لگتا تھا جیسے ٹھوڑی سینے پر ٹکی آرہی ہو۔ آ
چھوٹی اور چمکیلی تھیں۔ سر پر گھنے بال تھے جنہیں بڑھے سلیقے سے پیچھے کی طرف موڑا گیا تھا۔

''یہ وہی لوگ ہیں...... اس حادثے کے شکار۔'' ربیکا بولی۔

نووارد نے پر تفکر انداز میں سر کو جنبش دی۔ پھر اس کی نظر فریدی پر پڑی اور وہ اُسے گھورتا
فریدی بھی پلکیں جھپکائے بغیر اُسے دیکھے جا رہا تھا۔

پھر یہ منظر حمید اور سعیدہ دونوں ہی کے لئے دلچسپی کا باعث بن گیا۔ ایسا معلو
تھا جیسے دو درندے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑنے کے لئے زاویہ تلاش کررہے ہوں۔

دفعتاً اجنبی نے کھنکار کر فریدی کے چہرے سے نظر ہٹالی اور ربیکا سے بولا۔

''یہ بہت نیک کام ہے کہ حادثات کا شکار ہونے والوں کی دیکھ بھال کی جائے۔ ڈاکٹر کہاں ہے؟''

''وہ اندر ایک مریض کی دیکھ بھال کررہے ہیں۔ وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے۔''

''تم انہیں میری آمد کی اطلاع دے دو۔''

ربیکا اندر چلی گئی۔

نووارد نے حمید سے کہا۔ ''میں گراہم ونڈ شیلڈ ہوں۔ کرنل جی ڈبلیو شیلڈ...... یہاں پہاڑی دستوں کے انسٹرکٹر کی حیثیت سے تمہاری حکومت نے میری خدمات حاصل کی ہیں۔''

''ڈلائیٹڈ ٹو میٹ یو......!'' حمید مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ ''میں ڈاکٹر زیتو ہوں...... اور یہ کرنل ہارڈ اسٹون۔''

اس نے اٹھ کر فریدی سے مصافحہ کیا اور سعیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''مس بالڈ اسپیرو[1]......!'' حمید بولا۔

''میرا نام سعیدہ رحمان ہے۔'' سعیدہ غرائی۔ ''یہ آدمی کریک ہے۔ نہ اس نے اپنا صحیح نام بتایا ہے اور نہ دوسروں کا۔''

کرنل گراہم پر تشویش نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

''یہ درست ہے۔'' فریدی بولا۔ ''پچھلی رات کے دھماکوں نے اس کے ذہن پر اثر ڈالا ہے۔ میرا نام احمد کمال فریدی ہے اور اس کا ساجد حمید۔''

''واقعی وہ دھماکے حیران کن تھے۔'' کرنل گراہم بولا۔ ''آپ کا کیا خیال ہے ان کے متعلق......؟''

''کیا کہا جاسکتا ہے۔ پچھلی شام اس ہوٹل میں ایک حیرت انگیز واقعہ ہوا۔'' فریدی نے کہا اور ایک آدمی کے پگھل کر بہہ جانے والی کہانی سنانے لگا۔ پھر بولا۔

[1] گنجی گوریا

''اس کے بعد اچانک پولیس آفیسروں نے اعلان کیا کہ ہوٹل کی عمارت خطرے میں ہے لہٰذا لوگ وہاں سے نکل کر جتنا تیز دوڑ سکتے ہوں دوڑیں اور عمارت سے دور پہنچنے کی کوشش کریں۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔'' کرنل گراہم سر ہلا کر بولا۔ ''میں نے آج کا اخبار نہیں دیکھا۔''

''دیکھتے بھی تو کیا ہوتا۔ اخبارات تو صرف اغواء اور عصمت دری کے واقعات سے بھرے ہوتے ہیں اور انداز بیان اتنا لذت انگیز ہوتا ہے کہ آج کل فحش ناول نگار بیٹھے مکھیاں مارا کرتے ہیں۔'' حمید سانس لئے بغیر بولتا چلا گیا۔ ''کیا خیال ہے آپ کا؟ اخبارات کی روش کی بناء پر چٹ پٹے ناولوں کی سیل کم ہوگئی ہے اور بازاروں میں حیرت انگیز کیپسولوں کی بھرمار ہوگئی ہے۔ ایک کیپسول کھا لیجئے اور چارپائی سر پر اٹھا کر میلوں دوڑتے چلے جائیے...... بارہ مسالے کی چاٹ۔''

اسکے خاموش ہوتے ہی فریدی مغموم لہجے میں بولا۔ ''دھاکوں سے پہلے اچھا خاصا تھا۔''

''تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تم ڈاکٹر ٹسڈل تک پہنچ گئے۔'' کرنل گراہم بولا۔ ''اس پر مسیح کی رحمت ہے۔ وہ مردہ تنوں میں جان ڈال دیتا ہے۔''

''چینی طریقہ علاج بھی مردوں میں جان ڈال دیتا ہے۔'' حمید غصیلے لہجے میں بولا۔ ''کسی ماہر طب چین سے مل کر دیکھو۔''

''کیا یہ شخص کیمونسٹ ہے۔'' گراہم نے فریدی سے پوچھا۔

''نہیں تو......؟''

''پھر کیوں چین کی بات کر رہا ہے؟''

''طب چین کا تذکرہ کر رہا تھا۔'' فریدی حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ ''چین والے طب چین کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ یہ بھی ہماری ایجاد ہے۔''

''تمہارے ذہن پر بھی کچھ اثر معلوم ہوتا ہے۔'' گراہم فریدی کو عجیب سی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

اتنے میں ربیکا اندر سے آگئی۔ اس نے اطلاع دی کہ ڈاکٹر ٹسڈل ابھی مریض کو دیکھ رہا ہے۔

حمید سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس سے پہلے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

''آپ نے ابھی میرے بارے میں بھی کچھ اظہار خیال کیا تھا۔'' دفعتاً فریدی نے کرنل گراہم کو غصیلے انداز میں مخاطب کیا۔

اور وہ چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

''میں اتنے کمزور اعصاب کا آدمی نہیں ہوں۔ آپ مجھے بھی کیا سمجھتے ہیں۔'' حمید یکلخت کھڑا ہو کر دہاڑا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' کرنل گراہم ہاتھ ہلا کر غرایا۔

''میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں...... باہر چلو۔'' حمید نتھنے پھلا کر بولا۔

گراہم نے فریدی کی طرف دیکھا۔

''یہ کیا کر سکتا ہے۔'' فریدی نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

حمید کھڑا گراہم کو للکارتا رہا اور ربیکا بڑے نروس انداز میں کبھی اُس کی طرف جاتی اور کبھی راہم کی طرف۔ کبھی بے بسی سے فریدی کی جانب دیکھتی اور سعیدہ کی طرف تو ایسے ملتجیانہ از میں دیکھتی کہ بس۔

''کیا تم پاگل ہو۔'' وہ اُسے جھنجھوڑ کر بولی۔

حمید خاموشی سے خلاء میں گھورے جا رہا تھا۔

''جواب دو۔'' اُس نے پھر اس کے کالر کو جھٹکا دیا۔

''میں کیا عرض کر سکتا ہوں محترمہ۔'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''جب تک ایک لڑکی بھی ئے زمین پر موجود ہے میں صحیح الدماغ نہیں ہو سکتا۔''

''مجھ سے بکواس کی تو اچھا نہ ہوگا۔''

''کہیں جان نہیں چھوٹتی۔ تم تو جان کو لگی ہی ہوئی تھیں۔ اس ڈاکٹر ٹسڈل کے بچے کے ل بھی ایک عدد موجود ہے۔ واہ کیا نام ہے ربیکا...... ربیکا...... ایسا لگتا ہے جیسے کوئی سلیم الطبع لی گنڈیریاں چوس رہی ہو۔''

"ہوش کی باتیں کرو...... تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔" وہ پھر کالر کو جھٹکا دے کر بولی
"اب زندہ رہنے دو گی مجھے یا نہیں۔"
"میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔" وہ دانت پیس کر بولی اور کالر چھوڑ دیا۔
وہ باغیچے کے وسط میں کھڑے تھے اور بقیہ لوگ برآمدے میں کھڑے انہیں گھو
جا رہے تھے۔ ان میں ڈاکٹر ٹسڈل بھی تھا۔
حمید کنکھیوں سے ان کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ یکا یک سعیدہ اُسے وہیں چھوڑ کر آ
بڑھ گئی۔ حمید اسی جگہ کھڑا رہا۔ لیکن فریدی نے اُسے نہ صرف آوازیں دیں بلکہ اُسے آ
جانے سے روکنے کے لئے خود بھی برآمدے سے نیچے اُتر آیا۔
وہ جاتے جاتے مڑ کر چیخی تھی۔ "میں پاگلوں کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔"
فریدی نے تیزی سے قدم بڑھائے اور اُسے جالیا۔
"ڈاکٹر سعیدہ......!" اس نے آہستہ سے کہا۔ "ہم بڑے عجیب حالات سے دو
ہیں۔ بچوں کی سی ضد نہ کرو۔ اس سے ایک حماقت ہوگئی ہے لہٰذا نباہنا پڑے گا۔"
"آپ کیسے برداشت کرتے ہیں ایسے اول جلول آدمیوں کو۔"
"خیر اس بحث کو دوسرے وقت کے لئے اٹھا رکھو...... واپس چلو۔"
سعیدہ بہت بُرا سا منہ بنائے ہوئے اس کے ساتھ واپس آ گئی۔
حمید جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔
ڈاکٹر ٹسڈل نے فریدی سے کہا۔ "وہ جو کچھ کر رہا ہے کرنے دو۔ کسی بات پر مجبور نہ کرو
"یہ ناممکن ہے ڈاکٹر کہ میں یہاں کھڑا رہ کر اس کی نگرانی کرتا رہوں۔" فریدی
ناخوشگوار لہجے میں کہا۔
"تم اس کی فکر نہ کرو۔ ربیکا اُسے سنبھالے گی۔"
"خدا ربیکا کو سنبھالے۔" سعیدہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑائی۔
فریدی ڈرائینگ روم میں چلا گیا۔

"تم اسے بہلاؤ...... ہم کمرے میں بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔" ڈاکٹر ٹسڈل نے ربیکا سے کہا۔
اور وہ اندر سے اپنا مینڈولین اٹھا لائی۔ پھر باغیچے کے ایک گوشے میں طربیہ نغمہ گونجنے لگا۔
وہ لوگ ڈرائینگ روم میں چلے گئے تھے۔
حمید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ اُسے بڑے رومینٹک انداز میں دیکھتا رہا۔
پھر ہاتھ اٹھا کر بولا۔
"ذرا ٹھہرو۔"
ربیکا نے تاروں پر سے مضراب ہٹالی۔
"کیا تمہیں وہ دن یاد ہیں۔" حمید نے سرگوشی کی۔
"کون سے دن......؟"
"اب سے ہزاروں سال پہلے کی بات ہے۔ دریائے دجلہ کے کنارے ہمارا گاؤں تھا۔
ہمارا باپ بڑا جابر آدمی تھا اور مجھے تم سے محبت تھی۔ ہم دجلہ کے کنارے ملتے تھے۔ یاد کرو۔
ب پر کونسا گیت گایا کرتی تھیں۔"
"مجھے تو یاد نہیں؟" ربیکا نے آہستہ سے کہا۔
"مجھے یاد ہے...... تم گاتی تھیں...... میری اونٹنی کی کاجل بھری آنکھیں دو ایسے چشمے
ہیں جن کے کنارے شام ہوگئی ہو اور اسکے پیروں کے گھنگھرو ایسے گیت فضاؤں میں بکھیرتے
ہیں کہ پانی بھرے سیاہ بادل کھجوروں کی چوٹیوں کو چھونے لگتے ہیں۔ کیوں؟ یاد آیا تمہیں؟"
"ہاں...... ہاں...... یاد آ گیا مجھے۔"
"اچھا تو...... وہی گیت سنا دو...... پورا گیت...... میں اُسے ذہن نشین کر لینا چاہتا ہوں۔"
"وہ...... وہ تو...... پورا گیت...... تم ہزاروں سال پہلے کی بات کر رہے ہو۔"
"ہاں...... اس دور کی بات جب دجلے کے دونوں کناروں پر "بنی تلقل" کی بادشاہت
تھی اور "بنی طنبورا" کی بیوہ عورتیں اونٹ کی مینگنیاں اچھال اچھال کر بنی تلقل کو بددعائیں دیا
کرتی تھیں۔"

"ہاں...... ہاں......!" ربیکا بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تو پھر سنا دو وہی گیت۔"

"مگر اب میں عربی تو گا نہیں سکتی۔ ہزاروں سال پہلے کی بات ہے۔"

"انگریزی میں سنا دو......کوئی بات نہیں۔"

"لیکن......لیکن......؟"

"لیکن......ویکن کچھ بھی نہیں۔ مجھے یاد ہے۔ ایک بار تمہارے باپ "ابن غلیظ" تمہیں میرے قریب گاتے سن لیا تھا۔ میرے خدا کتنا بھیانک دن تھا۔ اس نے اپنے خنجر تمہاری ناک کاٹ دی تھی۔"

ربیکا بوکھلا کر اپنی ناک ٹٹولنے لگی اور پھر احمقانہ انداز میں ہنس پڑی۔ حمید کہتا رہا۔ "مجھے قتل کر کے میری لاش دجلہ کی لہروں کے حوالے کر دی تھی۔ لیکن جانتی ہو۔ اس وقت میری روح تمہارے گیت میں مگن تھی اور جب تک تم بھی جسم کی قید سے آزاد ہو کر "این لِل" کے حضور میں نہیں پہنچ گئی تھیں میری روح تمہارے گرد منڈلاتی رہتی تھی۔ ہر چند تمہاری ناک کٹ چکی تھی اور تمہارے گیتوں میں ہلکی سی منمناہٹ بھی شامل ہو گئی تھی۔ میری روح اسی ذوق و شوق کے ساتھ اس گیت پر رقص کرتی رہی تھی۔"

"اے لڑکی......!" دفعتاً سعیدہ کی آواز سنائی دی اور وہ دونوں چونک پڑے۔

سعیدہ ربیکا سے کہہ رہی تھی۔ "اس کی باتوں میں نہ آنا......خود کو تباہ کر بیٹھو گی۔"

"اے......!" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "یہ پھر میرا دماغ چاٹ رہی ہے۔ اسے یہاں ہٹاؤ......ورنہ میں کسی اونچی چٹان سے چھلانگ لگا دوں گا۔"

وہ سب دوڑتے ہوئے کمرے سے باہر آئے اور ڈاکٹر ٹنڈل غضب ناک آنکھوں سعیدہ کو گھورنے لگا۔ پھر اس نے بے حد غصیلے لہجے میں فریدی سے کہا۔ "تم اس لڑکی کو ورنہ میں اس کو کسی کمرے میں بند کر دوں گا۔"

"سعیدہ......!" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

سعیدہ سر جھکائے خاموش کھڑی اپنے ہونٹ چبا رہی تھی۔

ایک خوش رنگ پرندہ سریلی آوازیں نکالتا ہوا اُن کے سروں پر سے گزر گیا۔



قاسم بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ لیکن گرتا پڑتا بھاگا ہی جا رہا تھا کہ پہلا دھماکہ اُسے منہ کے بل زمین پر لے آیا اور دوسرے دھماکے نے اس کے ہوش و حواس ہی غائب کر دیئے۔ اپنی سدھ نہ رہی۔

پھر ہوش آنے پر یقین ہی نہیں آتا تھا کہ زندہ بھی ہے یا نہیں؟ دو تین بار آنکھیں کھول کھول کر بند کر لیں تھیں۔ نیم بیدار ذہن پر عذاب قبر کا خوف مسلط تھا۔ سہا ہوا تھا کہ نکیریں پتہ نہیں کس قسم کے سوالات کریں۔

پھر یک بیک وہ بڑبڑانے لگا۔ "ارے باپ رے...... مجھے عربی تو آتی ہی نہیں۔ اے فرشتو بھائیو! اردو میں پوچھنا جو کچھ پوچھنا ہو......الاقسم میں بالکل بے گناہ ہوں۔ یہ سالے اِدھر اُدھر والے بہکا دیتے تھے۔"

اتنے میں کہیں سے گھنٹی بجنے کی آواز آئی اور وہ گڑگڑانے لگا۔ "آ گئے......آ گئے...... ہائے قبر میں بھی گھنٹی لگی ہوئی ہے......آ جایئے......قون صاحب ہیں۔ جناب......؟"

کسی نے اس کا شانہ پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا اور قاسم آنکھیں کھولے بغیر گھگھیاتا رہا۔ "حضور عالی...... جناب والا...... میرا رب وہی ہے جو آپ کا ہے۔ مگر میں سالا بڑا گنہگار ہوں۔ معافی......دلوا دیجئے......الاقسم پھر جو کبھی کسی کے بہکائے میں آؤں۔"

"اٹھو کیا بکواس لگا رکھی ہے۔" ایک بڑی سریلی آواز اس کے کانوں میں رس گھول گئی اور وہ آنکھیں کھولے بغیر دونوں ہاتھوں سے کلیجہ دبا کر کراہا۔ "ہائے تم بھی عورت بن کر آئے

ہو......اب میں قیا......قروں......!''

''یہ اس طرح آنکھیں نہ کھولے گا۔'' نسوانی آواز پھر سنائی دی۔ ''اس پر ایک بالٹی پانی الٹ دو۔''

''ہائیں تو کیا اللہ میاں کے یہاں بھی بالٹی ہوتی ہے۔'' قاسم نے کہا اور مارے حیرت کے نہ صرف اٹھ کر بیٹھ گیا بلکہ آنکھیں بھی کھول دیں۔ بس ذہنی رو بہک گئی تھی۔

سامنے ایک خاصے تن و توش والی عورت کھڑی نظر آئی۔ عمر زیادہ سے زیادہ چھبیس ستائیس سال رہی ہوگی۔ جین اور جیکٹ میں ملبوس تھی۔ قاسم اسے دیکھ کر منہ چلانے لگا۔

پھر جلدی سے دونوں گال پیٹ کر رکھ دیئے۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' عورت نے پوچھا۔

قاسم نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''اللہ معاف کرے۔''

''منہ کیوں پیٹ رہے ہو؟''

''کیسے فرشتے ہو...... پتہ لگاؤ۔''

''فرشتے......؟''

''عورت بن کر قیوں آئے ہو؟ میرا امتحان لینے......!''

''تم ہوش میں ہو یا نہیں؟''

''میں بہت اچھا آدمی ہوں......بس کبھی کبھی سنک جاتا ہوں۔''

''کیا بک رہے ہو؟''

''اچھا لے لو امتحان......دیخو......کتنا شریف آدمی ہوں......تم ایسی پتلون پہنے ہوئے ہو......پھر بھی میں کھاموش ہوں۔''

''ہوش کی باتیں کرو ورنہ الٹے لٹکا دیئے جاؤ گے۔''

''میں تو یہ کہہ رہا تھا......کہ دیخو......میں کتنا شریف آدمی ہوں......ہی ہی ہی ہی۔''

''کہیں یہ تو نہیں سمجھ رہا ہے کہ یہ مر گیا ہے۔'' پیچھے کھڑے ہوئے آدمی نے کہا۔

''تو قیا نہیں مر گیا۔'' قاسم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنسے۔

''اے خدا کیلئے مجھے بہکاؤ نہیں۔ تم دونوں منکر نکیر ہو۔ بھیس بدل کر آئے ہو میرا امتحان لینے......اللہ قسم میں تو عورتوں سے دور بھاگتا ہوں۔ وہ سالا حمید اکثر مجھی پھنسوا دیتا ہے۔''

''دیکھو دوست......!'' عورت کے پیچھے کھڑے ہوئے مرد نے کہا۔ ''تم سو فیصد زندہ ہو فکر نہ کرو۔''

''کس بات کی فکر نہ کروں۔''

''مطلب یہ کہ یہاں آرام سے رہو۔''

''مجھے بھوخ لگی ہے۔''

''تو اٹھو......ڈرائنگ روم میں میز تیار ملے گی۔''

قاسم کراہتا ہوا اٹھا۔ جوڑ جوڑ دکھتا محسوس ہوتا تھا۔ مرد نے سہارا دیا اور لڑکھڑاتا ہوا چل پڑا۔

اس کمرے کی ساخت عجیب تھی۔ کسی بحری جہاز کا بہت بڑا کیبن معلوم ہوتا تھا۔ دوسرے کمرے تک پہنچنے کے لئے وہ جس راہداری سے گذرے وہ بھی کچھ اسی قسم کی تھی۔

قاسم میز پر لگا ہوا سامان دیکھ کر بھونچکا رہ گیا اور اُس پر ایک بار پھر ہیبت طاری ہونے لگی۔

''نن......نہیں......مم......میں مر چقا ہوں۔''

''تم زندہ ہو......یہ دیکھو۔'' عورت نے اُس کے زوردار چٹکی لی۔

''سس......سی......ارے باپ رے۔'' قاسم اچھل پڑا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' مرد نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور اُس کے لئے کرسی مناسب جگہ پر رکھنے لگا۔

''جی بہت اچھا۔'' قاسم روہانسا ہو کر بولا اور بیٹھ گیا۔ عجیب سی شکل ہو رہی تھی اس وقت۔ بسورے بھی جا رہا تھا اور کھانا دیکھ کر ندیدے بچوں کی طرح منہ بھی چلانے لگتا تھا۔

''تم کھانے کی میز پر بیٹھے ہو اور یہ سب مرنے کے بعد کہاں میسر......!'' عورت بولی۔

''تو پھر تمہیں قیسے معلوم ہوا کہ میں اتنا کھانا کھاتا ہوں......اور یہ سب کھاتا ہوں؟'' قاسم

نے کھانوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

میز پر بکرے کی مسلم ران...... تین مرغ مسلم اور تقریباً پانچ چھ پاؤنڈ کولڈ بیف موجود
ور ایک طرف تنوری روٹیوں کا ڈھیر نظر آ رہا تھا۔

''اچھا...... اچھا...... یہ بات ہے۔'' مرد ہنس پڑا۔

''ہے نا یہی بات۔''

''نہیں یہ بات نہیں۔ تم یہاں کل ہی پہنچے تھے نا...... اور تم نے نیشنل میں قیام کیا اور
دوپہر کا کھانا وہیں کھایا تھا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''

''بالکل ٹھیک ہے بھائی صاحب۔''

''بس تو پھر کھاؤ۔ تم ہمارے مہمان ہو۔ ایک جگہ بے ہوش پڑے تھے ہم لاوارث سمجھ
اٹھالائے؟''

''ہاں...... ہاں...... میں لاوارث ہی ہوں۔'' قاسم آبدیدہ ہو کر بولا۔

''اب کھاؤ بھی نا۔'' عورت اس کا شانہ تھپک کر بولی۔ ''ورنہ پھر رونے لگو گے۔''

قاسم کھانے پر ٹوٹ پڑا۔ وہ دونوں اس کے قریب ہی کھڑے رہے۔ لیکن قاسم
انہماک کا یہ عالم تھا کہ انہیں رسماً بھی کھانے کو نہ پوچھا۔

آدھے گھنٹے میں وہ کھا چکا تھا اور دونوں اتنی دیر تک وہیں کھڑے رہے تھے۔

''اب قیا قروں...... بھائی صاحب۔'' قاسم نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے پوچھا

''آرام......!'' عورت مسکرائی۔

''یکین نہیں آتا کہ آپ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔''

''چلو یہی سہی...... لیکن عذاب کے فرشتے نہیں ہو سکتے۔ اس کا اندازہ تو تمہیں ہو ہی گیا ہوگا

''کھیر...... خیر...... چلئے آرام بھی قرلوں۔'' قاسم اٹھتا ہوا بولا۔

وہ اس کمرے سے نکل آئے لیکن اب ان کا رخ اُدھر نہیں تھا جہاں سے قاسم کو لائے تھے
طویل راہداری سے گزر کر وہ ایک عجیب سی جگہ جا پہنچے۔ چاروں طرف بڑے بڑے

ہرے تھے جن میں عجیب الخلقت عورتیں بند تھیں۔ لیکن ان کے انداز وحشیانہ تھے۔ آنکھوں
ہوشمند نہیں معلوم ہوتی تھیں۔

جیسے وہ وہاں پہنچے کٹہروں سے قہقہے بلند ہونے لگے۔ وحشیانہ قہقہے۔ بالکل ایسا ہی معلوم
تا تھا جیسے بہت سے بندر بیک وقت چیخنے لگے ہوں۔

''یہ...... یہ...... قیا ہے۔'' قاسم کی آواز ان کے شور میں دب کر رہ گئی۔ پھر قاسم اپنے
ھیوں کی طرف مڑا اور اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ دونوں وہاں نہیں تھے۔

وہ اس طرف کے دروازے پر جھپٹا جس سے گزر کر یہاں پہنچا تھا لیکن دروازہ بند ملا۔
کے ہینڈل پر کافی زور آزمائی کرنے کے باوجود بھی وہ وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب
ہو سکا۔

وحشی عورتوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ان کٹہروں کو توڑ کر باہر
انا چاہتی ہوں۔

''ارے کیوں میرے کان کھا رہی ہو...... چوپ راؤ......!'' قاسم غصہ سے سرخ ہو کر دہاڑا۔

لیکن پھر یکا یک ذہنی رو بہک گئی اور وہ بے حد خوفزدہ نظر آنے لگا۔

''یہ ہے عذاب...... ارے باپ رے...... اب قیا قروں...... میں واقعی مرگیا ہوں۔ کتنا
ول بڑھتا تھا زندگی میں کہ یلا یلیوں کا خیال نہ آئے۔ مگر آتا تھا سالا۔ اب یہ عورتیں......
ے باپ رے...... الامیری توبہ۔''

وہ زور زور سے منہ پیٹنے اور گڑگڑانے لگا۔ شور بڑھتا رہا پھر ایک کٹہرے کا دروازہ خود
دھماکے کے ساتھ کھل گیا اور ایک عورت اس میں سے نکل کر قاسم کی طرف جھپٹی۔

''ارے...... ارے......!'' قاسم بوکھلا کر پیچھے ہٹا۔

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کٹہرے کی طرف کھینچنے لگی۔

''الاقسم...... توبہ ہے توبہ...... ماف کرو۔''

عورت نے اس کے گریبان پر جھپٹا مارا اور اس کی قمیض کے چیتھڑے اڑ گئے۔ قاسم کسی

خوفزدہ چوپائے کی طرح ہانپ رہا تھا۔

آہستہ آہستہ اس کا ذہن بھی تاریکی میں ڈوبتا رہا پھر اُسے ہوش نہیں کہ اس کے ب
ہوا تھا۔

جھپٹتی ہے

حمید کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ شام ہی سے اس نے محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ وہ لوگ
کسی الجھاوے میں پڑنے والے ہیں۔ کرنل جی ڈبلیو شیلڈ اُسے اچھا آدمی نہیں لگا تھا۔

وہ خود اب بھی یہی ظاہر کر رہا تھا کہ کسی قسم کے ذہنی فتور میں مبتلا ہو گیا ہے کیونکہ
نے اس کی اس حرکت پر سرزنش نہیں کی تھی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے ا
مرضی کے خلاف نہیں۔

وہ اپنے کمرے میں تنہا تھا۔ ڈی آئی جی اور سعیدہ ایک کمرے میں رکھے گئے
فریدی کا بستر بھی حمید ہی والے کمرے میں تھا لیکن رات کے کھانے کے بعد حمید، فریدی
ڈاکٹر ٹنڈل کو کسی بحث میں الجھا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔

پھر دو گھنٹے گزر جانے کے بعد بھی اس کی واپسی نہ ہوئی۔

حمید اس وقت کھڑکی کے قریب کھڑا باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھور رہا تھا
معمول کے مطابق تھی۔ حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے وقت سوچا آخر یہ ڈاکٹر ٹنڈل
اس ویرانے میں کیوں مقیم ہے۔ ویسے وہ اسے ایک خدا ترس اور شریف آدمی معلوم ہوا تھا
اس کی لڑکی؟ اس کا کیا پوچھنا۔ وہ تو اس کے پاگل پن میں بڑی شدت سے دلچسپی
تھی۔ لیکن آخر سعیدہ کی برافروختگی کا کیا مطلب تھا۔ وہ کیوں خفا ہو رہی تھی اس حرکت پ
دفعتاً وہ کسی قسم کی آواز سن کر چونک پڑا۔ آواز کی طرف مڑا ہی تھا کہ فریدی کو ا
دروازہ بند کرتے دیکھا۔

"تم ابھی تک جاگ رہے ہو۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

"کیا مجھے سو جانا چاہئے تھا۔"

"اتنا احمق تو نہیں سمجھتا تمہیں۔"

"کیا مطلب......؟"

"ہم خطرے میں ہیں۔"

"ہمیشہ خطرے میں ہی رہتے ہیں۔" حمید بیزاری سے بولا۔ "کوئی نئی بات کہئے۔"

"نئی بات یہ کہ سعیدہ اپنے کمرے میں بے خبر سو رہی ہے۔ لیکن ڈی آئی جی صاحب کا
بستر خالی ہے۔ میں نے انہیں پوری عمارت میں ڈھونڈ ڈالا۔"

"اور وہ دونوں باپ بیٹی؟"

"وہ بھی ایک کمرے میں سوئے پڑے ہیں۔"

"تو پھر......؟"

"یہی دیکھنا ہے کہ اب کس کا بستر خالی ہوتا ہے۔ تم پائپ بجھا کر لیٹ جاؤ۔"

"تو کیا مجھے ہی پہلے بجھوائیے گا۔"

"فضول باتیں مت کرو...... یہ اچھا ہے کہ تم نے کپڑے نہیں اُتارے۔ اسی طرح لیٹ
کر کمبل تان لو...... ریوالور لوڈ کر لینا۔"

حمید اس کی ہدایت پر عمل کرتا ہوا بڑبڑایا۔ "لیکن میں اب یہاں سے کہیں اور جانا پسند
نہیں کروں گا۔"

"میں تمہارے دکھ درد سے واقف ہوں فرزند...... صبر کرو...... تم پر تو قدم قدم پر دکھوں
کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں...... ایک ریٹا ملی تھی وہ اس طرح ضائع ہوئی۔ اب ربیکا عذاب کے فرشتے
کی طرح تم پر نازل ہوئی ہے۔"

فریدی نے بھی لیٹ کر کمبل تان لیا۔

"کیا روشنی گل کردوں......؟"

"پیٹرومیکس ہے فرزند......!" دوبارہ روشن کرنے میں دشواری ہوگی۔ بس یونہی
بند کرلو۔"

پھر آدھے گھنٹے تک وہ بالکل خاموش پڑے رہے تھے۔ اس کے بعد حمید بولا تھا۔

"کیا مصیبت ہے......خاموش پڑے رہنے سے نیند آنے لگی ہے۔"

"لیٹے رہو چپ چاپ......!" فریدی غرایا۔

پندرہ منٹ اور گزرے پھر ایسا لگا جیسے کسی نے دروازہ کھولا ہو۔ حمید ایسی پوزیشن
کہ پلکوں میں درہ کر کے دروازے کی طرف بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔

دروازہ کھولنے والے نے اندر داخل ہوکر پھر دروازہ بند کرلیا۔

یہ ڈی آئی جی تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کی مسہریوں کے درمیان آکھڑا ہوا
پہلے فریدی ہی اٹھا تھا۔

"آپ کہاں چلے گئے تھے؟" اس نے ڈی آئی جی سے پوچھا۔

"میں...... میں...... میں بھاگ جانا چاہتا تھا۔ بڑی دیر تک بھٹکتا رہا۔ پھر واپس
پڑا۔ اگر اس کمرے میں روشنی نہ ہوتی تو انہیں پہاڑیوں میں سر ٹکراتا رہتا۔"

"آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔" فریدی بولا۔

"مجھے تو اب خودکشی ہی کرلینی چاہئے۔"

"مایوسی گناہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کا جسم واپس ہی مل جائے۔"

"تمہارے ساتھی نے مجھے بتایا تھا کہ یہ ایک بڑے پولیس آفیسر کا جسم ہے۔"

"جی ہاں...... یہ درست ہے۔"

"لیکن یہ ہوا کیسے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"بیٹھ جائیے۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

حمید بھی اٹھ بیٹھا اور دل ہی دل میں خوش ہونے لگا کہ اب یہاں سے نکل بھا

خدشہ نہیں رہا۔ ربیکا اُسے پسند آئی تھی اور وہ کچھ دن اس کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔

ڈی آئی جی کی بازیابی کی بناء پر اب کچھ دن یہاں قیام کرنے کے امکانات پیدا ہوگئے تھے۔

ڈی آئی جی جواب طلب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھے جارہا تھا۔

"سب کچھ ممکن ہے اس ایٹمی دور میں۔" فریدی بولا۔

"کس طرح ممکن ہے؟"

"اسے دیکھنا پڑے گا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں...... اگر اس صورت میں گھر واپس گیا تو مجھے
کون قبول کرے گا۔"

"یقیناً یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ لیکن میں آپ کو مشورہ دونگا کہ آپ اس طرح بھاگئے نہیں۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔" وہ سر جھکا کر اپنی پیشانی مسلنے لگا۔

فریدی نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ نکالا اور لفافے سے ایک تصویر نکال کر
اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "ذرا اسے دیکھئے۔"

ڈی آئی جی نے ہاتھ بڑھا کر تصویر لی اور بیساختہ اچھل پڑا اور اس کے سارے جسم میں
تھرتھری سی پڑ گئی۔

"یہی ہے...... یہی ہے...... یہ میں ہوں...... خدا کی قسم میں ہوں...... تمہیں یہ تصویر
کہاں سے ملی۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی اس قسم کی تصویر کھنچوائی ہو۔"

"لائیے...... مجھے واپس کردیجئے۔"

ڈی آئی جی سے تصویر لے کر وہ تھوڑی دیر تک اُسے تفکر آمیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر
بولا۔ "میں چاہتا ہوں کہ آپ کو کسی محفوظ مقام پر بھجوادوں۔"

"ہاں...... ہاں......!" ڈی آئی جی سر ہلا کر بولا۔ "میں اچھی طرح جانتا ہوں یا تو تم
لوگ مجھے جیل بھجوادو گے یا پاگل خانے میں رکھو گے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں...... دراصل یہ آپ کو بعض لوگوں سے محفوظ رکھنے کیلئے کیا جارہا ہے۔"

''اس کی فکر نہ کرو......اس جسم کے ساتھ زندہ رہنے پر میں موت کو ترجیح دوں گا۔''

''خیر فی الحال آپ آرام کیجئے۔ صبح دیکھیں گے کہ آپ کے لئے کیا کیا جاسکتا ہے۔''

''میں وہاں اس لڑکی کے ساتھ رات نہیں بسر کرسکتا۔ حقیقتاً اُسی سے وحشت زدہ ہوکر میں نے بھاگ جانا چاہا تھا۔''

''اچھی بات ہے۔ آپ یہاں اس پلنگ پر آرام کیجئے۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

''اب آپ مجھے وحشت زدہ دیکھنا چاہتے ہیں۔'' حمید بول پڑا۔

''میں جارہا ہوں۔ لیکن تم جاگتے رہو گے۔'' فریدی نے کہا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

حمید اُسی طرح لیٹا رہا۔ ڈی آئی جی کرسی ہی پر بیٹھا رہا۔ آخر حمید بولا۔ ''لیٹ جایئے جناب۔''

''یونہی ٹھیک ہوں۔''

''خیر تو پھر دو گھنٹے بعد مجھے جگا دیجئے گا۔''

''اچھی بات ہے۔'' ڈی آئی جی نے کہا اور کرسی ہی پر بیٹھا رہا۔

سچ مچ حمید کی پلکیں نیند سے بوجھل ہوئی جارہی تھیں۔ وہ دو منٹ کے اندر اندر گہری نیند سو گیا۔

پھر وہ کسی قسم کے جھٹکے ہی تھے جنہوں نے اسے جگایا تھا۔ آنکھیں کھلنے پر معلوم ہوا کہ ڈی آئی جی اُسے بُری طرح جھنجھوڑ رہا ہے۔

''سنو......سنو......گولیاں چل رہی ہیں۔'' ڈی آئی جی کانپتا ہوا بولا۔ حمید کا ذہن فوری طور پر صاف ہوگیا اور وہ اٹھ بیٹھا۔

تھوڑے تھوڑے وقفے سے فائر ہو رہے تھے۔ پھر انہوں نے پے درپے کئی نسوانی چیخیں سنی۔ حمید کھڑا ہوگیا۔ اُس کا ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا۔

''آپ پلنگ کے نیچے لیٹ جایئے جناب۔'' حمید نے ڈی آئی جی کو پلنگ کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

وہ بے چون و چرا پلنگ کے نیچے گھس گیا۔ اس کے بعد حمید نے جو سب سے پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ پیٹرومیکس بجھا دیا۔ پھر کھڑکی کے قریب والا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اب وہ بائیں بازو میں تھا۔

عمارت کے باہر سے بھی فائر ہو رہے تھے اور اندر سے بھی۔ یہ اندازہ کرنا دشوار تھا کہ فریقین میں کون کہاں ہوگا۔ وہ دیوار سے چپکا کھڑا رہا۔

اندھیرے میں مارکھا جانے کا خدشہ زیادہ تھا۔ پھر یہ علاقہ بھی دیکھا بھالا نہیں تھا۔ اس نے سوچا مناسب یہی ہے کہ وہ اسی جگہ ٹھہرے اور حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہے۔

دفعتاً فائروں کی آوازیں آنا بند ہوگئیں۔ ایک منٹ کے اندر اندر ایسا سناٹا چھا گیا جیسے کبھی کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اُسے کمرے میں آہستہ آہستہ آوازیں دے رہا ہو۔ وہ کھڑکی کے قریب کھسک آیا۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ لیکن کمرے میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے کوئی سجھائی نہ دیتا تھا۔

اس بار اُس نے آواز پہچان لی۔ یہ فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔

حمید نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور آہستہ سے بولا۔ ''میں ادھر ہوں۔''

''ڈی آئی جی صاحب کہاں ہیں؟''

''آپ کی چارپائی کے نیچے۔''

''انہیں ساتھ لے کر جلدی سے نکل چلو۔''

حمید نے اندر جا کر ڈی آئی جی کو پلنگ کے نیچے سے نکالا۔

''کک......کیا بات ہے؟''

''یہاں سے نکل چلئے......خطرہ ہے۔''

''مم......مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟''

''ارے چلو۔'' حمید اُسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

دونوں باہر نکلے۔ اندھیرے میں فریدی کا ہیولیٰ نظر آیا۔ وہ کاندھے پر کسی کو اٹھائے ہوئے تھا۔

''میرے پیچھے چلے آؤ۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

''اس عذاب کو تو یہیں چھوڑ چلئے۔'' حمید بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے سوچا شائد سعیدہ بے ہوش ہے ورنہ اس کے اس ریمار
ہزاروں سناتی۔

''چلو یار.....!'' حمید ڈی آئی جی کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اُسے آگے کی طرف دھکیلتا ہوا

''چل تو رہا ہوں۔''

باغیچے سے نکل کر وہ ڈھلان میں اترنے لگا۔ لیکن اس کا رخ اس جانب نہیں تھا
سے وہ اس عمارت میں آئے تھے۔ بالکل ہی مخالف سمت میں یہ کارواں چل رہا تھا۔



قاسم کو ہوش آیا تو خود کو ایک کٹہرے میں پا کر دوبارہ بیہوش ہو جانے کا ارادہ کر رہا
کہ اچانک عقل ٹھکانے آ گئی۔ تکیہ سمجھا تھا جس چیز کو وہ اس وحشی عورت کا زانو نکلا اور وہ
پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔

پوری پچویشن سمجھ میں آتے ہی قاسم کی گھگھی بندھ گئی۔ فوراً ہی اپنے گناہ پھر یاد آ
اکثر اپنی بیوی کا جی جلانے کے لئے دعا مانگا کرتا تھا کہ یا اللہ مرنے کے بعد مجھے وہاں
جہاں عورتیں ہی عورتیں ہوں چاہے وہ جہنم ہی کیوں نہ ہو۔

''ارے باپ رے باپ..... یا اللہ توبہ..... یا اللہ توبہ..... وہ تو میں یونہی مذاق
قرتا تھا۔''

پھر وہ منہ بھی پیٹنے ہی والا تھا کہ عورت دونوں ہاتھوں سے اس کے گال سہلانے لگی۔

''اے اللہ..... مم..... مم..... ماف کردے میرے گناہ۔ اب نہیں قہوں گا۔ ار

رے..... یا باپ..... ہپ..... ہپ..... یا اللہ ماف کردے۔''

''تمہیں کیا ہو گیا ہے..... کیوں اتنے پریشان ہو۔'' عورت بولی۔

''ہائیں..... تم بول بھی سکتی ہو۔ اردو بول سکتی ہو۔ یعنی کہ..... میں تو سمجھا تھا.....
افریقہ وفریقہ سے پکڑ کر لائی گئی ہو۔''

''نہیں ڈیئر..... میں یہیں کی پیداوار ہوں اور اردو میں فرسٹ کلاس فرسٹ ایم اے
ہوں..... پوری فیکلٹی میں ٹاپ کیا تھا میں نے۔''

قاسم بوکھلا کر اٹھ بیٹھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیونی جیسی اس عورت کو دیکھنے لگا جو
بجائے خود ایک پوری فیکلٹی معلوم ہو رہی تھی۔

''تو پھر..... تو پھر..... پاگلوں کی طرح ہنس کیوں رہی تھیں۔''

''اتنے دنوں کے بعد ایک مرد دکھائی دیا تھا۔ خوشی کے مارے پاگل ہو رہی تھی۔''

''کتنے دنوں بعد.....؟''

''پورے پانچ سال بعد..... اور یہاں تو سب جھنگرا لئے ہیں۔''

''ہی ہی ہی ہی.....!'' قاسم نے دانت نکال دیئے اور پھر بڑے فخریہ انداز میں اپنے
ڈیل ڈول کا جائزہ لینے لگا۔

''لیقن..... یہ اور بہت سی عورتیں.....!'' اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا اور
ایک بار پھر اس پر کپکپی طاری ہو گئی۔ کیونکہ اس نے وہاں رکھے ہوئے ہر کٹہرے میں خود کو اور
اسی عورت کو دیکھا۔

''ارے باپ رے۔'' قاسم کے حلق سے بے ساختہ قسم کی چیخ نکلی اور وہ سجدے میں گر
کر گڑگڑانے لگا۔ ''اے الا ماف کردے۔ مجھے ماف کردے۔ میں توبہ کرتا ہوں..... اب کبھی کسی
نگوڑی سی عورت پر نہیں للچاؤں غا..... اے الا میاں میری مغفرت کرو..... ارے ہو ہو ہو ہو۔''

''کیا ہو گیا ہے تمہیں؟'' عورت اُسے جھنجھوڑتی ہوئی بولی۔

''گھپلا نہ کرو..... گھپلا نہ قرو..... شاید الا ماف ہی کردے۔''

پھر اُس عورت نے ایسی حرکت کی کہ قاسم بوکھلا کر سجدے سے اٹھ گیا اور اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔

''تم اتنے اُلو کیوں ہو ڈیئر۔''

''اے اللہ......!'' قاسم اس کی طرف دھیان دیئے بغیر آنکھیں بند کر کے گڑگڑایا۔ ''مجھے آجمائش......آزمائش میں نہ ڈال...... میں اُلو کا پٹھا بالکل گنہگار ہوں۔ مجھے ماف کر دے۔''

''اب میں تمہیں نوچ کھسوٹ کر رکھ دوں گی۔ پانچ سال کی گھٹن مجھ میں درندگی پیدا کر دینے کے لئے بہت کافی ہے۔'' وہ اس کے بال پکڑ کر جھنجھوڑتی ہوئی بولی۔

''اے اللہ......اب میں قیا قروں۔'' قاسم دہاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

''اے......!'' اس نے اس کے بالوں پر گرفت مزید سخت کرتے ہوئے جھٹکا دیا۔

''اچھا......اچھا......!'' قاسم دہاڑیں مارتا ہوا بولا۔ ''آج تو ماف ہی کر دو۔''

''میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گی......!'' وہ دانت پیس کر بولی۔

''کچھ بھی قرو......اللہ مجھے ماف کر دے......تو پھر......دیکھا جائے گا۔''

''نہیں......!''

''اللہ میاں......!'' وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔

اتنے میں سامنے والا دروازہ کھلا اور وہی عورت داخل ہوئی جس نے قاسم کو یہاں تک پہنچایا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' وہ کٹہرے کے قریب آ کر بولی۔

''اے فرشتے بھائی۔'' قاسم ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''ماپی دلوا دو نا......!''

''تم اسے پریشان کر رہی ہو؟''

''بالکل نہیں...... پتہ نہیں......کیوں تو بہ تلا کر رہا ہے۔''

''اچھا......تم باہر آؤ۔'' اس نے قاسم سے کہا۔

''نہیں یہ باہر نہیں جائے گا۔'' کٹہرے والی عورت غرائی۔

''ہوش میں ہے یا نہیں۔''

''چل......چل......!'' وہ ہاتھ جھٹک کر بولی۔

''ٹھہرو......بتاتی ہوں۔'' اس نے کہا اور جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکالی۔

''نہیں......نہیں۔'' کٹہرے والی عورت ہاتھ اٹھا کر چیخی۔

''بس خاموشی سے پیچھے ہٹ جاؤ۔''

''وہ پیچھے ہٹتی ہٹتی دیوار سے جا لگی اور جین جیکٹ میں ملبوس عورت نے کٹہرے سے لگا ہوا ایک پش سوئچ دبایا۔ کٹہرے کا دروازہ اوپر سرکتا چلا گیا۔

پھر قاسم کے اٹھ کر بھاگنے کا منظر کچھ ایسا ہی مضحکہ خیز تھا کہ دونوں ہی ہنس پڑی تھیں۔

کٹہرے سے نکلتے نکلتے ٹھوکر کھائی اور منہ کے بل فرش پر آ گرا۔ اس کے بعد کٹہرے کا دروازہ خودبخود اپنی جگہ پر واپس آ گیا تھا۔

جین والی عورت نے قاسم کو سہارا دے کر اٹھایا۔

''پیارے بھائی......اللہ قسم بچالو...... مجھے بچالو'' وہ گڑگڑایا۔

''میں عورت ہوں مرد نہیں۔''

''نہیں......اب مجھے اور زیادہ نہ چھکاؤ......تم فرشتے ہو......اگر یہ دوسری دنیا نہیں ہے تو ہر طرف میں ہی میں کیوں نظر آ رہا ہوں۔''

''ارے یہ......!'' عورت ہنس پڑی۔ ''یہ تو آئینے میں......!''

''نہیں......!'' قاسم اچھل پڑا۔

''اچھا ادھر آؤ......یہاں کھڑے ہو کر دیکھو۔''

قاسم نے اس کی بتائی ہوئی جگہ پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ کٹہرے ہی کٹہرے نظر آئے۔ لیکن اب جو غور سے دیکھا تو ہر کٹہرے میں صرف وہی عورت دکھائی دی جس کے ساتھ کچھ دیر پہلے جھک مارتا رہا تھا۔

''یہ کیا قصہ ہے؟'' قاسم نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"یہ آئینے اسی طرح ترتیب دیئے گئے ہیں۔"

"پہلے میں سمجھا تھا کہ بہت سی عورتیں کٹہرے میں بند ہیں۔"

"نہیں صرف ایک ہے۔"

"لیکن آوازیں تو بہت سی تھیں۔"

"صرف اسی ایک کی آواز تھی...... لیکن سسٹم یہ ہے کہ ہر آئینے کے پیچھے لاؤڈ سپیکر ہوتا ہے اور اس کا ہر قہقہہ ریکارڈ ہو کر ایک ایک سیکنڈ کے وقفے سے ہر آئینے کے پیچھے سنائی دیتا ہے۔"

"ہائیں دوسری دنیا میں بھی لاؤڈ اسپیکر۔"

"اس وہم سے اپنا پیچھا چھڑاؤ کہ یہ دوسری دنیا ہے۔ تم زندہ تھے اور اب بھی زندہ ہو...... لیکن یہ ماحول تمہارے لئے نیا ہے۔"

"قہیں میں پاغل نہ ہو جاؤں۔"

"اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھو...... تم دنیا کے بہت بڑے آدمی بننے والے ہو۔"

"اس کٹہرے میں بڑا آدمی بنوں غا......!" قاسم نے خوفزدہ انداز میں کٹہرے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ہو سکتا ہے......!"

"قیا ہو سکتا ہے؟"

"یہی کہ یہ کٹہرا ہی تمہیں بڑا آدمی بنا دے۔"

"میں قچھ نہیں جانتا...... پہلے مجھے یکین دلاؤ کہ مر جانے کے بعد مجھ پر عذاب نہیں ہو رہا

"اچھی بات ہے...... یقین دلا دیا جائے گا۔"

"مجھے پھر بھوخ لگ آئی ہے۔"

"کیا کھاؤ گے؟"

"ابھی ہلکی ہی لگی ہے۔ بس تین ساڑھے تین سیر کولڈ بیف کافی ہوگا۔"

"چلو اس کا انتظام بھی ہو جائے گا۔"

"میں چلوں نا یہاں سے۔" قاسم نے پلٹ کر کٹہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلو...... سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کسی بات پر یقین کیوں نہیں کرتے۔"

وہ اُسے پھر ڈائننگ روم میں لائی۔ لیکن میز خالی تھی۔

"تم یہاں ٹھہرو...... میں انتظام کرتی ہوں......!" عورت نے کہا اور ڈائننگ روم سے باہر چلی گئی۔

قاسم اس کا منتظر رہا۔ لیکن دس منٹ بعد اُس عورت کی بجائے ویسا ہی ایک دیو پیکر آدمی کمرے میں داخل ہوا جیسا ہوٹل فیضان میں اس کے دیکھتے ہی دیکھتے پگھل گیا تھا۔

وہ چند لمحے کھڑا قاسم کو گھورتا رہا پھر گرج کر بولا۔ "تم کون ہو؟"

بڑی بھاری اور گونجیلی آواز تھی۔ ایسی آواز خود قاسم پھیپھڑوں کا سارا زور صرف کر کے بھی نہ نکال سکتا۔

"اے جاؤ......!" قاسم ہاتھ جھٹک کر بولا۔ "دھونس کسی اور پر جمانا۔ میرا نام قاسم ہے قاسم۔ وہاں ہوٹل فیضان میں تم جیسا ایک ہی ہاتھ میں پانی ہو گیا تھا۔"

دیو پیکر نے ہاتھ گھما دیا۔ قاسم پیچھے نہ ہٹ جاتا تو گال ہی پر پڑا ہوتا۔ تاؤ آ گیا قاسم کو...... لپٹ پڑا اور ہونے لگا زور۔

کچھ دیر بعد قاسم نے محسوس کیا کہ وہ قوت میں اس سے کہیں زیادہ ہے۔ لہٰذا وہ اس کوشش میں لگ گیا کہ وہ اُسے زیر نہ کر سکے۔ دو تین منٹ اسی طرح گزر گئے۔ پھر وہ عورت ...ب میں اُبلے ہوئے گوشت کا ٹکڑا لئے کمرے میں داخل ہوئی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" وہ چیخی۔

دفعتاً قاسم نے محسوس کیا جیسے مقابل ڈھیلا پڑ گیا ہو۔ بلکہ وہ تو اب قاسم سے پیچھا چھڑا کر عورت کی طرف متوجہ ہو جانا چاہتا تھا۔ قاسم بُری طرح تھک گیا تھا۔ وہ خود بھی چاہتا تھا کہ کسی طرح یہ قصہ ختم ہو۔ لہٰذا اس کی گرفت ہی ڈھیلی پڑ گئی اور دیو پیکر آدمی لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ... عورت بڑی لاپروائی سے آگے بڑھ کر میز پر گوشت کی قاب رکھ رہی تھی۔

"لو کھاؤ۔" اس نے بڑے پیار سے قاسم سے کہا۔

"کھک ......کھاتا ہوں۔" قاسم ہانپتا ہوا بولا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

دیو پیکر دیوار سے لگا کھڑا ہانپتا رہا۔ پھر کچھ دیر بعد وہ اپنی جگہ سے ہلا اور میز کے قریب کھڑی ہوئی عورت کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔

قاسم اٹھ کھڑا ہوا اور دہاڑ کر بولا۔ "ابے کیا ہے تیرے دل میں؟"

لیکن وہ قاسم کی طرف دھیان دیئے بغیر عورت پر جھپٹ پڑا۔ عورت پیچھے ہٹی اور وہ اپنے ہی زور میں زمین پر آ رہا۔ قاسم اس پر سوار ہو جانے کی نیت سے آگے بڑھا لیکن عورت نے ہاتھ اٹھا کر اُسے ایسا کرنے سے روک دیا۔

قاسم متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

دیو پیکر جیسے گرا تھا ویسے ہی پڑا رہا۔ اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"تم بیٹھ جاؤ......کھاتے کیوں نہیں؟" عورت نے قاسم سے کہا۔

"یہ اٹھ کر کہیں تمہیں پریشان نہ کرے۔"

"نہیں تم اس کی فکر نہ کرو......بیٹھ جاؤ۔"

قاسم نے بیٹھ کر کھانا شروع کر دیا۔ لیکن وہ پرتشویش نظروں سے دیو پیکر ہی کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی پوزیشن میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ ہاتھ پیر تک تو ہلا نہیں سکا تھا۔

عورت اس کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے قاسم ہی کو دیکھے جا رہی تھی۔

دفعتاً قاسم نوالا ہاتھ سے چھوڑ کر "پگھل رہا ہے۔" کہتا ہوا کرسی سے اٹھ گیا۔

نکل گئے

وہ ایک غار کے دہانے کے قریب بیٹھے پو پھوٹنے کا منظر دیکھ رہے تھے۔ بقیہ رات

ہی چلتے گزری تھی اور وہ ایک مناسب سی جگہ رک گئے تھے۔

فریدی کا خیال تھا کہ وہ تھوڑے چکر سے شہر کے راستے پر لگ جائے گا لیکن وہ ان چٹانوں کی بھول بھلیوں میں کھو گئے اور اب اندازہ کرنا دشوار تھا کہ وہ ڈاکٹر ٹسڈل کے مکان سے کتنے فاصلے پر ہیں یا اب شہر کے راستے پر لگ بھی سکیں گے یا نہیں۔

حمید کے ذہن پر جھلاہٹ طاری تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر کل دن ہی دن میں فریدی نے شہر پہنچنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ غالباً سعیدہ بھی یہی سوچ رہی تھی کیونکہ جیسے ہی یہ خیال حمید کے ذہن میں آیا تھا وہ فریدی سے یہی سوال کر بیٹھی تھی۔

"میں کیا کرتا۔" فریدی بولا۔ "تمہارے ڈیڈی کی حالت ایسی نہیں تھی کہ انہیں تنہا چھوڑ دیا جاتا۔"

"میں اس کا کوئی نہیں ہوں۔" ڈی آئی جی غصیلے لہجے میں بولا۔

"اس کا فیصلہ پھر ہوگا۔" فریدی نے کہا۔ "آپ یہ بتایئے کہ آپ یہاں کس سلسلے میں آئے تھے؟"

"میں یہاں ہر سال سیزن گزارنے آتا ہوں۔"

"کبھی ان اطراف میں بھی آنے کا اتفاق ہوا ہے؟"

"کیوں نہیں!"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ شہر پہنچنے کے لئے کونسی سمت اختیار کی جائے۔"

"میرا خیال ہے اگر کوشش کروں تو شہر پہنچنا آسان ہوگا۔"

"کمال ہے بھئی۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "تو کیا ہم یہاں کدو کی کاشت کے لئے زمین ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔"

"کیپٹن حمید!" سعیدہ غضب ناک ہو کر بولی۔ "تمہیں شرم آنی چاہئے۔ تم اپنے آفیسر سے اس لہجے میں گفتگو کر رہے ہو۔"

"اگر یہ مجھے اپنا ماتحت قبول کرلیں تو میں آپ کو بھی انگلستان کی شہزادی تسلیم کرلوں گا۔"

"فضول باتیں مت کرو۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

سعیدہ اور حمید ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے والی نظروں سے دیکھتے رہے۔

فریدی گہری سوچ میں تھا اور ڈی آئی جی خلاء میں گھورے جا رہا تھا۔

سورج ابھی پہاڑیوں کی اوٹ میں تھا اور مشرقی افق حد نظر تک گہرے سرخ دھند
میں ڈوبا ہوا تھا۔ سرد ہوا کے جھونکے رات بھر کی تھکن کو گویا تھپکیاں سی دے رہے تھے۔

حمید کا دل چاہا کہ وہاں اسی طرح بیٹھے بیٹھے سو جائے۔ سعیدہ کو اس پر غصہ آ گیا
لیکن خود اس کا ذہن کسی قسم کے بھی جذبے کا بوجھ سہارنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس نے
بے توجہی سے ان سب کے چہروں پر نظریں ڈالیں اور وہاں سے اٹھ گیا۔

کسی نے بھی کچھ پوچھنے کی اس سے ضرورت نہیں سمجھی اور وہ ڈھلان میں اترتا چلا
تھا۔ ایک چھوٹی سی مسطح چٹان کے قریب رک کر اس نے دو چار گہری گہری سانسیں لیں اور
اسی چٹان پر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ اونگھتے ہوئے اس نے محسوس کیا کہ
کے ساتھیوں میں سے کسی نے اوپر سے اُسے دیکھا ہے اور پھر وہ سو گیا۔

سورج اوپر چڑھا...... دھوپ پھیلی...... لیکن اس کی نیند نہ ٹوٹی۔ رات بھر کی تھکن ایک
ختم ہونے والے سکون کی طرح اس کے وجود پر مسلط ہو گئی تھی۔ لیکن اس سکون کا خاتمہ با
ہو ہی گیا۔ کسی نے بُری طرح جھنجھوڑا اور اُس کی آنکھیں کھل گئیں۔ پھر فوراً ہی بھینچ بھی گئیں
کیونکہ سورج ٹھیک آنکھوں پر چمک رہا تھا۔

جھنجھوڑنے والی سعیدہ تھی۔

"کیا اب مجھے خودکشی ہی کرنی پڑے گی۔" حمید اٹھتا ہوا بڑبڑایا۔

"دور نہیں جانا پڑے گا خودکشی کے لئے...... یہیں سے چھلانگ لگا دو۔" سعیدہ مسکرائی
بہت کم مسکراتی تھی اور اس کی مسکراہٹ پتہ نہیں کیوں حمید کو زہر ہی لگتی تھی۔ اُسے ایسا محسوس
جیسے وہ اس کا مضحکہ اڑا رہی ہو۔ اسے یاد آیا کہ حادثے والی رات کو اس نے ہوٹل فیضان
ایک فیشن ایبل الٹرا موڈرن لڑکی بننے کی کوشش کی تھی لیکن خود حمید کو اتنی مہلت نہیں ملی

کہ وہ اس سے اس کی وجہ دریافت کر سکتا۔

"کیا ابھی تمہاری جھلاہٹ دور نہیں ہوئی۔" وہ پھر مسکرائی۔

"تم ہی اس مصیبت کا سبب بنی ہو۔"

"میں کیسے بنی ہوں......؟" وہ تنک کر بولی۔

"نہ تم اَٹی سیدھی لپ اسٹک لگاتیں اور نہ ہوٹل فیضان اس طرح تباہ ہوتا۔"

"فضول باتیں نہ کرو......!" اُس کی مسکراہٹ اس بار شرمندگی سے عاری نہیں تھی۔

"تم نے مجھے جگایا کیوں......؟" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"کرنل نے کہا تھا۔"

"اچھا یہ تو بتاؤ پچھلی رات کیا ہوا تھا......؟"

"مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ جب میری آنکھ کھلی تھی تو میں نے محسوس کیا تھا کہ اندھیرے میں کچھ لوگ لڑ پڑتے ہیں۔ پھر فائروں کی آوازیں سنتی رہی تھی۔ بے حس و حرکت پڑی رہی۔ کچھ دیر بعد پھر کوئی کمرے میں داخل ہوا اور میری کنپٹیاں دبائیں۔ میں بے ہوش ہو گئی۔ پھر کچھ یاد نہیں کہ کیا ہوا۔"

"تم نے کرنل سے پوچھا نہیں کہ کیا بات تھی۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

"خالی پیٹ پائپ پیو گے تو آنتیں حلق میں آ جائیں گی...... اُسے رکھ دو۔" وہ اس کے ہاتھ سے پائپ چھینتی ہوئی بولی۔ "انہوں نے مجھے اتنا ہی بتایا ہے کہ کچھ نامعلوم لوگ مجھے اٹھا لے جانا چاہتے تھے۔"

"یہ شخص ہمیشہ دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑا کر بعض لوگوں کی دشواریاں بڑھا دیتا ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"اگر وہ لوگ تمہیں اٹھا لے گئے ہوتے تو تم اس وقت میرا دماغ نہ چاٹ رہی ہوتیں۔"

"تم بیہودہ ہو......!" سعیدہ کو پھر غصہ آ گیا۔

"پائپ مجھے دو۔"

"جہنم میں جاؤ تم اور تمہارا پائپ بھی۔" وہ پائپ پٹخ کر وہاں سے چلی گئی۔

حمید نے پائپ میں دوبارہ تمباکو بھری اور پہلا ہی کش لیا تھا کہ اوپر سے فریدی کی آواز آئی۔ "کیا یہیں پڑے رہنا ہے۔"

"حاضر جناب۔" حمید نے کسی طالب علم کے سے انداز میں اُسے اپنی موجودگی کی اطلاع دی اور وہاں سے اٹھ کر چڑھائی پر چڑھنے لگا۔

اوپر پہنچ کر معلوم ہوا کہ اب وہ لوگ شہر پہنچنے کے لئے جدوجہد شروع کرنے والے ہیں۔

"اگر آج ہی پہنچ جانے کا امکان ہو تب تو ٹھیک ہے ورنہ ابھی میری نیند پوری نہیں ہوئی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ سعیدہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

دن کے دس بج رہے تھے۔ بھوک سے سعیدہ کا چہرہ اتر گیا تھا۔ لیکن اس نے ابھی تک بھوک کی شکائت نہیں کی تھی۔

ڈی آئی جی نے کافی سوچ بچار کے بعد ایک سمت اشارہ کیا اور وہ اسی طرف چل پڑے۔ کچھ دور چلنے پر حمید کی بھوک بھی چمک اٹھی تھی اور اُسے ڈی آئی جی پر غصہ آنے لگا۔ جی چاہتا تھا دونوں باپ بیٹی کے سر اس وقت تک ٹکراتا رہے جب تک کہ دم نہ نکل جائے۔ چلنے میں سعیدہ کے کولہوں کی ہلنت اُسے اچھی لگتی تھی لیکن اس وقت اُسی سے ایکا لگ رہی تھی کہ بس جی چاہتا تھا کمر پر اتنی زوردار لات رسید کرے کہ وہ پتھروں اور چٹانوں سے لڑھکتی ہوئی ہزاروں فٹ گہری کھڈ میں جا پڑے۔ ہڈیاں چور چور ہو جائیں اور گوشت چیتھڑوں کی شکل میں دور دور تک بکھر جائے۔ لیکن وہ سینے پر صبر کی سل رکھے جلتا رہا۔ بیزاری حد سے بڑھ گئی تو اس نے فریدی سے کہا۔ "آخر آپ ان حضرات کا کچھ انتظام بھی کریں گے یا بالکل گلے میں ڈھول کی طرح لٹکائے پھرنا ہوگا۔"

"شہر پہنچ کر ہی کچھ کیا جاسکے گا۔" مختصر سا جواب دیا۔

"مجھے تو یقین نہیں کہ اس طرح شہر پہنچ سکیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

وہ چلتے رہے۔ دفعتاً ایک جگہ حمید رک گیا اور نتھنے سکوڑ کر اس طرح سانسیں لینے لگا جیسے کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

وہ بھی رک گئے۔ فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا۔ پھر وہ بھی اسی کے سے انداز میں کچھ سونگھنے لگا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ "ہاں...... کہیں آس پاس انگاروں پر گوشت بھونا جا رہا ہے۔"

"اب دیکھنا ہے کہ اس امریکہ کی دریافت کا سہرا کس کولمبس کے سر رہتا ہے۔" حمید بولا۔

"تم واقعی بہت بھوکے معلوم ہوتے ہو۔"

"نہیں صاحب۔ افواہ ہوگی۔ قوم کے خادموں کو بھوک پیاس کب لگتی ہے۔ یہ تو عوامی قسم کی بدعتیں ہیں۔"

"نہیں بھوکے ہی معلوم ہوتے ہو۔ جب ادب اور سیاست ایک ساتھ حملہ آور ہوں تو یہی سمجھنا چاہئے۔ خیر چلو پہلے یہی دیکھ لیں کہ یہ خوشبو کہاں سے آ رہی ہے۔"

پھر چند لمحے کچھ سوچتے رہنے کے بعد وہ ایک سمت چل پڑا۔ دوسرے بھی اس کا ساتھ دیتے رہے۔ سعیدہ کے چہرے کی مردنی بھی کسی حد تک کم نظر آنے لگی تھی۔

وہ چلتے رہے اور اشتہا انگیز خوشبو بتدریج قریب ہوتی رہی اور پھر جب وہ اس جگہ پہنچے جہاں سے دھواں اٹھ رہا تھا تو امیدوں پر اوس پڑ گئی۔

وہ تو ایک بہت بڑا اور گہرا کنواں تھا۔ کنواں ہی کہنا چاہئے۔ کیونکہ نیچے تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا تھا۔

اس گہری وادی کا قطر کم از کم دو ڈھائی فرلانگ ضرور رہا ہوگا۔ وہ بے بسی سے نیچے دیکھتے رہے۔ وہاں کئی خیمے نظر آ رہے تھے اور جگہ جگہ سے دھواں اٹھ رہا تھا اور آگ پر بھونے جانیوالے مسلم جانوروں کے گوشت کی سوندھی خوشبو اوپر تک آ کر فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔

"کیا آپ اسکے بارے میں کچھ بتا سکیں گے۔" فریدی نے ڈی آئی جی کو مخاطب کیا۔

"میری دانست میں یہ شکاریوں کا کیمپ ہے۔" وہ دوسری جانب اشارہ کر کے بولا۔ "ادھر سینگوں والے دنبوں اور بڑے بالوں والی بکریوں کا شکار ہوتا ہے۔"

''لیکن نیچے کا راستہ تو نظر نہیں آتا۔''

''یہاں کئی جگہ ایسی چھوٹی چھوٹی گھاٹیاں ہیں اور شکاری ہی انکے راستے جانتے ہیں۔''

''میں تو لگاتا ہوں چھلانگ۔ اللہ مالک ہے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''کہیں واقعی ان کے ذہن پر کوئی بُرا اثر نہ ہو۔'' سعیدہ نے فریدی سے کہا۔

''دس منٹ بعد پاگل ہو جاؤں گا...... بالکل......!'' حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔ گھورتا رہا اور پھر نہایت سنجیدگی سے کہنے لگا۔ ''ابو قلزم کی اونٹنی کی قسم تم وہی ہو...... بالکل وہی...... تمہیں یاد ہے کہ تم تین ہزار سال پہلے بعلبک میں جرجی یوس کی بکریاں چرایا کرتی تھیں۔ مقدس طلائی ابابیل نے تمہارے گرد چکر لگانا چھوڑ دیا تھا اور تم کاہن اعظم کے پیروں کی دھول اپنے سر پر ڈال کر بین کرتی تھیں۔ لیکن انہوں نے تمہیں معاف نہ کیا۔ وہ میں ہی تھا جس نے تمہیں زیتون کی ہری ٹہنی دی تھی اور تمہیں یقین دلا کر مژدہ سنایا تھا کہ میں اس بھرے میں تمہاری پاکیزگی پر یقین رکھتا تھا۔ میں نے تمہارے لئے کیا نہیں کیا۔ لیکن تم اپنی وہ بُری عادت نہ چھوڑ سکی تھیں۔ بکریوں کے تھنوں میں منہ لگا کر ان کا سارا دودھ چوس لیتی تھیں۔''

''اسے منع کیجئے ورنہ سر پھاڑ دوں گی۔'' سعیدہ فریدی سے کہہ کر پتھر اٹھانے کیلئے جھکی۔

''اب سے تین ہزار سال پہلے بھی تم یہی کرتی تھیں۔''

وہ پتھر ہاتھ میں لئے اُسے گھورتی رہی۔

فریدی اور ڈی آئی جی انہیں وہیں چھوڑ کر نیچے جانے کا راستہ تلاش کرنے کے لئے آگے بڑھ گئے تھے۔

حمید نشیلی آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔ پتھر اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا اور وہ بے بسی سے ہنستی ہوئی بولی۔ ''تمہیں اس کا بھی احساس نہیں ہے کہ خود کس حال میں ہو۔''

''میں تو ہزارہا سال سے اسی حال میں ہوں۔ بھوکا پیاسا۔ میری پیاس شائد آب حیات پی کر امر ہوگئی ہے۔''

''خدا کے لئے خاموش رہو۔ مجھے الجھن ہو رہی ہے۔''

''دیوتاؤں کے دور سے خدا کے دور میں پہنچ جانے کے باوجود بھی نہ پیاس بجھی ہے اور نہ......!''

''پلیز......!'' وہ دونوں کان بند کر کے چیخی۔

دفعتاً فریدی تیزی سے چلتا ہوا ان کی طرف پلٹ آیا۔

''یہ کیا بیہودگی مچا رکھی ہے۔'' اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ارے...... یہ کون مردود گھس آیا۔'' حمید سکڑتا سمٹتا ہوا عورتوں کے سے انداز میں بولا۔

''میں ماروں گا اب تمہیں۔''

فریدی پلٹ آیا تھا۔ لیکن ڈی آئی جی راستے کی تلاش میں گھاٹی کا چکر لے رہا تھا۔

''شرم نہیں آئے گی عورتوں پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے۔''

''کیا بک رہے ہو۔'' وہ اس کا کالر پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا۔

''لو اور لو...... کیا بک رہے ہو۔ جیسے میں مرد ہوں۔''

''حمید......!''

''آج نہ جانے کس نگوڑ مارے کی شکل دیکھی تھی۔ نام بھی رکھ دیا۔ میں کیوں ہوتی حمید۔ میرا نام تو عطیہ خاتون ہے۔''

''حمید......!'' اس بار لہجہ بے حد سخت تھا۔

''اے جناب...... آپ براہِ کرم یہاں سے چلے جایئے۔ میرے اللہ میں کیا کروں۔''

حمید نے سر پیٹ پیٹ کر رونا شروع کر دیا۔ فریدی نے سعیدہ کی طرف دیکھا۔ لیکن وہ بھی ہکا بکا کھڑی تھی۔

حمید نے روتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ''اے اللہ...... یہ کیا ہو گیا۔ میں تو مردوں جیسے کپڑے پہنے ہوئے ہوں۔ ارے غضب...... ہائے...... یہ کونسی جادوگری ہے۔''

اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنا جسم ٹٹول کر رکھ دیا۔

فریدی کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آئے اور اس نے سعیدہ سے کہا کہ وہ
ٹھہرے اور خود اس گہری وادی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"چلا گیا۔" حمید بسورتا ہوا بولا۔ "اللہ تیرا شکر ہے۔"

"کچھ دیر پہلے تو تم مردوں کی سی باتیں کر رہے تھے۔" سعیدہ بولی۔

"مجھ سے اکل کھرے پن کی بات نہ کرنا...... پتہ نہیں تم لوگ کون ہو۔ ہائے اللہ! میں
کہاں ہوں۔ ابھی تو میں باورچی خانے میں بیٹھی بینگن چھیل رہی تھی۔"

"خدا کی پناہ۔" سعیدہ بڑبڑائی۔ "شائد اسے بھی وہی مرض لگ گیا ہے۔"

فریدی اور ڈی آئی جی دو الگ الگ جگہوں پر راستے کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ دفعتاً
فریدی ہاتھ اٹھا کر اونچی آواز میں بولا۔ "یہ رہا۔" اور پھر اس نے سعیدہ اور ڈی آئی جی کو اپنی
طرف آنے کا اشارہ کیا۔

سعیدہ نے حمید کو وہیں چھوڑا اور اس طرف چل پڑی۔ حمید اب زمین پر اکڑوں بیٹھا ہوا
تھا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام رکھا تھا۔

فریدی دور ہی کھڑا سب کچھ دیکھتا رہا پھر خود ہی حمید کی طرف بڑھا۔

"چلو اٹھو......!" اس نے قریب پہنچ کر کہا۔

"میں گھر جاؤں گی؟"

"حمید ہوش میں آؤ۔"

"اے اللہ یہ کیا ہوگیا۔ میرا جسم بھی مرد کا ہوگیا ہے اور نام بھی۔ خدا کے لئے مجھے میرے
گھر بھجوا دیجئے۔" حمید گڑگڑایا۔

فریدی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھتا رہا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "اچھی بات ہے۔ میں
تمہیں گھر بھجوا دوں گا۔ یہاں سے تو اٹھو۔"

"اے بھائی...... تمہیں اللہ رسول کا واسطہ۔" حمید اٹھتا ہوا گھگھیایا۔ "میری حفاظت کرنا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید لنگڑاتا ہوا اس کے پیچھے چلنے لگا تھا۔ وہ اس جگہ پہنچے جہاں فریدی

نے راستے کی نشاندہی کی تھی۔ سعیدہ اور ڈی آئی جی پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔

یہ کسی غار کا دہانہ تھا۔

ڈی آئی جی نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ یہی راستہ ہے۔"

"میرا خیال ہے دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔" فریدی نے دہانے کی طرف دیکھتے
ہوئے کہا۔ "آپ لوگ یہیں ٹھہریں۔"

انہوں نے اُسے دہانے میں داخل ہوتے دیکھا۔

"یا اللہ ساتھ خیریت کے واپس لائیو...... تیری امان میں۔" حمید نے خالص زنانہ لہجے
میں کہا۔

سعیدہ اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ حمید مسلسل عورتوں ہی کی طرح بولتا رہا۔ دفعتاً
ڈی آئی جی کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا۔

"میرا مذاق اڑا رہے ہو تم۔" وہ گھونسہ تان کر حمید کی طرف جھپٹا۔

"ڈیڈی...... ڈیڈی...... پلیز......!" سعیدہ اُن کے درمیان آتی ہوئی بولی۔

"یہ بھی شائد اپنی یاد داشت کھو بیٹھے ہیں۔ یہ مرض یہاں کی فضا میں وبائی شکل میں
موجود ہے۔"

"تم ہٹ جاؤ سامنے سے۔"

"اے تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔" حمید ناک پر انگلی رکھ کر بولا۔

"خدا کے لئے تم ہی خاموش رہو۔" سعیدہ حمید کی طرف مڑی۔

ٹھیک اسی وقت فریدی نے انہیں غار کے دہانے سے آواز دی۔ "آ جایئے...... میرا
اندازہ غلط نہیں تھا۔ یہ راستہ ہمیں نیچے وادی میں لے جائے گا۔"

وہ سب اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔



قاسم بڑی سی آرام کرسی میں پڑا ہانپ رہا تھا اور قریب ہی جین اور جیکٹ والی عو(رت)
کھڑی اُسے پرتشویش نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔

دیو پیکر کے پگھلنے سے قاسم کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ منہ سے نوالے اُگلے پڑر(ہے) تھے۔ تب وہ اُسے وہاں سے ہٹا لائی تھی اور اب قاسم کو سانس لینے میں بھی دشواری محس(وس) ہونے لگی تھی۔

کچھ دیر تک وہ اسی حالت میں پڑا رہا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"مجھے بتاؤ...... یہ کیا چکر ہے؟"

"کچھ نہیں...... کوئی خاص بات نہیں۔ اب تم آرام کرو۔"

"ایسے میں...... میرا باپ بھی آرام نہیں قر سکتا۔"

"کوشش کرو...... یہاں کے عجائبات کے لئے خود کو تیار کرنا پڑے گا۔ ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔"

"میں نے ہوٹیل فیضان میں بھی ایک ایسے ہی آدمی کو پگھلتے دیکھا تھا۔"

"ضرور دیکھا ہوگا۔"

"اس کے بھی ایک ہاتھ جھاڑ دیا تھا اور وہ پگھلنے لغا تھا۔"

"وہ تمہارے ہاتھ جھاڑنے کی وجہ سے نہیں پگھلا تھا۔"

"پھر......؟"

"بس کچھ ایسی ہی بات ہے۔ تم اس فکر میں نہ پڑو۔"

"تو پھر میں یہاں قیوں لایا غیا ہوں؟"

"اس کے بارے میں بھی نہ سوچو...... تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ جو چاہو گے ملے گا۔"

"جو چاہوں غا......؟" قاسم نے خوش ہو کر پوچھا۔

"ہاں...... ہاں......!"

"ہی، ہی، ہی، ہی......!"

"بس اب اپنی مسہری پر لیٹ کر سو جاؤ۔"

"اقیلے تو یہاں مجھے بہت ڈر لگے گا۔"

"تو پھر......؟" عورت اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔

"قچھ نہیں۔" قاسم تھوک نگل کر پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔

وہ کھڑی ہنستی رہی اور قاسم نروس ہوتا رہا۔

"سچ بتاؤ...... کیا چاہتے ہو؟"

"مجھ قو...... نیند آ رہی ہے۔" قاسم غیر معمولی طور پر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اچھا میں ابھی آئی۔" عورت نے کہا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

قاسم آرام کرسی سے اٹھ کر مسہری پر سجدے میں گر گیا اور گڑگڑانے لگا۔ "پاک پروردغار...... میں پھر سنق رہا ہوں...... سنبھالیو...... یہ پتہ نہیں قیا چکر ہے۔ مَیں تو سمجھا تھا کہ تیرے دربار میں حاجری ہوگئی ہے۔ مغر یہ قوئی بہت بڑا گھپلا معلوم ہوتا ہے۔ پاک پروردغار اب اگر میرے ساتھ قوئی گھپلا ہوتا ہے تو مجھ پر اس کی ذمہ داری نہیں۔ پہلے سے بتائے دیتا ہوں۔ اب یہ سالی جین اور جیکٹ...... واہ بھئی...... یہ بھی قوئی پہناوا ہے...... بس خامخاہ۔"

پھر وہ خاموش ہوگیا۔ لیکن سجدے سے نہیں اٹھا۔

تھوڑی دیر بعد سجدے ہی میں دہاڑا۔ "ان...... سالوں کے چکر میں جب پڑو ایسی فضیحتی ہوتی ہے۔ ہاں...... ہاں...... غلتی میری ہی ہے۔ میں سالا قیوں دوڑا آیا تھا۔"

پھر آہستہ آہستہ اس کی بڑبڑاہٹیں غیر واضح ہوتی گئیں اور وہ سجدے ہی میں گہری نیند سوگیا تھا۔

لیکن سو جانے کے بعد سجدہ برقرار کیسے رہ سکتا تھا ویسے یہ اور بات ہے کہ آنکھ کھلتے ہی

سجدے سے زیادہ اُسے مسہری کی فکر پڑ گئی تھی۔ کیونکہ وہ مسہری کے بجائے ننگے فرش پر پڑ
اور شائد کسی نے اُسے جگایا تھا۔ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ ایک بڑی طویل راہداری تھی جہاں
تھا۔ دو آدمی نظر آئے۔ ایک کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں چمڑے کا ہنٹر

"میں قہاں ہوں......؟" قاسم انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہوا بولا۔

"چلو اٹھو...... ہمارے ساتھ چلو۔" ریوالور والا گرج کر بولا۔

"اے جاؤ...... بڑے آئے...... آنکھیں دکھانے والے۔" قاسم اٹھتا ہوا بولا۔

"سڑاک......!" اس کی پیٹھ پر چمڑے کا چابک پڑا اور وہ تلملا کر دوسرے آدمی کی طرف پلٹا۔

"خبردار...... گولی ماردوں گا...... میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔"

پہلے آدمی نے دھمکی دی۔ قاسم جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ دونوں اسے کسی طرف لے جانا چاہتے تھے اور ریوالور کے زور پر انہوں نے اسے چلنے پر مجبور کردیا۔

اسے بہت دور تک چلنا پڑا اور پھر انہوں نے ایک بیہوش آدمی کو اُس پر لادا تھا اور وا
اسی طرف سے ہوئی تھی جہاں قاسم نے خود کو پڑا پایا تھا۔ بیہوش آدمی کو ایک کمرے میں ڈا
وہ لوگ قاسم کو پھر اسی راہداری میں لے آئے تھے۔

"تم کو یہاں کی حکومت نے ڈپٹی کمشنر بنا دیا ہے۔" ریوالور والے نے کہا۔

"ابے میں باز آیا ایسی ڈپٹی کمشنری سے...... سالے مردے ڈھلواتے ہیں۔"

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ پھر ریوالور والے نے کہا۔ "بس تم اسی جگہ رہو گے اور جیسے ہی
سامنے والی گھنٹی بجے وہیں دوڑ جانا اور دوسرے کو بھی اٹھا کر یہیں لانا۔"

"ٹھیغا لانا......!" قاسم گردن جھٹک کر بولا اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبدانے لگا

ڈپٹی کمشنر

غار کا دہانہ وادی تک پہنچنے کا راستہ ہی ثابت ہوا تھا۔ وادی میں تو پہنچ گئے تھے۔ لیکن اب محسوس ہوا کہ خیموں تک پہنچنا بھی آسان کام نہیں۔ تھوڑے فاصلے پر ایک چٹان راہ میں حائل ہوگئی تھی اور اس پر چڑھنا بھی اتنا ہی مشکل معلوم ہو رہا تھا جتنا پہلے پہل وادی میں اترنا محسوس کیا گیا تھا۔

یہاں بھی فریدی ہی کی ذہانت کام آئی اور یہ مشکل بھی کسی طرح آسان ہوئی۔ بہرحال وہاں سے خیموں تک پہنچنے میں پورا ایک گھنٹہ صرف ہوگیا۔

چار آدمی الاؤ کے قریب بیٹھے ہوئے دو مسلم دنبوں کو الٹ پلٹ کر سینک رہے تھے۔ انکی رائفلیں انکے قریب رکھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے ان لوگوں کو بڑی حیرت سے دیکھا۔

"ہم بھوکے ہیں۔" ڈی آئی جی بول پڑا۔

"آئیے...... آئیے...... یہ ابھی تیار ہوئے جاتے ہیں۔" اُن میں سے ایک آدمی اٹھتا ہوا بولا۔ "آپ لوگ بہت زیادہ تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔"

دوسرا جو سعیدہ کو گھورے جا رہا تھا بولا۔ "انہیں خیموں میں لے چلو۔"

وہ دونوں انہیں ایک خیمے میں لائے۔ قدرتی بات تھی کہ وہ اُن سے اس طرح بھٹکتے پھرنے کا سبب دریافت کرنا چاہتے تھے۔ فریدی نے انہیں بتایا کہ وہ ہوٹل فیضان میں مقیم تھے۔ اچانک انہوں نے لاؤڈ اسپیکر پر خطرے کا اعلان سنا اور ہوٹل سے نکل بھاگے۔ ہوٹل کی عمارت دو زبردست دھماکوں کے ساتھ تباہ ہوگئی۔ تب سے وہ اس ویرانے میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔

ڈاکٹر ٹنڈل کے یہاں قیام کے بارے میں فریدی نے انہیں کچھ نہ بتایا۔

"اور ہمارا یہ ساتھی۔" اس نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ان دھماکوں کی وجہ سے بے ہوش ہوگیا تھا پھر ہوش آنے پر اس نے ہوش کی باتیں نہیں کیں۔ یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ ہمیں بھی نہیں پہچانتا اور عورتوں کے سے انداز میں گفتگو

کرنے لگا ہے۔"

"عورتوں کے سے انداز میں گفتگو کرنے لگا ہے۔" ایک نے بہت زیادہ دلچسپی کا
کرتے ہوئے سوالیہ لہجے میں دہرایا۔

"جی ہاں......!"

دوسرے نے پہلے سے کہا۔ "کیا وجہ ہوسکتی ہے۔ تم تو نفسیات میں بھی خاصا دخل رکھتے ہو۔"
پہلا پر تفکر انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔ پھر کچھ دیر بعد اُس نے فریدی سے پوچھا۔

"کیا یہ شادی شدہ ہیں؟"

"جی نہیں......!" فریدی نے جواب دیا۔

"صنف مخالف سے متعلق کیا رویہ رہا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ ہر وقت صرف عورتوں ہی کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔ محرومی نے خود اُسے ہی عورت بنا دیا۔"

"بھئی یہ باتیں اب ختم کرو۔" ڈی آئی جی بولا۔

"اوہ......معاف کیجئے گا۔" دوسرا آدمی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں ابھی لایا......بھول ہی گیا تھا
کہ آپ لوگ بھوکے ہیں۔"

وہ خیمے سے باہر چلا گیا اور وہ شکاری جو اپنے ساتھی کے خیال کے مطابق نفسیات میں
دخل رکھتا تھا وہیں بیٹھا رہا۔ وہ حمید کو بڑے غور اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور حمید کا یہ عالم تھا
شرم سے زمین میں گڑا جا رہا ہو۔ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ کبھی نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیتا اور
گہری گہری سانسیں لینے لگتا۔

جس جگہ خیمے لگائے گئے تھے زمین مسطح تھی اور زمین ہی پر کئی بستر پڑے ہوئے تھے
شکاری نے بتایا کہ وہاں اس وقت تیرہ آدمی تھے۔ چار خیموں کی حفاظت کے لئے کیمپ
ہی میں رہ گئے تھے اور نو آدمی شکار کی تلاش میں آس پاس کے جنگلوں میں گھوم پھر رہے تھے
ان میں زیادہ تر پیشہ ور شکاری تھے اور جانوروں کی کھالیں حاصل کرنا شکار کا مقصد تھا

کھانے کے بعد انہیں تنہا چھوڑ دیا گیا۔ اب ان کی آنکھیں نیند میں ڈوبی ہوئی تھیں۔
لیکن حمید کے چہرے سے نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی سو جانا چاہتا ہو۔ فریدی سعیدہ اور ڈی آئی
جی مختلف بستروں پر لیٹ گئے۔ لیکن حمید جہاں پہلے بیٹھا تھا وہیں بیٹھا رہا۔

فریدی نے اس سے کہا تھا کہ وہ بھی کچھ دیر آرام کرلے لیکن اُس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
سعیدہ اور ڈی آئی جی جلد ہی سو گئے۔ فریدی لیٹا تو ہوا تھا لیکن اس کی آنکھیں بند نہیں
تھیں۔ کسی گہری سوچ میں تھا۔

کئی گھنٹوں سے اس نے تمبا کو نہیں پیا تھا۔ ڈاکٹر ٹسڈل کی قیام گاہ سے فرار ہوتے وقت
اس کی جیب میں صرف ایک سگار تھا۔ جو صبح ہوتے ہوتے ختم ہوگیا لیکن اس کے چہرے پر
ویسی بے رونقی نہیں تھی جیسی عام طور پر تمبا کو کے مفارقت زدگان کے چہروں پر پائی جاتی ہے۔

"میں کہتا ہوں تم بھی کچھ دیر آرام کرو۔" فریدی نے پھر حمید سے کہا۔

"بس ٹھیک ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "اللہ عزت آبرو سے اٹھائے۔ کیا پتہ آنکھ لگ
ہی جائے۔ آدمی کے ساتھ شیطان بھی تو لگا ہوا ہے اور آپ ایسے فرشتے بھی نہیں معلوم ہوتے۔"

فریدی کو ہنسی آ گئی اور وہ اسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ "اب ٹھیک ہو جاؤ۔ ورنہ سچ مچ ماروں گا۔"

"جان چلی جائے۔ لیکن وہ نہیں ہوسکتا جو آپ چاہتے ہیں۔"

"جہنم میں جاؤ۔"

"میں جانتی ہوں اگر سو گئی تو جہنم ہی میں جانا پڑے گا۔"

"مت بکواس کرو۔" فریدی نے اس کی طرف کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

"اللہ عزت تیرے ہاتھ ہے۔"

"تم خاموش نہیں رہو گے۔" فریدی پھر اس کی طرف مڑا۔

"کبھی فرصت ملے تو بہشتی زیور بھی پڑھ لیجئے گا۔"

"آخر ان حماقتوں سے کیا فائدہ۔ تم مجھے باور نہیں کرا سکتے کہ تمہاری شخصیت بھی بدل گئی
ہے۔"

"پتہ نہیں آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

اتنے میں اُن چاروں میں سے ایک شکاری خیمے میں داخل ہوا اور فریدی اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"اور کسی چیز کی تو ضرورت نہیں۔" اس نے سعیدہ کو گھورتے ہوئے فریدی سے پوچھا

"نہیں شکریہ......اب آپ ہمیں شہر کا راستہ بتا دیتے تو اچھا تھا۔"

"اس طرح آپ لاکھ برس بھی نہ پہنچ سکیں گے۔"

"تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

"کل صبح ہم میں سے دو آدمی شہر واپس جائیں گے۔ آپ انہیں کے ساتھ جائیں تو بہتر ہوگا"

"اوہو......تو کیا رات یہیں بسر کرنی پڑے گی۔"

"کیا حرج ہے۔"

"نا بابا......!" حمید کانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "میں تو ہرگز یہاں نہ رہوں گی رات کو۔"

شکاری ہنس پڑا اور فریدی حمید کو گھورنے لگا۔ حمید نچلا دانت ہونٹوں میں دبائے نیچے دیکھ رہا تھا۔

"واقعی ان کی حالت قابل رحم ہے۔" شکاری ہنسی روک کر بولا۔

"ہمدردی ہی کی باتیں کر کے لوگ لوٹ لیتے ہیں۔" حمید سر جھکائے ہوئے بولا اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑانے لگا۔

فریدی نے اُس شکاری کو اشارہ کیا کہ وہ اسے نہ چھیڑے۔

شام تک سارے شکاری واپس آ گئے تھے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ اُن سبھوں کی نظریں سعیدہ پر تھیں۔

رات بسر کرنے کے لئے یہ طے پایا کہ ایک خیمے میں وہ لوگ رہیں گے اور شکاری بقیہ خیموں میں بٹ جائیں گے۔

"یہ بہت اچھا ہوا۔" حمید نے فریدی سے کہا۔ "میں تو ہرگز اُن کے ساتھ نہ رہتی۔ آپ کا بھی کیا......سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔"

"بھئی......مت دماغ چاٹو میرا۔" فریدی اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اسے لکھ لیجئے......عطیہ جان دے دے گی......لیکن......!"

"شٹ اپ......!"

پھر بات آگے نہیں بڑھی تھی۔ رات کا کھانا بھی بھنے ہوئے گوشت پر مشتمل تھا۔

کھانے کے بعد شکاریوں نے تاش اور شطرنج کی بازیاں شروع کر دیں۔ فریدی وغیرہ کو بھی دعوت دی لیکن حمید نے کسی کو بھی خیمے سے باہر نہیں نکلنے دیا۔

شکاری بھی اسے سمجھا کر تھک ہار گئے تھے۔

حمید نے اس وقت بھی لیٹنے سے انکار کر دیا تھا۔

وہ اپنے بستروں پر لیٹے دوسرے خیموں سے بلند ہونے والا شور سنتے رہے۔

فریدی نے ایک بار پھر حمید سے کہا تھا کہ وہ بھی سو جائے۔ لیکن وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔ اُس "عفیفہ" کو چونکہ اپنی حفاظت کی پڑی تھی اس لئے سو رہنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ فریدی پر دو راتوں کی تھکن مسلط تھی اس لئے جلد ہی سو گیا۔

خیمے میں کیروسین لیمپ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

آہستہ آہستہ دوسرے خیموں کا شور کم ہوتا گیا اور کچھ دیر بعد فضا میں پہاڑی جھینگروں کی "زرزچ" کے علاوہ اور آواز باقی نہ رہی۔

حمید کبھی اُکڑوں بیٹھتا اور کبھی ٹانگیں پھیلا لیتا۔

لیمپ کی روشنی سعیدہ کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ خدوخال کی بناوٹی کرختگی غائب ہو چکی تھی اور اس وقت وہ بڑی معصوم نظر آ رہی تھی۔ بالکل ایک ننھی سی بچی کی طرح معصوم۔ جو تھک کر ماں کی گود میں سو گئی ہو۔

کچھ دیر بعد کسی نے باہر سے آواز دی۔ "کہو بھائی کیا سو گئے؟"

حمید چپ چاپ لیٹ گیا۔ لیکن آنکھیں کھلی رہنے دیں۔

پکارنے والے نے پھر پکارا۔ لیکن حمید دم سادھے لیٹا رہا۔ ویسے اُس نے اپنا سائیلنسر لگا

ہوا ریوالور ہولسٹر سے نکال کر گرفت میں لے لیا تھا۔ تیسری آواز پر بھی وہ کچھ نہ بولا۔

اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے خیمے میں زلزلہ آ گیا۔ حمید بڑی پھرتی سے اٹھا اور
جھنجھوڑنے لگا۔

فریدی اٹھ بیٹھا اور حمید نے ایک انگلی ہونٹوں پر رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ
ہوئے اُسے خیمے کی حالت دکھائی پھر آہستہ سے بولا۔ ''وہ خیمہ گرادیں گے۔ اور پھر
سعیدہ کو اٹھا لے جائیں گے۔''

فریدی بڑی پھرتی سے اٹھ بیٹھا۔

خیمے کا ایک گوشہ ڈھیلا پڑ چکا تھا۔ اس نے سعیدہ اور ڈی آئی جی کو جگایا۔

''میں سراپردہ کی ڈوریاں کھولتا ہوں۔'' وہ آہستہ سے بولا۔ ''نکل چلنے کے لئے
رہو۔ اگر ہم الاؤ کے پیچھے والی چٹان تک پہنچ گئے تو پھر وہ ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔''

''اب کیا ہو رہا ہے؟'' سعیدہ بوکھلا کر بولی۔

''اے بی بی...... وہ مجھے اور تمہیں...... ناس جائے حرامیوں کا۔''

فریدی نے سراپردہ کی ڈوریاں کھول دی تھیں۔ پھر اس نے سعیدہ کو کاندھے پر اٹھا
لیکن وہ نہیں نہیں کرتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔

''بکومت۔'' فریدی نے سخت لہجے میں کہا اور اس کو زبردستی بائیں کاندھے پر ڈالا
اور داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

پھر وہ باہر نکلے چلے گئے۔

''ارے ارے۔'' کی بہت سی آوازیں گونجیں اور حمید نے پلٹ کر ایک فائر کر دیا۔
چیخ فضا میں گونجی لیکن فائر کی آواز نہ ہونے کی بناء پر شکاری چیخ کی طرف متوجہ ہو گئے۔
لڑکھڑا کر گرا۔

''یہ کیا ہوا...... یہ کیا ہوا۔'' کئی آوازیں سناٹے میں اُبھریں۔

لیکن وہ ان کی طرف توجہ دیئے بغیر چٹانوں کی طرف بھاگتے رہے۔

چٹانوں میں پہنچ کر فریدی نے سعیدہ کو کاندھے سے اُتار دیا اور ایک مناسب مقام سے
خیموں کی طرف دیکھنے لگا۔

مطلع صاف تھا اس لئے شکاریوں کے متحرک ہیولے دور سے بھی دیکھے جا سکتے تھے۔ وہ
خیموں کے آس پاس ہی نظر آتے رہے۔

''وہ چیخ کیسی تھی؟'' فریدی نے حمید سے پوچھا۔

''یہ مُوا چل گیا تھا۔'' وہ اسے ریوالور دکھا کر بولا۔

''یہ اچھا نہیں ہوا۔''

''لو صاحب...... میں نے انہیں اپنے پیچھے آنے سے روک دیا اور آپ کہتے ہیں یہ اچھا
نہیں ہوا۔ سچ کہتی ہوں سارے ہی مرد ناقص العقل ہوتے ہیں۔''

''اچھا بکومت......!''

''اب وہ ڈر کے مارے آگے نہ بڑھ سکیں گے۔'' حمید بولا۔

''یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں۔'' فریدی نے پُر تفکر لہجے میں کہا۔

''تو چلئے...... دہانے کی طرف نکل چلئے۔''

''سوچے سمجھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔ ان میں کچھ لوگ یقینی طور پر اُدھر ہی گئے
ہوں گے۔''

''اے لو...... میں کیا جانوں یہ داؤں گھات کی باتیں۔''

''تم تو خاموش ہی رہو۔''

''عورتوں کو تو بس اللہ ہی خاموش کر سکتا ہے۔'' حمید چہک کر بولا۔

''آخر ہم اس طرح کیوں بھاگے؟'' ڈی آئی جی نے آہستہ سے پوچھا۔

''وہ خیمے کی رسیاں کاٹ رہے تھے۔'' فریدی بولا۔

''آخر کیوں؟ ہمیں کہیں چین کیوں نہیں ملتا۔ وہ ڈاکٹر پہلے تو بہت اچھی طرح پیش آیا
پھر رات کو گولیاں چلنے لگیں اور اب یہ لوگ۔''

"ارے یہ مرد......!" حمید دانت پیس کر بولا۔

"تم چپ رہو۔"

حمید ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔

کچھ دیر بعد فریدی نے کہا۔ "میں اُدھر کی خبر لینے جا رہا ہوں۔ تم لوگ یہیں ٹھہرو۔"

"اور اگر انہوں نے آ کر ہماری خبر لے لی تو کیا ہوگا۔" حمید بولا۔

لیکن فریدی مزید کچھ کہے بغیر نیچے اُتر گیا۔ وہ تینوں تھوڑا تھوڑا سر اُبھارے خیموں کی طرف دیکھتے رہے۔ یہاں سے خیموں تک راستہ صاف تھا اور اُدھر کا ایک آدمی بھی اس طرف کا رخ کرتا تو وہ اُسے بہ آسانی دیکھ سکتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد کئی ٹارچوں کی روشنیاں ملگجے سے اندھیرے میں ادھر اُدھر چکرانے لگیں۔

"اب آئی شامت۔" حمید بڑبڑایا۔ "رینج سے باہر ہیں ورنہ پھر ایک رسید کر دیتی۔"

"تمہیں آخر ہو کیا گیا ہے۔" سعیدہ اس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولی۔

"اس جسم کے ساتھ ہی یہ موا بھی ہاتھ آیا تھا...... اور اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے اس کے استعمال کی تدبیر بھی سمجھا دی۔"

"تم بن رہے ہو...... تمہارا دماغ نہیں الٹا۔"

"دماغ نہیں الٹا کایا پلٹ ہوگئی ہے۔ اب اطمینان ہے...... ارے...... یہ کوئی موا ا طرف آ رہا ہے...... رینج میں آ جائے تو پھر......!"

پھر بیک وقت انہوں نے ایسا محسوس کیا جیسے زمین ہل رہی ہو۔

"ارے یہ کیا......!" حمید نے لڑکھڑا کر ایک پتھر کا سہارا لیا۔ سعیدہ اور ڈی آئی جی دھڑام دھڑام گرے تھے۔

کچھ عجیب سی بو تھی جو حمید کے نتھنوں میں گھس کر ذہن کو ماؤف کئے دے رہی تھی۔

"یہ کک...... کیا مصیبت ہے۔" وہ ہکلایا اور اس کا دم گھٹنے لگا۔ وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ہر لحظہ یہی محسوس ہوتا جیسے اب ذہن جسم کا ساتھ چھوڑ دے گا۔

وہ دھب سے زمین پر بیٹھ گیا۔ ہاتھ پیر ہلانے کی بھی سکت نہیں رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

اسے یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ اس کے ساتھیوں پر کیا گزری۔



قاسم نے جب بہت غل غپاڑہ مچایا تو اسے ایک اور آدمی کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ وہ ایک گٹھیلے جسم کا مضبوط غیر ملکی تھا۔ رنگت کی بناء پر قاسم اُسے انگریز سمجھا۔ وہ ہر سفید چمڑی والے غیر ملکی کو انگریز سمجھتا تھا اور جب اس انگریز نے بہت ہی فصیح و بلیغ اردو میں اُسے مخاطب کیا تو انتہائی غصے کے عالم میں اس کے دانت نکل پڑے۔

"تمہیں کیا شکایت ہے۔" اس نے پوچھا۔ "کیا پیٹ بھر کر کھانا نہیں مل رہا۔"

"یہ بات نہیں ہے مسٹر۔ مجھے بتاؤ یہ کیسی ڈپٹی کمشنری ہے۔ میں نے تو آج تک کوئی ایسا ڈپٹی کمشنر نہیں دیکھا جو اپنی پیٹھ پر بے ہوش آدمیوں کو لاد لاد کر ادھر سے اُدھر لے جاتا ہو۔"

"تم فکر نہ کرو...... کچھ دنوں کے بعد تمہیں گورنر بنا دیں گے۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"اور سالا گورنر کیا کرتا ہے...... یہ بھی تو بتاؤ...... کپڑے دھوتا ہوگا...... قیوں؟"

"دیکھو...... اگر سیدھی طرح کام نہیں کرو گے تو مار پڑے گی۔ ویسے اگر پیٹ بھر کر کھانا نہ ملتا ہو تو مجھے بتاؤ۔"

"خانا تو اچھا ملتا ہے۔" قاسم کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیغن......!"

"ہاں...... ہاں...... کہو...... کہو......!"

"تم لوگ قون ہو...... پہلے مجھے ایک جنگلی عورت سے بھڑا دیا گیا۔ پھر ایک دیو سے لڑوایا اور اب مردے ڈھلوا رہے ہو۔"

''ہم لوگ دنیا کی بھلائی کے لئے ایک بہت بڑا کام کر رہے ہیں۔ تم بھی اُس م
لو۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم بہت دولت مند آدمی ہو۔''

''اچھا تو پھر......؟''

''پھر کچھ بھی نہیں......اسی لئے ہم نے تمہیں ڈپٹی کمشنر بنایا ہے۔ ورنہ چپراسی ہوتے

''اے بس جان نہ جلاؤ میری۔ اور وہ کہاں گئی......وہ جو تھی......جین اور جیکٹ

''کیوں......؟ کیا وہ تمہیں پسند ہے۔''

''ارے......ہی ہی ہی ہی......بس جین وجیکٹ پسند ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ وہ تمہارے پاس بھیج دی جائے گی۔''

''قہاں بھیج دی جائے گی۔'' دفعتاً قاسم کو غصہ آ گیا۔ ''وہاں اُس گلی میں جہاں م
ہوتا ہوں۔ وہاں بھی تو سالے سونے نہیں دیتے۔ جگا جگا کر مردے ڈھلواتے ہیں۔''

''یہ تو ٹریننگ مل رہی ہے تمہیں۔''

''اور اس کے بعد غورنر بنا دیا جاؤں غا۔'' قاسم نے جھلا کر طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اچھا اب جاؤ......اور سیدھی طرح کام کرو......ورنہ گولی مار دی جائے گی۔'' غیر
نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

''اچھی زبردستی ہے۔''

''لے جاؤ اسے......!'' غیر ملکی نے قاسم کے دونوں نگرانوں سے کہا۔

چابک والا بل کھولنے لگا اور دوسرے نے ریوالور کی نال سیدھی کی۔ قاسم چپ چا
دروازے کی طرف مڑ گیا۔

اب وہی طویل راہداری تھی اور قاسم تھا۔ دیوار سے ٹیک لگا کر فرش ہی پر بیٹھ گیا
کے دونوں نگران اسٹولوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ قاسم انہیں دیکھتا اور جھلتا رہا۔ پھر بولا۔ ''م
ڈپٹی کمشنر ہوں......اور تم سالو بادشاہ سلامت معلوم ہوتے ہو۔''

''ہم چپراسی ہیں۔'' ان میں سے ایک نے مسکرا کر کہا۔

''دیکھو......اتنی جان نہ جلاؤ کہ مجھے واقعی غصہ آ جائے۔''

''اچھا جی......تو تم کیا کرو گے؟''

قاسم کچھ کہنے ہی والا تھا کہ گھنٹی بجی اور دونوں نگران اٹھ کھڑے ہوئے۔

''چلو اٹھو......!'' انہوں نے قاسم سے کہا۔

''میں تو نہیں اٹھوں گا۔''

دوسرے آدمی نے فائر کیا۔

''ارے باپ رے۔'' قاسم ایک طرف لڑھکتا ہوا دہاڑا۔

''مرے نہیں تم......اٹھ جاؤ......ورنہ مر بھی سکتے ہو۔''

قاسم کانپتا ہوا اٹھ گیا۔ وہ اس طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ
رہا ہو۔

''اُدھر کہاں......اس طرف چلو......داہنی طرف۔''

وہ داہنی طرف مڑ گیا اور چلتا رہا۔

بس چل رہا تھا اور اس کے علاوہ اور کوئی احساس ذہن میں نہیں تھا کہ اُس کے پیچھے دو
آدمی چل رہے ہیں جن میں سے ایک کے ہاتھ میں ریوالور بھی ہے۔

اسی طرح چلتے چلتے اس مقام تک آ پہنچا جہاں سے بے ہوش آدمیوں کو اٹھایا کرتا تھا۔
لیکن یہاں ایک بیہوش عورت کو دیکھ کر ساری بے حسی رخصت ہو گئی۔

''میں نہیں اٹھاؤں غا۔'' دفعتاً وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''قیوں......؟'' ان دونوں نے بیک وقت اسی کے لہجے کی نقل اُتاری۔

''یہ آدمی نہیں......عورت ہے۔''

''تو پھر......؟''

''میں کسی عورت کو اپنی پیٹھ پر نہیں لاد سکتا۔''

''چلاؤں گولی۔''

''اے اللہ تو دیخ رہا ہے۔'' قاسم نے چھت کی طرف دیکھ کر کہا۔

پھر عورت کو اٹھانے کے لئے جھکا اور جھکا ہی رہ گیا۔

چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگا تھا۔

دفعتاً اُسے یاد آ گیا کہ اس نے اسے کہاں دیکھا تھا۔ یہ لڑکی حمید کے ساتھ تھی۔

''کیا کرنے لگے؟'' نگران غرایا۔

''قق...... کچھ نہیں......!''

قاسم نے اُسے ہاتھوں پر اٹھالیا۔

''یہ کیسے اٹھایا ہے...... پیٹھ پر لاد دو۔''

''دیکھو...... مجھے پریشان نہ کرو...... میں ایسے بھی لے جا سکتا ہوں۔''

''اوروں کو بھی اس طرح کیوں نہیں لے گئے تھے۔''

''میری مرضی۔''

وہ اسے اسی طرح اٹھائے ہوئے چلتا رہا اور اس کمرے میں پہنچا دیا جہاں دوسروں
پہنچاتا رہا تھا۔

اس کے بعد راہداری میں واپس آیا ہی تھا کہ پھر گھنٹی بجی۔ لیکن اس بار وہ خود ہی
سمت چل پڑا تھا۔ نگرانوں کو کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔

اس بار ایک اجنبی اس کی پشت کی زینت بنا اور قاسم بے حد مضمحل نظر آنے لگا۔

اس نے سوچا تھا کہ شائد حمید وغیرہ بھی پکڑ لئے گئے ہیں اور یہاں لائے جا رہے ہیں!

اس نے اُسے بھی اٹھا کر اُسی کمرے میں پہنچا دیا۔ لیکن اب وہ لڑکی وہاں نہیں تھی۔

راہداری میں واپس آتے ہی پھر گھنٹی بجی اور قاسم خود بخود نظروں سے ان دونوں
طرف دیکھنے لگا۔ لیکن جیسے ہی ریوالور والے کا ہاتھ داہنی سمت اٹھا وہ بھی اسی طرف مڑ گیا۔

چلتا رہا...... اور وہاں پھر ایک آدمی کو اوندھا پڑا دیکھا۔

''چلو سالے تم بھی چلو...... آج رات بھر ڈھونے پڑیں گے۔'' قاسم اُسے سیدھا کر

بڑبڑایا۔

لیکن پھر یکا یک اس کی باچھیں کھل گئیں۔ بڑے ضبط سے اُس نے خود کو کچھ کہنے سے روکا تھا۔ ویسے دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔

''ہائے! پیارے حمید بھائی۔ تم بھی آ گئے۔ اب مجا آئے گا۔''

ہلتی چٹانیں

فریدی دہانے تک پہنچ گیا اور ایسی تدابیر اختیار کیں جن سے چھپے ہوئے لوگ بہ آسانی ظاہر ہو سکتے لیکن ایسی کوئی بات نہ ہوئی۔ وہاں بدستور سناٹا چھایا رہا۔

کچھ دیر اور انتظار کر کے وہ ان چٹانوں کی طرف واپس ہوا جہاں اپنے ساتھیوں کو چھوڑا تھا۔

اونچے نیچے پتھروں کی اوٹ لیتا ہوا تیزی سے اس طرف بڑھتا رہا اور جب اُن چٹانوں میں پہنچا تو وہاں عجیب سی بو محسوس ہوئی اور اُن لوگوں کا کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ انہیں آوازیں دیتا ہوا پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ عجیب قسم کی بو اس کے لئے پریشان کن تھی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اگر تیزی سے پیچھے نہ ہٹ آیا تو یہ بو یقینی طور پر اُسے بے دست و پا کر دے گی۔ اپنے پورے جسم میں کچھ اس قسم کی سنسناہٹ محسوس کر رہا تھا کہ ایک جگہ اُسے بیٹھ ہی جانا پڑا۔

وہ بو کی زد سے نکل آیا تھا لیکن ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے اس کے ذہن پر نیند کا غلبہ ہو رہا ہو۔ آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ ایک پتھر سے ٹک گیا اور گہری گہری سانس لینے لگا۔ نیند ہلکی سی غنودگی سے آگے نہ بڑھ سکی اور وہ کچھ دیر بعد پھر معمول پر آ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کیا وہ لوگ اُن کے ہاتھ لگ گئے۔ اس نے اپنے ریوالور کے چیمبر چیک کئے اور سینے کے بل خیموں کی طرف رینگنے لگا۔ زمین ناہموار تھی اور کہیں کہیں پر دیکھ لئے جانے

کا خدشہ بھی پیدا ہوتا تھا۔ وہ اسی طرح رینگتا ہوا خیموں کے قریب جا پہنچا۔ وہ سب غالباً ای
ہی خیمے میں اکٹھا تھے اور کسی کے کراہنے کی آواز آ رہی تھی۔

اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد کہ اسکا کوئی آدمی خیموں کے باہر تو موجود نہیں ہے
بہ آہستگی اس خیمے میں داخل ہوگیا۔ ایک آدمی فرش پر پڑا تھا اور بارہ آدمی اُسے گھیرے بیٹھے تھے

"تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ" وہ فریدی کی آواز پر چونک پڑے۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ...... میں نے کہا ہے۔" فریدی پھر غرایا۔

انہوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور ایک بولا۔ "احسان کا یہی بدلہ ہے؟"

"ہاں...... احسان کے بدلے میں ہم کوئی بڑا نقصان اٹھاتے...... کیوں!" فریدی اُ
گھورتا ہوا بولا۔ "میرے ساتھی کہاں ہیں؟"

"ہم سے پوچھ رہے ہو؟"

"صرف ایک منٹ دیتا ہوں۔ اگر ان کا پتہ معلوم نہ ہوا تو تم میں سے ایک کو بھی زندہ
چھوڑوں گا۔"

"ہم کچھ نہیں جانتے۔"

"ایک منٹ۔"

"ہم نہیں جانتے...... یقین کرو۔" وہ شکاری بولا جسے نفسیات میں دخل تھا۔ وہ کہتا ر
"یہ سب کچھ چند ایسے لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے جو شراب پی کر ہوش کھو بیٹھے تھے۔ ہم
ندامت ہے اس حرکت پر۔"

"میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔"

"ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ تمہیں یقین دلا سکیں۔ ہمیں تمہارے ساتھیو
تلاش تھی لیکن وہ ہمیں نہیں ملے۔"

فریدی پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اسی قسم کی بو پھر اُسے محسوس ہوئی۔ اس نے بوکھلا کر
سے باہر نکلنا چاہا۔ لیکن اُسے انہیں لوگوں پر دھکیل دیا گیا۔

اس نے اُن پر گرتے ہوئے دیکھا کہ خیمے کے سراپردہ کے قریب جو دو آدمی گیس ماسک
پہنے کھڑے ہیں ایک کے ہاتھ میں ٹامی گن تھی اور دوسرے کے ہاتھ میں ایک ایسی مشین جس
سے گیس فضا میں منتشر کی جاتی ہے۔ گیس سلنڈر اس کے شانے پر لٹکا ہوا تھا۔ گیس کی خاصی
مقدار اس کے پھیپھڑوں میں بھر گئی اور ذہن ماؤف ہوتا جا رہا تھا۔

صرف اس کا نہیں۔ سبھوں کی یہی کیفیت نظر آتی تھی۔ جو جہاں بیٹھا تھا بیٹھا ہی رہ گیا۔

آہستہ آہستہ فریدی کا ذہن تاریکی کی دلدل میں پھنستا چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد اُسے نہ
اپنی خبر رہی اور نہ گرد و پیش کی۔

دوبارہ آنکھ کھلنے پر اس نے خود کو ایک چھوٹے سے کمرے میں پایا تھا۔ کمرہ کیا قبر ہی کہنا
چاہئے۔ نہ کوئی کھڑکی تھی اور نہ کوئی دروازہ۔ لیکن گھٹن کا احساس نہیں تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک بے
حس و حرکت پڑا رہا پھر اٹھ بیٹھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے پوری نیند لینے کے بعد ترو تازہ اٹھا ہو۔

اُسے اپنے ساتھیوں کی فکر تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ چٹانوں میں بھی اسی قسم کی بو پھیلی ہوئی
تھی جیسی خیمے میں پھیلائی گئی تھی اور وہ سب بے حس و حرکت ہو گئے تھے۔ تو کیا وہ اسی انڈر
گراؤنڈ تعمیرات میں آ پہنچا ہے جن کا تذکرہ ریٹا اور حمید نے کیا تھا۔

وہ مسہری سے اٹھ کر اس قبر نما کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ دفعتاً کمرے میں ایک آواز گونجی۔

"خوش آمدید کرنل فریدی۔ اگر تم مجھ سے گفتگو کرنا پسند کرو تو تمہاری آواز مجھ تک پہنچ
سکے گی۔"

"بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر۔" فریدی بولا۔

"تم بڑے مشہور آدمی ہو۔ عرصہ سے سوچ رہا تھا کہ تمہیں شرف باریابی بخشوں...... لہٰذا
یہ طریقہ اختیار کیا۔ تمہارے محکمے کے ڈی آئی جی کا جسم ایک دوسرے آدمی کے جسم سے بدل
دیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ سیدھا تمہارے پاس ہی جائے گا۔"

"یہ جان کر خوشی ہوئی۔"

"کرنل فریدی! تم کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہونا۔"

"میں نہیں سمجھا......تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہاں سے نکل جانا ناممکن ہوگا......اگر تم مجھے شکست دینے کی سوچ رہے ہو تو ا
وقعت دیوانے کے خواب سے زیادہ نہ ہوگی۔"

"میں فی الحال صرف اتنا سوچ رہا ہوں کہ میرے ساتھی کہاں ہیں۔"

"وہ بھی تمہاری ہی طرح آرام سے ہیں۔"

"یعنی یہیں ہیں۔"

"ہاں......وہ تم سے پہلے پہنچ گئے تھے۔"

"یہ کمرہ مجھے پسند نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اتنا تو ہو جس میں ایک مسہری کے
دو تین کرسیاں اور ایک میز رکھی جاسکے۔"

"واقعی دلیر ہو......اچھی بات ہے۔ تمہاری یہ خواہش پوری کی جائے گی۔ خود کوئی ک
دیکھ کر پسند کرلو۔ جس مسہری پر بیٹھے ہو اس کے سرہانے کے بائیں جانب والے پا
گھماؤ......باہر نکلنے کا راستہ مل جائے گا۔"

"شکریہ۔" فریدی نے کہا اور مسہری کے اُسی پائے پر نظر جمادی جس کے بارے م
گیا تھا۔ چند لمحے خاموش بیٹھا رہا پھر اٹھ گیا۔ اس کے بعد پھر وہ آواز نہیں آئی۔

بتائی ہوئی تدبیر کے مطابق اس نے باہر نکلنے کے لئے راستہ بنایا۔ بائیں جانب کم
کی پوری چوڑائی خلاء میں تبدیل ہوگئی۔ پھر جیسے ہی وہ اس خلاء سے گزر کر باہر آیا دیوار
برابر ہوگئی۔ اب وہ ایک طویل راہداری میں کھڑا تھا۔

یہاں بھی کوئی کھڑکی یا دروازہ نہ دکھائی دیا لیکن گھٹن کا احساس یہاں بھی نہیں تھا۔
اتنی لمبی راہ داری میں جس کی آخری حدیں نگاہوں سے اوجھل تھیں صرف ایک آ
دکھائی دیا وہ بھی فرش پر چت پڑا ہوا تھا۔

"قاسم......!" وہ اس کے قریب پہنچ کر بڑبڑایا۔

قاسم بے خبر سو رہا تھا۔ فریدی نے جھک کر اُسے جھنجھوڑا......جھنجھوڑتا رہا لیکن قاسم کی

ٹوں میں ہی نہ آتی تھی۔

"غاؤں......غاؤں......!" کر کے کروٹ بدلتا اور پھر خراٹے لینے لگتا۔ آخر فریدی نے
اس کے نتھنے دبائے اور جب دم گھٹنے لگا تو وہ گردن جھٹک کر اٹھ بیٹھا۔

"سالو چین نہیں لینے دو گے۔" وہ حلق کے بل دہاڑا۔

"ہوش میں ہو یا نہیں۔"

قاسم چونک کر اپنی آنکھیں ملنے لگا اور پھر اُسے اس طرح گھورا جیسے آنکھوں پر یقین نہ
آ رہا ہو۔

"آپ......آپ......یعنی......نقل پڑے آپ......؟" وہ ہکلایا۔

"کیا بک رہے ہو۔"

"آپ یہاں......کیسے آگئے۔ میں نے جس جس کو پہنچایا ہے پھر اس کی صورت نہیں
دکھائی دی۔"

"سمجھ میں نہیں آیا کہ تم کیا کہہ رہے ہو......؟"

"اچھا تو کیا میں آپ کو ڈپٹی کمشنر معلوم ہوتا ہوں۔"

"کیا تم ذہنی فتور میں مبتلا ہو گئے ہو۔"

"نہیں......ان سالوں نے مجھے ڈپٹی کمشنر بنا دیا ہے اور گدھوں کی طرح مردے ڈھویا
کرتا ہوں۔"

"مجھے پوری بات بتاؤ۔"

قاسم کچھ دیر خاموش رہ کر منہ چلاتا رہا پھر شروع سے اپنی کہانی دہرانے لگا۔ فریدی کے
چہرے پر نہ تو حیرت کے آثار تھے اور نہ ہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ کہانی اس کے لئے دلچسپ ثابت
ہوئی ہے۔ قاسم کے خاموش ہو جانے پر وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "تو تم مجھے بھی
کس جگہ سے اٹھا کر لے گئے تھے؟"

"جی ہاں......اور پھر تو لائن لگ گئی تھی۔"

"کیا مطلب......؟"

"اس کیمپ میں آپ سمیت چودہ آدمی تھے اور ایک آدمی کے کھون بھی بہہ رہا تھا۔"

"اُن لوگوں کے لباس کیسے تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"خاکی......خاکی قمیض اور خاکی پتلونیں......!"

فریدی اس کے علاوہ اور کیا سوچتا کہ وہ شکاری ہی ہوں گے۔ اُن کی تعداد تیرہ تھی۔ اُن میں ایک زخمی بھی تھا۔

"اُس سے پہلے......!" قاسم مسکرا کر بولا۔ "غمید بھائی کی یلایلی...... اررر......مطلب...... یہ کہ وہ جو لڑکی حمید بھائی کے ساتھ تھی...... وہ آئی تھی۔ پھر ایک آدمی اور......!"

"وہ آدمی کیسا تھا...... حلیہ بتاؤ۔"

قاسم نے ڈی آئی جی ہی کا حلیہ بتاتے ہوئے کہا۔ "اور پھر اس کے بعد حمید بھائی لیقن آپ نقل قیسے آئے۔ کیا ان سالوں کا کباڑا قردیا۔"

"ابھی تو نہیں۔"

"مجھے ڈپٹی قمشنر بنا دیا ہے...... اور تو اور...... چپراسی سالے اسٹولوں پر بیٹھیں اور میں زمین پر بیٹھوں...... وہ دیکھئے...... وہ آرہے ہیں۔"

فریدی بائیں جانب مڑا۔ دو آدمی اُسی طرف چلے آرہے تھے۔ انہوں نے فریدی کی طرف توجہ نہ دی اور قاسم کو بڑے ادب سے سلام کر کے سامنے والے اسٹولوں پر بیٹھ گئے۔

"اب دیکھئے...... دیکھا آپ نے۔" قاسم جل کر بولا۔ "یہ سالے چپراسی ہیں اور میں کمشنر...... یہ سالے کہاں ہیں اور میں کہاں ہوں۔ الا کی کدرت۔"

"آپ خواہ مخواہ خفا ہو رہے ہیں جناب...... ڈپٹی کمشنر عوام کا خادم ہوتا ہے یہ نہ بھولئے۔"

"اور آپ جناب۔" قاسم نے نسوانی انداز میں چمک کر کہا۔

"ہم ملازم نہیں رکھے جاتے بلکہ ہمارا الیکشن ہوتا ہے۔" دونوں میں سے ایک بولا۔

"لو اور سنو...... لیڈر ہیں سالے۔"

"اور آپ جناب عالی...... ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر مقرر کیے گئے ہیں۔" اُسی آدمی نے فریدی سے کہا۔

"بن جائیے...... بن جائیے۔" قاسم فریدی کو آنکھ مارنے کی کوشش کرتا ہوا مسکرایا۔

وہ دونوں خاموش بیٹھے انہیں حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

فریدی بے تعلقانہ انداز میں کھڑا ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

اتنے میں گھنٹی بجی اور قاسم بڑی گندی گندی گالیاں بکتا ہوا فرش سے اٹھ گیا۔

"یہ کیا بکواس شروع کر دی تم نے......!" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"ایڈیشنل کو بھی ڈھونے پڑیں گے...... بہت کھش نہ ہوئیے۔"

"کیا مطلب......؟"

"جب ڈپٹی کمشنر مردے ڈھوتا ہے تو ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر قیسے نہ ڈھوئے غا۔"

"یہ کیا کہہ رہا ہے؟" فریدی نے اُن دونوں سے پوچھا۔

"صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں...... آپ بھی چلئے۔"

"چلو کہاں چلنا ہے۔"

قاسم کا منہ حیرت سے کھل گیا اور اس نے بالآخر کہا۔ "ارے آپ! یعنی کہ آپ بھی پس ہو گئے۔"

"چلو...... بکواس نہ کرو۔" فریدی نے اُسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

"جب آپ ہی......!"

"میں کہتا ہوں چپ چاپ چلو۔" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

اب اُن میں سے ایک فریدی کے ساتھ چلنے لگا اور دوسرا قاسم کے ساتھ۔ اُس نے قاسم سے کہا۔ "یہ بُری بات ہے کہ ایک ایڈیشنل...... ڈپٹی سے ایسے لہجے میں بات کرے۔"

"میرا مغز نہ کھاؤ......!" قاسم جھلا کر بولا۔

"مجھے کیا...... آپ کا ماتحت ہے...... آپ جانیں۔"

"بیٹا...... ایک دن آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی...... دھری رہ جائے گی ساری
واتحتی...... مرغی کی بولی بولو گے...... سالو سب کے سب۔"

وہ چلتے رہے...... ایک جگہ فرش پر ایک آدمی دکھائی دیا۔

"آپ اٹھا کر لے چلیں گے یا بڑے صاحب۔" فریدی کے ساتھ والے آدمی نے
سے پوچھا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اس کے قریب پہنچ گئے تھے۔

"اوہ......!" اس کے قریب پہنچ کر فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

یہ وہی شخص تھا جس نے چور دروازے سے اس کی کوٹھی میں داخل ہو کر اُسے باور کرا
کی کوشش کی تھی کہ وہ اس کا ڈی آئی جی ہے اور وہ شہر سے چلتے وقت اُسے اپنے محکمے
حوالات میں دے آیا تھا۔ پھر وہ اس حال میں یہاں کیونکر پہنچا۔

"کرنل فریدی۔" اچانک وہی آواز راہداری میں گونجی۔ جسے وہ کچھ دیر پہلے اپنے قی
کمرے میں سن چکا تھا۔

فریدی سیدھا کھڑا ہو گیا۔ آواز پھر آئی۔

"تمہیں اس پر حیرت ہو گی...... اس آدمی کو تم اپنے محکمے کی تحویل میں دے آ
تھے...... کرنل فریدی میں چاہتا تو تمہیں بھی اسی طرح اٹھوا منگواتا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

آواز پھر نہ آئی۔ نگران نے فریدی سے کہا۔ "اٹھائیے صاحب۔"

"میرے سامنے تو یہ ناممکن ہے۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "میں اٹھاؤں گا۔"

"تم رہنے دو۔" فریدی نے کہا۔

"معاف کیجئے گا...... میں آپ کا یہ کہنا نہیں مانوں گا......!" قاسم نے کہا اور جھک
بے ہوش آدمی کو اٹھا لیا۔

ایسی سچویشن سے دو چار ہونے کا پہلا موقعہ تھا۔



وادی سرخاب کی شہری آبادی اس وباء سے بے حد خائف تھی۔ لوگ ایک دوسرے کے
گریبان پکڑ لیتے اور پاگلوں کی طرح چیختے کہ ایک نے دوسرے کا جسم چھین لیا ہے۔

پولیس ابھی تک ہوٹل فیضان والے دھماکے کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں کر سکی تھی۔

ایس پی کرائمز جس کے اعلان کے مطابق ہوٹل کے مسافر عمارت چھوڑ کر بھاگے تھے
اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتا سکا تھا کہ اس نے وہ ہنگامی اعلان مرکزی محکمہ سراغ رسانی کے
نبر کرنل فریدی کے کہنے پر کرایا تھا۔

اخبارات چیخ رہے تھے۔ "کرنل فریدی کہاں ہے؟"

ہوٹل فیضان کی عمارت کی جگہ اب ملبے کے ڈھیروں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

ملبا ہٹایا جا رہا تھا۔ خیال تھا کہ کچھ لوگ یقیناً دب گئے ہوں گے۔

جہاں جہاں سے ملبہ اس حد تک ہٹا دیا گیا تھا کہ زمین کی سطح نظر آنے لگے کچھ عجیب
الات پائے گئے تھے۔ ماہرین کا خیال تھا کہ وہ کوئی غیر معمولی قدرتی صورت حال تھی جس کی
اپر دھماکہ ہوا تھا۔ ورنہ پتھروں کے پگھلنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ اس جگہ کی زمین ایسی
ل رہی تھی جیسے آتش فشاں کا لاوا ٹھنڈا ہو کر دوبارہ جم گیا ہو۔

سوال یہ ہے کہ آخر کرنل فریدی کو اس قسم کے کسی حادثے کا علم قبل از وقت کیسے ہو گیا
ا؟ پھر وہ خود کہاں غائب ہو گیا؟

ایس پی کرائمز نے پریس کو اپنا بیان دیتے وقت خیال ظاہر کیا تھا کہ کرنل فریدی شائد
سموں کے بدل جانے والی وباء کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنے یہاں آیا تھا۔ کیپٹن
ید سے اُسے صرف اسی قدر معلوم ہو سکا تھا کہ وہ یہاں اس لئے بھیجا گیا تھا کہ اپنے محکمے کے
ی آئی جی کی دیکھ بھال کر سکے۔

ایس پی کرائمز نے پریس رپورٹروں کو بتایا کہ مرکزی محکمہ سراغ رسانی کا ڈی آئی جی بھی

اسی تبدیلی جسم والی وباء کا شکار ہوگیا تھا اور کیپٹن حمید اُس کی نگرانی کررہا تھا۔

پگھلتے ہوئے دیو پیکروں کی کہانی بھی شہری آبادی میں گشت کررہی تھی۔ خصو
ہوٹل فیضان والا واقعہ کچھ اس طور پر بیان کیا جاتا۔ جیسے اُس دیو پیکر کے پگھلنے ہی
پوری عمارت دھماکوں کے ساتھ ڈھیر ہوگئی ہو۔

تبدیلی جسم کے متعدد واقعات پولیس کے علم میں آئے۔ پولیس متعلقہ لوگوں
کرتی رہی۔ پھر وہ اس طرح غائب ہوگئے کہ ان کے متعلقین بھی اُن کی نشاندہی نہ کر
پوری وادی عجیب ہیجان میں مبتلا تھی۔

تبدیلی جسم کا ایک واقعہ تو پولیس کے لئے دردسری بن کر رہ گیا تھا۔ شہر کے
سرمایہ دار جو ایک دوسرے کے جانی دشمن بھی تھے اس وباء کا شکار ہوگئے اور ان کا جھگڑا
تک بڑھا کہ صدر مملکت تک بات جا پہنچی۔

آہستہ آہستہ پورے ملک میں سنسنی پھیل گئی۔ اگر وہ کوئی وباء تھی تو پورے ملک
پھیل سکتی تھی۔

خصوصیت سے وادی میں ہنگامی حالات کا اعلان کرتے ہوئے حکومت نے مارشل
نفاذ کردیا۔ شہر کا نظم ونسق سنبھالنے والوں کی طرف سے منادی کرادی گئی کہ اس قسم کا کو
کیس کسی کی بھی نظر سے گزرے تو وہ اس کی اطلاع فوراً ملٹری حکام کو دے۔ خلاف
کرنے والے کے لئے بہت بڑی سزا مقرر کی گئی تھی۔

ملک بھر کے ذہنی امراض کے ماہر وادی میں اکٹھا ہوگئے تھے اور ہنگامی طور پر ایک
گاہ قائم کردی گئی تھی۔ اس وباء کے شکار وہاں لائے جاتے اور ماہرین ان کا معائنہ کر
لیکن ابھی تک کسی خاص نتیجے پر پہنچنا ممکن نہ ہوا تھا۔

اگر کوئی ایک شخص یہ دعویٰ کرتا کہ کسی نے اس کا جسم چھین لیا تو اُسے کسی قسم کا ذہنی
باور کرلیا جاتا۔ لیکن وہاں تو ایسے لوگوں کے جوڑے پہنچ رہے تھے جو ایک دوسرے پر حیرت

ڈاکہ زنی کا الزام رکھتے۔

پھر دفعتاً پورے ملک میں کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کی تلاش شروع ہوگئی۔ ڈی آئی جی کا
حلیہ بھی جاری کیا گیا۔ لیکن فریدی کے محکمے کے دوسرے حکام اپنے سر پیٹ رہے تھے کیونکہ اس
بار فریدی نے اپنے آئی جی کو اپنی مصروفیات سے لاعلم نہیں رکھا تھا۔ اس نے باقاعدہ طور پر اپنی
رپورٹ پیش کی تھی اور بتایا تھا کہ وہ وادی سرخاب کا سفر کیوں کررہا ہے اور اس آدمی کو باضابطہ
طور پر اپنے محکمے کی حوالات میں دیا تھا۔ جس کا دعویٰ تھا کہ وہ ڈی آئی جی ہے اور کسی دوسرے
شخص نے اس کا جسم چھین لیا ہے۔

لہٰذا جب وہ شخص حوالات سے پُراسرار طور پر غائب ہوگیا تو محکمے کے حکام کو سر پیٹنے ہی پڑے۔
فریدی اور حمید کہاں ہیں؟ ملک بھر کے اخبارات اسی ایک سوال پر زور دے رہے تھے۔
محکمہ صحت کو لتاڑا جارہا تھا کہ اُس نے اس وباء کی طرف دھیان کیوں نہیں دیا۔ مختلف انداز فکر
رکھنے والے طرح طرح کی باتیں کرتے۔

کچھ لوگ قرب قیامت کی بھی باتیں کررہے تھے۔ عجیب سے شب و روز گزر رہے تھے۔
وادی کا ہر شخص سہا ہوا تھا۔ پتہ نہیں کب اُسے بھی اس دیوانگی کا شکار ہونا پڑا۔



فریدی کی ریسٹ واچ کے مطابق یہ پانچواں دن تھا اور وہ قاسم کے ساتھ اسی راہداری
میں پڑا رہتا۔ بیہوش عورتوں اور مردوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا اُن دونوں کا کام تھا۔
اب وہ دونوں آدمی بھی نہ ہوتے جنہیں قاسم چپراسی کہتا تھا۔ جیسے ہی گھنٹی بجتی وہ دونوں
اس طرف روانہ ہوجاتے جہاں سے بے ہوش آدمیوں کو لانا ہوتا تھا۔ کھانے کے اوقات میں
اُسی راہداری میں دروازہ نمودار ہوتا اور وہ اُس سے گزر کر ایک کمرے میں داخل ہوتے جہاں

میز پر کھانا چنا ہوا ملتا۔ قاسم کی پوری پوری خوراک موجود ہوتی اور وہ شکم سیر ہو کر کھاتا۔ فریدی
اس کے برانڈ کے سگار بھی ملتے تھے۔

آج جب وہ اسی کمرے میں ناشتہ کر رہے تھے آواز آئی۔ ''کرنل فریدی تمہارا اسسٹنٹ
میرے لئے مسئلہ بن گیا ہے۔''

''میرے لئے ہمیشہ سے رہا ہے۔'' فریدی لاپروائی سے بولا۔

''وہ خواہ مخواہ عورتوں کے سے انداز میں گفتگو کر رہا ہے۔ حالانکہ اس پر وہ عمل نہیں ہوا
جس کی بناء پر جسم بدل جاتے ہیں۔''

''اس کا یہ مرض نفسیاتی بھی ہو سکتا ہے۔'' فریدی بولا۔ ''عورتوں کی تمنا اور اُن سے محرومی
اکثر مردوں کو عورت بنا دیتی ہے۔''

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسی کوئی بات ہو گی۔ جب کہ یہاں آنے سے قبل بھی ایک عورت
اس کے ساتھ تھی۔''

''اس نے خود ہی حرام کر رکھی ہیں اپنے اوپر۔''

''یہ کیا بات ہوئی؟''

''اُسے دراصل روح کائنات سے پیار ہے۔ اگر وہ کبھی عورت کے روپ میں ڈھل سکے
تو میرے اسسٹنٹ کی پیاس بھی بجھ جائے گی۔''

''میرا خیال ہے کہ موجودہ صدمے نے تم دونوں ہی کے ذہنوں پر بُرا اثر ڈالا ہے۔''

فریدی کچھ کہنے کی بجائے سگار سلگانے لگا۔

''کیا تم اس سے ملنا چاہتے ہو......!'' کچھ دیر بعد آواز آئی۔

''یقیناً...... میں اُس کے لئے فکر مند ہوں۔''

''تمہارے تینوں ساتھی کچھ دیر بعد تم تک پہنچ جائیں گے۔''

''شکریہ۔''

قاسم حیرت سے منہ پھاڑے یہ ساری گفتگو سن رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ بولا۔

''آپ مجھے تو کچھ بتاتے ہی نہیں۔''

''تمہیں کیا بتاؤں؟''

''یہی کہ حمید بھائی عورتوں کی طرح کیوں باتیں کرنے لگے ہیں۔''

''تمہارا بھی یہی حشر ہونے والا ہے۔''

''میرا قیوں......؟''

''بس دیکھ لینا......!''

قاسم کچھ کہنے ہی والا تھا کہ حمید بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ وہ دونوں کرسیوں سے
اٹھ گئے۔ فریدی اور حمید خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے اور قاسم اس طرح کا منہ
بنائے ہوئے تھا جیسے جلد ہی پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دے گا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

اس میز کے گرد کئی کرسیاں تھیں۔ حمید خاموشی سے بیٹھ گیا۔

''کوئی نئی کہانی۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

حمید نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تم کچھ بولتے کیوں نہیں؟''

''بہت سی لونڈیاں دیکھ لی ہوں گی۔'' قاسم بول پڑا اور پھر اسکے دانت بھی نکل پڑے۔

حمید نے اُسے گھور کر دیکھا۔

''سنو......!'' فریدی نے اُسے مخاطب کر کے سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے دھمکی ملی ہے کہ اگر
تمہارے اسسٹنٹ نے نسوانی طرز گفتگو نہ چھوڑا تو اُسے سچ مچ عورت بنا دیا جائے گا۔''

''اب میں خدا کے فضل سے بالکل ٹھیک ہوں۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

دفعتاً ڈی آئی جی اور سعیدہ بھی کمرے میں داخل ہوئے۔

''فریدی......!'' ڈی آئی جی اس کی طرف جھپٹا اور دونوں بغل گیر ہو گئے۔

''میرے بیٹے۔'' ڈی آئی جی نے گلوگیر آواز میں کہہ رہا تھا۔

"بالآخر تمہاری کوششوں سے مجھے میرا جسم واپس مل گیا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس سے علیحدہ ہو کر اُسے بغور دیکھنے لگا۔ ڈی آئی جی کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

سعیدہ کے چہرے پر پھر پہلی ہی سی کرختگی طاری ہو گئی تھی۔

تباہ کن منصوبہ

وہ سب خاموش بیٹھے تھے۔ کچھ دیر بعد ڈی آئی جی بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا یہ سب کیا ہے؟"

اس نے جملہ فریدی ہی کو مخاطب کر کے ادا کیا تھا۔ لیکن فریدی کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "کیا آپ کو یاد ہے کہ آپ محکمے کی حوالات سے کس طرح یہاں پہنچے تھے۔"

"قطعی کچھ نہیں معلوم کہ یہ کیونکر ہوا۔ ایک رات سویا تھا۔ جب آنکھ کھلی تو خود کو یہیں پایا اور میرا جسم مجھے واپس مل چکا تھا۔"

"اچھا آپ لوگ بیٹھئے۔ میں جا رہا ہوں۔" قاسم اٹھتا ہوا بولا۔ "کہیں گھنٹی نہ بج جائے۔ بڑی مشکل سے ان حرامزادوں سے پیچھا چھوٹا ہے۔"

ڈی آئی جی نے قاسم کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

فریدی نے سر کو جنبش دی۔ قاسم کے باہر نکلتے ہی حمید بھی اٹھ گیا اور راہداری میں دونوں کی یادگار ملاقات ہوئی۔

"ابے یہ منہ کیوں پھولا ہوا ہے؟" حمید نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"تمہاری محبت میں مردے...... ڈھو رہا ہوں۔"

"کیا بات ہوئی۔"

قاسم تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر اُبل پڑا۔ شروع سے آخر تک کی بپتا دہرا دی۔

حمید کبھی ہنستا اور کبھی سنجیدہ نظر آنے لگتا۔ اُس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔

"تو وہ جین اور جیکٹ والی کہاں گئی؟"

"پتہ نہیں...... اس کے بعد سے سالی نظر ہی نہیں آئی۔"

"اور وہ وحشی عورت......؟"

"ارے باپ رے۔ مت یاد دلاؤ حمید بھائی۔ قلیجہ منہ کو آتا ہے۔"

"ابے تو تم ڈر گئے تھے اُس سے۔"

"ڈر نہ جاتا تو کیا نچوا کھسوا ڈالتا اپنے کو۔"

"اور وہ ایم اے ان اردو والی بات۔"

"یکین نہیں آتا۔" قاسم کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "پروفیسروں اور طالب علموں کو بھنبھوڑ کر رکھ دی ہوگی۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ راہداری میں ایک قہقہہ گونجا پھر آواز آئی۔

"تم غلط سمجھے ہو...... آج سے پانچ سال پہلے وہ ایک چھوٹی سی دبلی پتلی لڑکی تھی۔"

"جھوٹ...... بالکل جھوٹ۔" قاسم دونوں ہاتھ اٹھا کر شور مچانے لگا۔

"یہ میرا کمال ہے کہ اب وہ ایک وحشت زدہ دیوانی معلوم ہوتی ہے۔"

آواز سن کر فریدی ڈی آئی جی اور سعیدہ بھی راہداری میں نکل آئے تھے۔

"اب وہ ایک وحشت زدہ دیوانی ہے۔ اپنے جوڑے کی تلاش میں۔"

"جوڑے کی تلاش......!" قاسم نے بوکھلا کر دہرایا۔ ایک پل کے لئے چہرے پر فکرمندی کے آثار نظر آئے اور پھر "ارے باپ رے۔" کہہ کر دونوں ہاتھوں سے منہ پیٹنے لگا۔

"لیکن تمہارے دیو پیکروں میں ایک بڑی خامی رہ گئی ہے۔" فریدی نے اونچی آواز میں کہا۔

"وہ کیا کرنل فریدی؟"

"جنسی جذبے کو نہیں سہار پاتا۔"

"تم کیا جانو......؟"

"مختلف شہادتوں کی بناء پر میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔ وہ قاسم جیسے لوگوں سے [کام لیتے]
ہیں لیکن وہ اسی وقت تک کارآمد ہیں جب تک کسی عورت پر اُن کی نظر نہ پڑے۔"

کچھ دیر سناٹا رہا پھر کھکھارنے کی آواز کے ساتھ کہا گیا۔ "تم واقعی بہت ذہین ہو۔ ٹھیک نتیجے پر پہنچے......اچھی بات ہے کرنل فریدی۔ میں تمہیں اپنے عجائبات ضرور دکھاؤں گا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ قاسم احمقانہ انداز میں منہ چلا رہا تھا۔ اس کے بعد پھر کچھ نہ کہا گیا۔ فریدی وغیرہ پھر اسی کمرے میں چلے گئے۔

"اب بتاؤ بیٹا۔ اگر جوڑا لگا دیا اس نے تو کیا ہوگا۔" حمید نے قاسم سے کہا۔

"اے بس......ایسی خرافات مت نکالو زبان سے۔ کبھی کبھی کا کہا ہوا ہو بھی جاتا ہے۔"

"تم تو مر رہے تھے اس آرزو میں۔"

"توبہ قرو......توبہ......تم نے دیکھا کہاں ہے اُسے۔ چوکڑی بھول جاتے......وہ عورت نہیں بلکہ......بلکہ غورت ہے۔"

"غورت......کیا بات ہوئی؟"

"غین بڑی ہوتی ہے عین سے......ڈبل ایک دم ڈبل۔ ارے باپ رے۔"

"تم بہت خائف ہو اس سے۔"

"اب قیا بتاؤں تم سے۔"

"بتاؤ......بتاؤ......کوئی حرج نہیں۔"

اتنے میں گھنٹی بجی اور قاسم بوکھلا کر دوسری طرف دوڑ پڑا۔ حمید اُس کے پیچھے تھا۔ دونوں اُس جگہ پہنچے جہاں بیہوش آدمی ملا کرتے تھے۔

لیکن اس وقت یہاں کوئی بھی نہیں تھا البتہ دیوار میں ایک جگہ دروازہ نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں دروازے کے سامنے رک گئے۔ دفعتاً قاسم کی باچھیں کھل گئیں۔ کمرے میں ایک لحیم شحیم عورت دکھائی دی۔ وہ جیکٹ اور جین میں ملبوس تھی۔

"یہی ہے۔" قاسم نے آہستہ سے کہا۔

"کون......وہ وحشی عورت۔"

"اے نہیں......وہی جین اور جیکٹ والی جس نے کھانا کھلایا تھا۔"

"اسی لئے یاد بھی رہ گئی کہ کھانا کھلایا تھا۔"

"قیا مطلب......؟" قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

"جھگڑا نہیں پیارے بھائی۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "وہ تمہیں دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔"

اتنے میں عورت دروازے کے قریب آ کر بولی۔ "تشریف لائیے۔"

"دونوں......؟" قاسم نے بوکھلا کر پوچھا۔

"ضرور......ضرور......!"

"جرور ورور کی قوئی بات نہیں......سب چلتا ہے۔ یعنی کہ اگر ان کو نہ بلانا چاہو تو کوئی بات نہیں۔"

"نہیں صاحب......آپ دونوں آئیے۔"

"چلو سالے۔" قاسم حمید کو گھورتا ہوا غصیلے لہجے میں بولا۔ حمید نے اس کا یہ جملہ کچھ ایسے ہی انداز میں سنا جیسے خود اس نے بھی اس سے "تشریف" لے چلنے کی استدعا کی ہو۔

دونوں کمرے میں داخل ہوئے اور دیوار خود بخود برابر ہوگئی۔

حمید نے پلٹ کر دیکھا اور پھر عورت کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ کیا پئیں گے؟" عورت نے خوش اخلاقی سے پوچھا۔

"ابھی تو چائے پی چکے ہیں۔" قاسم مسکرا کر بولا۔ "تکلف نہ قیجئے۔"

حمید خاموش ہی رہنا چاہتا تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ پرسکون رہے۔ قطعی نہیں چاہتا تھا کہ قاسم کی بات پر بے لگام ہو جائے۔

"در......دردا جا......پھر بند۔" قاسم بڑبڑایا۔ "اس کھل بند سے تو میں تنگ آ غیا ہوں۔"

"کوئی پریشانی کی بات نہیں۔" عورت مسکرائی۔ "تم جب چاہو گے پھر کھل جائے گا۔ کیا

تم نے مجھے اپنے لئے مانگا تھا؟"

"وہ......وہ...... بب...... بات یہ ہے کہ......!" قاسم کی سانس پھولنے لگی۔ اور عورت ہنس کر بولی۔ "لہٰذا مجھے تمہاری خدمت پر مامور کیا گیا ہے۔"

"اب دیخو......!" قاسم حمید سے بولا۔ "ہم تو مردے ڈھوتے ڈھوتے مارے جارہے ہیں اور یہ بیچاری ہماری کھدمت قریں غی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

"آپ نہیں سمجھ سکتے۔" عورت کچھ دیر بعد بولی۔ "یہ انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہے۔"

"مردے ڈھونا۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

"میں بھی سمجھنا چاہتا ہوں۔ اس انسانیت کو۔" حمید بولا۔

"تمہیں کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں۔" قاسم جھنجھلا گیا۔

"کیوں نہیں...... سب کو سمجھنا چاہئے۔" عورت نے کہا۔

"ارے واہ...... سب کو کیسے سمجھنا چاہئے...... میں نے مانگا تھا تمہیں بادشاہ سلامت سے...... اور پھر میں تو ڈپٹی کمشنر ہوں...... اور یہ سالا" قاسم جملہ پورا کرنے سے پہلے ہی خاموش ہوگیا۔ کیونکہ حمید کی زبان سے اُسے بوکھلا دینے والا کوڈ ورڈ "گلہری" نکل گیا تھا۔

دفعتاً عورت کو مخاطب کرکے پرشور انداز میں بولا۔ "یہ میرا بہت پیارا دوست ہے۔ سمجھاؤ...... اسے بھی سمجھاؤ...... اور قیا۔"

"آپ دونوں میرے ساتھ آیئے۔" وہ ایک جانب بڑھتی ہوئی بولی۔

حمید نے سامنے کی دیوار میں خلاء پیدا ہوتے دیکھا لیکن یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ اس عورت کے کسی فعل کا نتیجہ تھا یا خود بخود ایسا ہوا تھا۔ وہ خود آگے چل رہی تھی اس کے پیچھے قاسم تھا اور پھر حمید۔ جیسے ہی حمید دوسرے کمرے میں داخل ہوا اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔ ایک دیو پیکر آدمی سامنے ہی فرش پر چت پڑا سو رہا تھا۔

"اب اور دیخو......!" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

حمید اس دیو پیکر کو دیکھنے میں محو تھا۔ اُسے احساس ہی نہ ہوسکا کہ عورت کب وہاں سے کھسک گئی۔ قاسم تو تھا ہی غائب غلا قسم کا آدمی اُسے کیسے پتہ چلتا۔ کچھ دیر بعد حمید عورت سے کچھ پوچھنے کے لئے مڑا اور پھر اچھل پڑا۔ نہ صرف یہ کہ عورت وہاں موجود نہیں تھی بلکہ دیوار کا خلاء بھی غائب ہوگیا تھا۔ قاسم کی عقل بھی ٹھکانے آگئی اور وہ خوفزدہ نظروں سے سوئے ہوئے دیو پیکر کو دیکھنے لگا۔ پھر تھوک نگل کر آہستہ سے بولا۔ "ارے باپ رے...... اب قیا ہوغا۔"

"اگر سالا جاگ پڑے تو...... وہ بھی چلی گئی ورنہ پگھلنے لگتا۔ قرنل صاحب نے یہی تو کہا کہ عورت کو دیکھ کر پگھل جاتا ہے۔"

"کیا تم ڈرتے ہو......؟"

"اللہ قسم ہاتھی ہے ہاتھی۔ بڑی مشکل ہو جاتی ہے۔ دم الٹنے لگتا ہے۔"

"بزدلی کی باتیں نہ کرو۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"دیخ لینا...... شائد اسی کے ہاتھوں میری موت لکھی ہے۔"

دفعتاً ایک بہت ہی کریہہ اور تیز قسم کی آواز اس قبر نما کمرے میں گونجی اور سونے والا لا کر اٹھ بیٹھا۔

"ہوشیار ہوجاؤ۔" قاسم حمید کا بازو پکڑ کر آہستہ سے بولا۔

دیو پیکر آدمی پہلے تو انہیں آنکھیں پھاڑے گھورتا رہا پھر غراتا ہوا اٹھا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی گوریلے کی نیند اچٹ گئی ہو اور وہ اس واقعے پر پیچ و تاب کھا کر خاک اڑانے رہا ہو۔

"قاسم ہمت نہ ہارنا۔" حمید نے اُس کے شانے پر تھپکی دی۔

"اللہ مالک ہے۔" قاسم نے کہا اور پھر آگے بڑھ کر بولا۔ "خبردار۔"

دیو پیکر اُس پر جھپٹ پڑا۔



فریدی اور ڈی آئی جی وغیرہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئے اُن کے عقب کا
بند ہو گیا اور سامنے کی دیوار میں آگے جانے کا راستہ بن گیا۔ فریدی بے دھڑک آگے بڑھ
گیا تھا اور اُن دونوں نے اُس کی تقلید کی تھی۔

دوسرا کمرہ بھی پہلے ہی جیسا تھا۔ اُس کمرے میں داخل ہوتے ہی بائیں جانب
دیوار میں دروازہ نمودار ہوا اور وہ اس سے بھی گزر کے چلے گئے۔ اسی طرح چار کمروں سے
گزر کر وہ ایک بہت بڑے ہال میں داخل ہوئے جو نصف دائرے کی شکل کا تھا۔ ایک غیر ملکی
نے آگے بڑھ کر اُن کا استقبال کیا۔ وہاں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ ہال کی بناوٹ
آڈیٹوریم قسم کی تھی۔ دفعتاً اس دیوار میں ایک اسٹیج نمودار ہوا جو نصف دائرے کے ایک گوشے
سے دوسرے گوشے تک خط مستقیم بناتی تھی اور اس اسٹیج پر تین آدمی نظر آئے۔ جن میں سے
حمید اور قاسم تھے اور تیسرا ایک دیو پیکر آدمی تھا۔ حمید ایک گوشے میں دیوار سے لگا کھڑا تھا
دونوں آپس میں زور کر رہے تھے۔ دیو پیکر کے چہرے پر بلا کی درندگی ظاہر ہو رہی تھی اور
ہر چند کہ اُسکے خلاف اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا لیکن اسکے چہرے پر سراسیمگی کے آثار

''کیا یہ کوئی اچھی بات ہے۔'' فریدی نے غیر ملکی کو مخاطب کر کے انگریزی میں کہا
اس کا لہجہ بے حد ناخوشگوار تھا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں جناب۔'' غیر ملکی نے اردو میں جواب دیا۔ ''
آپ کی مرضی کے مطابق ہی ہو گا۔''

فریدی پھر اسٹیج کی طرف ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں گہری تشویش کے آثار تھے۔

دفعتاً غیر ملکی نے سعیدہ سے کہا۔ ''محترمہ آپ اُس طرف چلی جائیے۔ میرا خیال ہے
یہ تماشا آپ کو پسند نہیں آ رہا۔''

اجنبی نے بائیں جانب والے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

سعیدہ نے فریدی کی طرف دیکھا اور فریدی نے سر کی جنبش سے اس مشورے پر عمل
کرنے کا اشارہ کیا۔ سعیدہ وہاں سے چلی گئی۔ اب وہ ایسی جگہ تھی جہاں سے کم از کم اسٹیج
والوں کو تو نہ نظر آ سکتی۔ دیو پیکر کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا
تھا جیسے وہ قاسم کو پیس کر رکھ دے گا۔

قاسم نے ایک گھٹنا فرش پر ٹیک دیا تھا اور دیو پیکر اُس پر چھا گیا تھا۔

قاسم شائد اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ اس کی پیٹھ فرش سے نہ لگنے پائے۔ دفعتاً غیر ملکی
اسٹیج کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ قریب پہنچ کر اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکالی اور اس
کا رخ دیو پیکر کی طرف کر دیا۔ ٹارچ سے گہری نیلے رنگ کے غبار کی لکیر سی نکل کر دیو پیکر کے
جسم پر پڑی اور وہ قاسم کو چھوڑ کر بلبلاتا ہوا دیوار سے جا لگا۔

''تم دونوں نیچے آ جاؤ۔'' غیر ملکی نے قاسم اور حمید کو مخاطب کر کے کہا۔

قاسم فرش پر دو زانو بیٹھا جھوم رہا تھا۔ حمید جلدی سے آگے بڑھا اور اُسے جھنجھوڑ کر وہاں
سے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ بدقت تمام وہ قاسم کو اسٹیج سے ہال میں لا سکا تھا۔ قاسم کی
سانس بُری طرح پھول رہی تھی۔ چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔ سفید فام
غیر ملکی نے قاسم کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

''چلو...... اب میں تمہیں گورنر بنا دوں۔''

''نہیں جاتا۔'' قاسم نہ صرف رک گیا بلکہ جھٹکے کے ساتھ اُس سے اپنا ہاتھ بھی چھڑا لیا۔

''گورنر بن جانے کے بعد تم اُس کی ٹانگیں چیر کر پھینک دو گے۔'' غیر ملکی بولا۔

''یہ بات ہے تو چلو......!'' قاسم غرایا۔

وہ دونوں ایک دروازے میں داخل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

''ڈاکٹر سعیدہ کہاں ہیں؟'' حمید نے فریدی سے پوچھا۔

''پتہ نہیں...... سعیدہ کو یہاں سے ہٹا دیا گیا تھا۔''

"چلو اُسے ڈھونڈیں۔" ڈی آئی جی نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

"آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کتنے بے دست و پا ہیں۔ اگر وہ خود نہ چاہیں تو ہم بھی سعیدہ تک نہ پہنچ سکیں گے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں صبر سے کام لینا چاہئے۔"

ڈی آئی جی کچھ نہ بولا۔ لیکن وہ بہت بے چین نظر آ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد صرف قاسم ہال میں داخل ہوا۔ غیر ملکی اس کے ساتھ نہیں تھا۔ نظریں اسٹیج کی طرف تھیں۔ جہاں دیو پیکر آدمی اب بھی دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ قاسم نے اٹھا کر اسے للکارا۔ "آ رہا ہوں سالے...... ہوشیار۔" اور پھر وہ تو سب ہی متحیر رہ گئے۔ ہلکے پھلکے آدمی کی طرح چوکڑیاں بھرتا ہوا اسٹیج پر جا کودا تھا۔

دیو پیکر اُس کی طرف جھپٹا۔ لیکن دیکھنے والوں کو اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ قاسم نے طرح پکڑ کر اپنے سر سے اونچا اٹھا لیا تھا۔ اتنی پھرتی کی توقع اس سے نہیں کی جا دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اُسے فرش پر دے مارا اور پھر بڑی پھرتی سے جھک کر اسے طرح سر سے اونچا اٹھا کر ایک اور پٹخنی دی۔ اس طرح متواتر پانچ پٹخنیاں دینے کے بعد کر اسے دیکھا اور سیدھا کھڑا ہوتا ہوا دہاڑا۔ "دیکھ لو...... آخر جان نکل گئی سالے کی میں واقعی گورنر ہو گیا ہوں۔"

حمید نے اسٹیج کی طرف بڑھنا چاہا لیکن فریدی نے ہاتھ پکڑ لیا۔ اتنے میں اسٹیج کو سرکتے ہوئے سلیب نے ڈھک لیا تھا۔ قاسم کا اب کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ خاموش کھڑے دفعتاً اسٹیج والی دیوار کا ایک حصہ سینما کے اسکرین کی طرح روشن ہو گیا اور آواز آئی۔

"کرنل فریدی...... اب تم مجھے دیکھو گے۔"

اسکرین پر ایک کمرہ دکھائی دیا۔ جس میں اعلیٰ درجے کا فرنیچر نظر آ رہا تھا اور کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔ لیکن ان کے رخ دوسری طرف تھے۔ اس لئے صورتیں آ رہی تھیں۔ دفعتاً وہ ان کی طرف مڑے اور حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔ یہ ڈاکٹر ٹنسڈل گراہم تھے۔ کرنل گراہم باوردی اور مسلح تھا اور ڈاکٹر ٹنسڈل کے پیچھے اس طرح کھڑا

اس کا باڈی گارڈ ہو۔

"تم نے دیکھا۔" ڈاکٹر ٹنسڈل مسکرایا۔ اس مسکراہٹ میں پہلے ہی جیسی معصومیت تھی اور آنکھوں میں شفقت کا وہی انداز تھا جسے وہ غریب الوطنی کے عالم میں اس کے گھر میں بھی دیکھ چکے تھے۔ لیکن اُس کا یہ روپ کم از کم حمید کو تو بڑا بھیانک لگا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہ سکتا کہ ان حرکات کی ذمہ داری ڈاکٹر ٹنسڈل جیسے فرشتہ صورت آدمی پر ہوگی۔

"تم نے دیکھا اپنے ساتھی کو...... اس نے پہاڑ جیسے آدمی کو سچ مچ مار ڈالا۔ اب تم اُسے دیو پیکر درندہ کہہ سکتے ہو۔" ڈاکٹر ٹنسڈل پھر بولا۔ "میرے بنائے ہوئے دیو پیکر لوگ مشینی اور کیمیائی عمل کا نتیجہ ہیں۔ یہ معمولی قد اور معمولی جسامت کے لوگ تھے میں انہیں اس جسامت تک لایا۔ لیکن جنسی ہیجان والا سقم رہ گیا۔ ان کا اعصابی نظام اس جذبے کو برداشت نہیں کر پایا۔ اس کے برخلاف اسی قسم کی عورت اس جذبے کی شدت کو برداشت کر سکتی ہے۔"

"لیکن اس کا مقصد کیا ہے ڈاکٹر ٹنسڈل......!" فریدی نے بے حد نرم لہجے میں پوچھا۔

"کسی قسم کا تجربہ بجائے خود ایک مقصد ہوتا ہے۔"

"بھلا اس تجربے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

"موجودہ انسانی نسل بیکار ہو چکی ہے۔ تم مجھے دیکھ ہی رہے ہو۔ میں آدمی سے زیادہ آدمی کی پرچھائیں معلوم ہوتا ہوں۔ میرے قویٰ مضبوط نہیں۔ میرا باپ بھی ایسا ہی تھا۔ دادا اس سے کچھ توانا تھا۔ لیکن پردادا کے متعلق سنا ہے کہ وہ بڑے بڑے درختوں کو جڑ سے اکھاڑ دیا کرتا تھا۔"

"محض اتنی سی بات کے لئے ڈاکٹر ٹنسڈل......؟"

"تم اُسے اتنی سی بات کہہ رہے ہو۔ حالانکہ آج دنیا میں اسی بناء پر تباہی پھیلی ہوئی ہے۔ ایٹم اور ہائیڈروجن بم بن رہے ہیں۔ زہریلی گیس دریافت کی جا رہی ہے۔ کیا یہ سب اسی لئے نہیں ہو رہا کہ دشمن سے نپٹنے کے لئے اپنی قوت بازو پر اعتماد نہیں رہا۔ ابتداء میں آدمی ایک دوسرے سے اس طرح گتھ جاتے ہوں گے جیسے کتے لڑ پڑتے ہیں پھر جیسے جیسے وحشت اور

طاقت گھٹتی گئی اور دشمن سے کچھ دور رہ کر وار کرنے کی سوچتا گیا اسی طرح وہ لٹھوں اور ڈنڈوں سے بتدریج ایٹمی دور تک آ پہنچا۔ مجھے دیکھو میں ایٹمی دور کا آدمی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اگر ایک گھونسہ میری پیشانی پر رسید کردو تو مجھے گھنٹوں ہوش نہ آئے گا۔''

''ایسے گریٹ آدمی کی پیشانی تک میرا ہاتھ پہنچتے ہی کیوں لگا۔ لیکن ڈاکٹر یہ شخصیت بدلنے کی وباء تو کوئی معنی نہیں رکھتی۔''

''یہ میری تفریح بھی ہے اور اس سے ایک ضرورت بھی پوری ہوتی ہے۔ جب ان کے جسم بدل جاتے ہیں تو ان پر بدحواسی کا دورہ پڑتا ہے۔ کچھ دنوں تک انہیں ادھر اُدھر بھٹکنے دیتا ہوں پھر یہیں بلوا کر ایک بار پھر انہیں ان کی اصل شخصیتیں واپس کردیتا ہوں۔ محض یہ بتانے کے لئے کہ ایسا کردینا میرے امکان میں ہے۔ اس کے بعد پھر اُن کے جسم بدل دیتا ہوں۔ وہ روتے ہیں۔ گڑگڑاتے ہیں اور میں ان سے ایک معاہدہ کرتا ہوں جس کے تحت وہ میرے لئے کام کرنا منظور کرلیتے ہیں۔ اس مدت تک کام کر لینے کے بعد انہیں ان کی اصل شخصیتیں واپس کردی جائیں گی۔ تمہارے ساتھ میں نے ایسا کوئی برتاؤ نہیں کیا۔ میں جانتا ہوں کہ تم بہت ذہین آدمی ہو معاملے کی نوعیت کو سمجھتے ہوئے یونہی میرے لئے کام کرنے پر آمادہ ہوجاؤ گے۔''

فریدی مسکرایا۔ ٹیلی ویژن اسکرین پر ڈاکٹر ٹسڈل بھی مسکراتا نظر آیا۔ پھر وہ بولا۔ ''کرنل فریدی تمہاری مسکراہٹ بڑی دلآویز ہے۔''

''میرے سپرد جو خدمت کی گئی ہے اُسے بخوبی انجام دے رہا ہوں۔''

''لیکن میرے ذہن کے کسی گوشے میں اب بھی تمہارا خوف موجود ہے۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔''

''اور اسی خلش سے پیچھا چھڑانے کے لئے میں نے تمہیں یہاں دیکھنا پسند کیا ہے۔ تمہیں اپنے دوست جیرالڈ شاستری کا حشر یاد ہے۔''

''اوہو..... تو تم اس اسکول سے تعلق رکھتے ہو۔''

''ہرگز نہیں۔ میں دنیا کو جنت بنانا چاہتا ہوں۔''

''آخر کس طرح ڈاکٹر ٹسڈل۔''

''یہ پھر بتاؤں گا۔ تم نے یہ نہیں پوچھا کہ تمہارا دوست یک بیک اتنا طاقتور کیسے ہوگیا۔''

''تمہارے لئے کیا مشکل ہے جبکہ تم ایک کا دماغ دوسرے کے جسم میں منتقل کرسکتے ہو۔''

ڈاکٹر ٹسڈل کا قہقہہ خاصا جاندار تھا۔ اس نے کہا۔ ''خیر..... دیکھو اپنے ساتھی کو۔''

اسکرین پر ڈاکٹر ٹسڈل وغیرہ غائب ہوگئے اور ایک دوسرا کمرہ دکھائی دیا۔

''اوہ..... یہ تو ریٹا ہے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

ریٹا ایک آرام کرسی پر نیم دراز نظر آئی۔

''اُوہ.....!'' فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''کیا بات ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''کوئی بات نہیں۔'' فریدی نے کہا اور سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑنے لگا۔ اسکرین پر ایک دروازہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔ قاسم کی شکل دکھائی دی اس نے کمرے کا دروازہ بند کردیا۔ ریٹا چونک کر کرسی سے اٹھ گئی تھی۔ قاسم کے دانت نکل پڑے۔ وہ ریٹا کی طرف جھپٹا اور ریٹا چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئی۔ قاسم بہت زور سے دہاڑا۔ وہ اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ شور نہ مچائے لیکن وہ چیختی رہی۔ دفعتاً قاسم نے جھلا کر اسے زور سے دھکا دیا اور وہ دیوار سے جا ٹکرائی۔

''خدا کی قسم یہ قاسم نہیں ہوسکتا۔'' حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔ ''اس میں تو شیطان کی روح حلول کرگئی ہے۔''

ریٹا دیوار سے ٹکرا کر فرش پر گری تھی اور ایسی بے دم ہوئی کہ خود سے اٹھنا محال معلوم ہو رہا تھا۔ قاسم نے اسکی گردن دبوچی اور سیدھا کھڑا کردیا۔ وہ ''نہیں..... نہیں'' چیخے جارہی تھی۔

''چوپ حرامزادی۔'' قاسم اُسے سر سے اونچا اٹھاتا ہوا دہاڑا۔ ''ساری زندگی بس...... نہیں..... نہیں سنتا رہوں غا۔'' اور پھر اُس نے بڑی بے دردی سے اُسے فرش پر پٹخ دیا۔ بڑی دلدوز چیخ تھی۔ پھر وہ نہ اٹھ سکی۔ اُس کے ہاتھ پیروں میں تشنج شروع ہوگیا اور منہ سے ڈھیروں خون نکل نکل کر فرش پر پھیلنے لگا تھا۔

"کتیا نہیں تو......!" قاسم دونوں ہاتھ جھاڑتا ہوا بڑبڑایا۔

فریدی کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا تھا۔ آنکھیں اُبلی پڑ رہی تھیں۔ اس نے اپنا نچ
ہونٹ اتنی شدت سے دانتوں میں دبایا تھا کہ وہ زخمی ہوگیا تھا اور باچھوں سے خون کی بوند
ٹپکنے لگی تھیں۔

اسکرین پر سے وہ منظر آناً فاناً غائب ہوگیا اور پھر ڈاکٹر ٹسڈل...... وہ کہہ رہا تھا۔ "یہ ا
کی غداری کی سزا تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ شائد مجھے اس معاہدے کا علم نہیں جو اس نے کیپٹن حم
سے کرلیا تھا۔ وہ مرچکی ہے کرنل فریدی۔ میرے بازوؤں میں بھلا اتنی طاقت کہاں کہ کس
اپنے ہاتھوں سے سزا دے سکوں۔ تم خاموش کیوں ہو کرنل فریدی کچھ بولتے کیوں نہیں۔"

"سعیدہ کہاں ہے...... سعیدہ کہاں ہے۔ اُسے تلاش کرو۔" دفعتاً ڈی آئی جی بوکھلا
ہوئے انداز میں بولا۔

"ڈی آئی جی صاحب۔" ڈاکٹر ٹسڈل بولا۔ "وہ بطور یرغمال یہاں رہے گی۔ آپ وا
بھجوا دیئے جائیں گے اور اپنے آفس میں رہ کر میرے مفادات کی نگرانی کریں گے اور ب
آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ آپ کو آپ کے دوسرے جسم سمیت میں نے کس طرح آپ کے گ
کی حوالات سے نکلوالیا تھا۔"

"تت...... تم...... کیا کہنا چاہتے ہو۔" ڈی آئی جی ہکلایا۔

"میرے احکامات آپ کو اپنے آفس ہی میں ملتے رہیں گے اور آپ ہر وقت اس با
کا خیال رکھیں گے کہ اپنی لڑکی کو میرے پاس چھوڑے جارہے ہیں۔"

"فف...... فریدی...... میں کیا کروں۔" ڈی آئی جی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"آپ وہی کیجئے جو ڈاکٹر کہہ رہا ہے...... اس کے علاوہ اور کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

"یعنی کہ...... یعنی کہ۔"

"آپ خود سمجھ دار ہیں۔"

"لل...... لیکن سعیدہ۔"

"جناب عالی...... سب کچھ خدا پر چھوڑیئے۔ اس کے علاوہ چارہ نہیں۔"

ڈی آئی جی کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی تھی۔

"کرنل فریدی۔" ڈاکٹر ٹسڈل بولا۔ "تم نے دیکھا کہ تمہارے احمق دوست کی نیچر کتنی
ل گئی ہے۔ میری معلومات کے مطابق وہ عورتوں کے قرب کا متمنی تو ضرور رہتا تھا لیکن کسی عورت
سے گفتگو کرتے وقت اُسکی سانس پھولنے لگتی تھی اور وہ نروس ہوجاتا تھا اور اب دیکھا تم نے۔"

"ہاں دیکھا......!" فریدی لاپرواہی سے بولا۔

"اب یہ اس قابل ہوگیا ہے کہ میری اسکیم کو عملی جامہ نصیب ہوسکے۔ میں اسے اور اُس
شی عورت کو ایک غیر آباد جزیرے میں بھجوا دوں گا اور ایک ہزار سال بعد وہ ایک نئی نسل کے
آدم وحوا کہلائیں گے۔ میں اپنے دور کے آدمی سے سخت بیزار ہوں۔"

"ڈاکٹر ٹسڈل میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے تھکی تھکی سی آواز میں کہا۔

"ضرور...... ضرور...... تمہیں بھی یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔"

"اور ڈاکٹر صاحب...... میرے بارے میں کیا ارشاد ہوتا ہے۔" حمید نے لہک کر پوچھا۔

"تم بھی آرام کرو۔"

اسکرین پر سے منظر غائب ہوگیا۔ ڈی آئی جی کی حالت ابتر تھی۔

"میں دیر تک کھڑا نہیں رہ سکتا۔" اس نے کہا اور فرش پر اکڑوں بیٹھ گیا۔ انہیں معلوم نہیں
ا کہ اب وہ کہاں جائیں گے۔ دفعتاً اسکرین کے پیچھے سے پھر کھڑکھڑاہٹ کی آواز آئی اور وہ
س کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ایک کمرہ دکھائی دیا۔ سعیدہ وسط میں کھڑی پھٹی پھٹی آنکھوں سے
اروں طرف دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں ڈاکٹر ٹسڈل کی آواز آئی۔ "اس کو اُسی وقت تک محفوظ
جھو جب تک میرے احکامات کی تعمیل ہوتی رہے گی۔ کرنل فریدی اپنے آفیسر سے کہو کہ پانچ
کے دروازے میں داخل ہوجائے۔" ڈی آئی جی نے وحشت زدہ نظروں سے فریدی کی
ف دیکھ کر کہا۔ "ہرگز نہیں...... میں یہیں مرجاؤں گا لیکن اُسے تنہا چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔"

"مجبوری ہے جناب۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

اسکرین پھر سادہ رہ گیا اور کوئی آواز بھی نہ آئی۔

"کچھ کرو فریدی۔"

"صاحب آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ مجھے اپنی ہی مصیبتوں سے فرصت نہیں۔ اب نہیں کس کام پر لگایا جاؤں۔ کبھی وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ زندگی کے کسی حصے میں اتنا ہو جانا پڑے گا۔ مناسب یہی ہے کہ آپ دروازہ نمبر پانچ میں داخل ہو جائیں۔ ڈاکٹر بدعہد نہیں معلوم ہوتا اگر آپ وفادار رہے تو سعیدہ بھی محفوظ رہے گی۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو فریدی۔"

"جناب عالی میں بہت پریشان ہوں۔ آپ اپنا معاملہ خود دیکھئے۔"

"تو پھر میں جاؤں؟"

"دانشمندی کا تقاضا یہی ہونا چاہئے۔" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

ڈی آئی جی سر جھکائے ہوئے پانچ نمبر کے دروازے کی طرف چل پڑا۔ حمید نے کے داخلے کے بعد دروازہ بند ہوتے دیکھا۔ اب وہاں کا ایک بھی دروازہ کھلا ہوا نہیں دیتا تھا۔ فریدی سگار سلگانے لگا۔ خود حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا ہوگا۔ دفعتاً کا دروازہ کھلا اور وہی غیر ملکی ہال میں داخل ہوا اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"میں تم دونوں کی جامہ تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" اُس نے قریب پہنچ کر سخت لہجے میں

"کیوں......؟" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بس یونہی......!"

"بھلا کیا بات ہوئی؟"

"دونوں اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔"

"کیا بات ہے؟" ڈاکٹر ٹسڈل کی آواز گونجی۔

حمید نے محسوس کیا کہ غیر ملکی اور زیادہ سراسیمہ ہو گیا ہے۔

"مم...... میرا پنچر (Pincher) کھو گیا ہے۔" وہ خوفزدہ سی آواز میں بولا۔

"تو تم ان کی جامہ تلاشی کیوں لینا چاہتے ہو۔"

"ہو سکتا ہے انہوں نے ہی غائب کر دیا ہو۔ کیونکہ موٹے آدمی کو ساتھ لے کر میں ان کے قریب سے گزرا تھا۔"

"کیوں کرنل فریدی؟"

"ڈاکٹر میں جامہ تلاشی دینے کو تیار ہوں۔"

"گلبرٹ......!"

"یس باس......!" غیر ملکی گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

"یہاں غفلت کی سزا موت ہے۔ کہیں تمہارا پنچر قاسم ہی کے ہاتھ نہ لگا ہو۔ یہی ہو سکتا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ وہ کیسی تباہی لا سکتا ہے۔"

"مم...... میں کک...... کیا بتاؤں......؟"

"کرنل فریدی۔"

"یس ڈاکٹر۔"

"اسے مار ڈالو...... غفلت کی سزا موت ہے۔"

فریدی نے گلبرٹ پر چھلانگ لگائی اور وہ چیختا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن فریدی نے دوسرے حملے میں اُسے دبوچ ہی لیا اور جسمانی جدوجہد جاری رکھے ہوئے آہستہ آہستہ اس کے کان میں کہتا رہا۔ "تھوڑی سی جدوجہد کے بعد میں تمہیں گرا کر تمہارا گلا گھونٹوں گا۔ تم ایسی آوازیں حلق سے نکالنا جیسے تم سچ مچ مر رہے ہو۔ پھر ڈھیلے پڑ جانا۔"

حمید ذرا فاصلے پر تھا اس لئے سن نہ سکا۔ ویسے وہ اُس کے ہونٹ ہلتے تو دیکھ ہی رہا تھا۔ آخر گلبرٹ فرش پر نظر آیا۔ فریدی اس کا گلا گھونٹ رہا تھا اور اس کے حلق سے خرخراہٹ کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ پھر سناٹا چھا گیا۔ گلبرٹ بے حس و حرکت فرش پر پڑا تھا۔

"بہت اچھے کرنل فریدی۔" ٹسڈل کی آواز آئی۔ "اب اسے مردہ خانے میں لے جاؤ۔ اس جسم کو دوسرا کارآمد ذہن عطا کروں گا۔"

"میں نہیں جانتا کہ مردہ خانہ کہاں ہے۔"

اسے اٹھا کر دروازہ نمبر چار میں داخل ہو جاؤ۔ تم وہیں جا پہنچو گے اور اسے الماری گیارہ میں رکھ دینا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" فریدی نے حمید سے کہا اور گلبرٹ کو کاندھے پر اٹھائے ہوئے بڑھا۔ دروازہ نمبر چار گذر کر مردہ خانے میں داخل ہوا۔ یہاں ریفریجریٹر قسم کی متعدد الماریاں رکھی ہوئی تھیں۔

گلبرٹ اس کے کاندھے سے پھسل کر فرش پر کھڑا ہو گیا۔

"اب ہم خطرے سے باہر ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "یہاں نہ ٹیلی ویژن کیمرے ہیں اور نہ آواز کے ٹرانسمیشن کا کوئی سسٹم......!"

"لیکن بچاؤ کی کیا صورت ہوگی۔" فریدی نے پوچھا۔

"بس تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"اُسے پتہ چل گیا تو دونوں مارے جائیں گے۔"

"اب تم فکر نہ کرو۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ وہ پاگل ہو گیا ہے۔ جلدی کرو یہاں سے چلے جاؤ۔ میں جانتا ہوں کہ کن گوشوں میں محفوظ رہ سکوں گا۔ جلد ہی تم سے ملوں گا۔"

فریدی مردہ خانے سے نکل کر پھر ہال میں پہنچا۔ لیکن اب حمید یہاں تنہا نہیں تھا۔ ایک عورت اس کے قریب کھڑی تھی۔ پشت اُسی کی طرف تھی اس لئے شکل نہ دیکھ سکا۔

"یہ...... یہ...... مل گئیں۔" حمید اس کی طرف ہاتھ اٹھا کر ہکلایا اور وہ بھی فریدی کی طرف مڑی۔ یہ معصوم صورت ربیکا تھی۔

"اُوہ...... ہلو بے بی۔" فریدی لہک کر بولا۔

دونوں کے درمیان کچھ دیر رسمی گفتگو ہوتی رہی پھر ربیکا نے اُن سے کہا کہ وہ انہیں ان کی قیام گاہ تک پہنچانے کے لئے آئی ہے۔ وہ دونوں اس کے ساتھ چل پڑے۔ ربیکا کچھ مغموم نظر آ رہی تھی۔

"تم بہت چپ چاپ سی ہو۔" حمید نے اُس سے کہا۔

"جب بھی کوئی ایسا واقعہ ہوتا ہے کئی دن تک حواس درست نہیں رہتے۔"

"کیسا واقعہ......؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے ایک غدار لڑکی کو سزا ملی تھی۔ ہم سب کو ایسے لوگوں کا انجام ضرور دکھایا جاتا ہے۔"

"وہی تو نہیں جسے ایک دیو پیکر درندہ......!"

"ہاں...... ہاں...... وہی...... بس اب اُس کا تذکرہ نہ کرو۔"

"تمہیں کیوں خوف معلوم ہوتا ہے جبکہ تم ڈاکٹر ٹسڈل کی بیٹی ہو۔"

"میں اس کی پرسنل سیکریٹری ہوں...... بیٹی نہیں۔"

"اُوہ......!"

ایک جگہ وہ رکی اور انہیں بھی رکنے کا اشارہ کیا اور آہستہ سے بولی۔ "یہاں کچھ جگہیں ایسی ہیں جہاں مائیکروفون اور کیمرے پوشیدہ نہیں ہیں۔ یہ جگہ بھی ایسی ہی ہے۔ میں تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ یہاں کے رازوں سے صرف گلبرٹ اور میں واقف تھی۔ گلبرٹ تمہارے ہاتھوں مارا گیا اور اب صرف میں رہ گئی ہوں۔ تم بھی کیا کرتے اگر تم اُسے نہ مارتے تو تمہیں بھی موت کی گود میں سونا پڑتا۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو۔"

"آزادی چاہتی ہوں میں۔ میں آج تمہیں دکھاؤں گی کہ ڈاکٹر حقیقتاً کیا ہے۔ اگر تم اس کے حالات کو سمجھ لینے کے بعد کوئی تدبیر کر سکو تو ہم سب پر احسان کرو گے۔"

"تم صرف یہاں سے نکلنے کا راستہ بتا دو۔ پھر میں سب کچھ کر لوں گا۔" فریدی بولا۔

"تم کچھ نہ کر سکو گے۔ کیونکہ اس پر کرنل گراہم کا پہرہ رہتا ہے۔ تم آج رات اور خاموش رہو۔ یہ دیکھو کہ حالات سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ وہ تم سے بہت خائف رہا ہے اور اب بھی ہے۔ محض اپنا خوف دور کرنے کے لئے تمہیں بے بسی سے اپنے حکم کی تعمیل

کرتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے۔"

"ایسا ہی ہے تو مجھے مار ڈالے۔ ظاہر ہے کہ ان دیکھے حملوں سے کس طرح بچاؤ کرسکوں گا۔"

"وہ خبطی ہے۔ جھکی ہے۔ کچھ سوچ رکھا ہوگا تمہارے بارے میں بھی۔ اچھا اب چلو...... بس کمرے میں تم دونوں کو قیام کرنا ہے۔ وہاں بھی ٹیلی ویژن اسکرین اور مائیکروفون موجود ہے۔ لہٰذا آپس میں گفتگو کرنے کے معاملے میں محتاط رہنا۔"

وہ اسے اس کمرے میں پہنچا کر چلی گئی۔ پھر حمید ایسی گفتگو کرتا رہا جس سے ظاہر ہوتا کہ فریدی کو نکل چلنے کی تدبیر سوچنے کی ترغیب دے رہا ہے لیکن فریدی مسلسل اسے جھڑکتا رہا تھا۔ گھڑیوں کے مطابق رات آئی۔ دن اور رات کا اندازہ یہاں گھڑیوں ہی سے ہوسکتا تھا۔ رات کا کھانا ان کے لئے ایک بوڑھی سی مقامی عورت لائی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ گونگی اور بہری ہو۔ اس نے ان کی کسی بات کا جواب ہی نہیں دیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد وہ ربیکا کے منتظر رہے۔ دفعتاً ڈاکٹر ٹسڈل کی آواز آئی۔

"کرنل فریدی گلبرٹ کا پنچر تمہارے دوست کے پاس بھی نہیں ملا۔"

"یہ پنچر کیا بلا ہے؟ کیا تم مجھے بتاؤ گے۔"

"وہی آلہ جس کے ذریعہ میرے بنائے ہوئے دیو کی گرفت سے قاسم کو آزادی دلائی گئی تھی۔"

"اوہ...... وہ ٹارچ کی شکل کی کوئی چیز۔"

"ہاں...... ہاں...... اسے تلاش کرنے کے سلسلے میں میری مدد کرو۔"

"یہ اُسی صورت میں ممکن ہے ڈاکٹر جب تمہارے سب آدمی میرے سامنے ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ اسے کل پر رکھو۔ لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ تم نے ہی اسے غائب کروایا ہو۔"

"ڈاکٹر میں گلبرٹ کو بھی جامہ تلاشی دینے پر تیار تھا اور اب بھی تم جسے چاہو بھیج دو۔"

"نہیں...... میں تم پر اعتماد کرنے لگا ہوں۔"

"بھلا کیوں ڈاکٹر......؟"

"تم مجھ سے متاثر معلوم ہوتے ہو۔ تم سوچ رہے ہو کہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے منسلک

ہو جاؤ۔"

"نہیں ڈاکٹر...... ابھی تو کوئی ایسی بات نہیں سوچی۔"

"تم اس فیصلے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ آواز پھر نہ آئی۔ حمید فریدی کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

"احمقانہ حرکتیں نہ کرو۔ یہ حقیقت ہے کہ ڈاکٹر ٹسڈل نے مجھے متاثر کیا ہے۔"

"نکل بھاگنے کی فکر کیجئے ورنہ اگر کہیں اس نے آپ کا بھی جوڑا لگا دیا تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائیں گے۔"

"حمید بکواس بند کرو۔ میرا دماغ خراب نہ کرو۔ ورنہ میں ڈاکٹر ٹسڈل سے کہہ کر تمہیں کہیں پھکوا دوں گا۔"

"اللہ رحم کرے آپ کے حال پر۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

فریدی پھر کچھ نہ بولا۔ دفعتاً اسکرین روشن ہو گیا اور پھر ایک کمرے کا منظر پیش نظر تھا۔ ایک خواب گاہ تھی ڈاکٹر ٹسڈل کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور ربیکا اُس کے قریب کھڑی تھی۔ ڈاکٹر ٹسڈل سر اٹھائے اُسے لگاوٹ کی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ ربیکا اس کا سر سہلانے لگی۔ وہ اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنا ایک ہاتھ اس کی کمر کے گرد ڈال دیا اور پھر پٹ سے ں پر آ گرا۔ فریدی مضطربانہ انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی اسکرین کے پیچھے سے آواز ئی۔ "تم نے دیکھا کرنل۔ یہ خود بھی اس جذبے کو نہیں سہار سکتا۔ اس کے اعصاب اسے اشت ہی نہیں کر سکتے۔ اب یہ ایک گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آ سکتا۔"

"یہاں آ کر مجھے اُس کمرے میں لے چلو۔"

"یہ ناممکن ہے۔ میں اس کے لئے مامتا بھی محسوس کرتی ہوں۔ مجھے صرف اس کی توں سے نفرت ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ یہاں کے قیدی کسی طرح رہا ہو جائیں۔"

"تم آؤ تو۔"

"اچھی بات ہے۔ میں آ رہی ہوں۔"

اسکرین تاریک ہو گیا اور پھر وہ تین منٹ کے اندر اندر وہاں پہنچ گئی۔ فریدی نے
اس کا استقبال کیا تھا۔

''بیٹھ جاؤ۔ مجھے جلد ہی واپس جانا ہے۔ لیکن میں پھر کہتی ہوں کہ تمہیں اس ملک
لے جاسکوں گی۔''

''پھر بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کرسکتا ہوں۔''

''سچ کہتی ہوں۔ ٹسڈل بے قصور ہے۔ کرنل گراہم اپنے ملک کے لئے اس سے
کام لے رہا ہے۔''

''کیا کام لے رہا ہے؟''

''دماغوں کی تبدیلی۔ ایک کا دماغ دوسرے کی کھوپڑی میں رکھ دیتا ہے۔ تمہاری
کے بہترین آفیسر اس تبدیلی کا شکار ہوچکے ہیں۔ ان کی کھوپڑیوں میں گراہم کے آدمیوں
دماغ رکھ دیئے گئے ہیں۔ ایسے آدمی جو تمہاری زبان اہل زبان کی طرح بول سکتے ہیں۔ گرا
اپنے ملک کے لئے یہ سب کچھ کررہا ہے۔ وہ جب چاہے یہاں اپنے ملک کی موافقت
انقلاب لاسکتا ہے۔''

''لیکن بیچارے شہری کیوں پریشان کئے جارہے ہیں۔ انکی شخصیتیں کیوں بدلی جارہی ہیں''

''ایک مجبوری کی بناء پر۔ گراہم کا ایک آدمی جو تمہاری فوج کا ایک بڑا آفیسر ہے
دنوں بعد اس تبدیلی سے تنگ آگیا اور اس نے گراہم سے خواہش ظاہر کی کہ اُس کا جسم
واپس کردیا جائے۔ گراہم اس پر آمادہ نہ ہوا۔ اس پر اس کا دماغ ہی الٹ گیا۔ فوجیوں میں
پھرا کہ وہ جو کچھ نظر آتا ہے حقیقتاً نہیں ہے۔ اس کا جسم اس سے چھین لیا گیا ہے۔ اس
میں اس نے گراہم کا بھی نام لیا تھا اور گراہم نے اسے پاگل خانے بھجوا دیا پھر اس نے
کیوں نہ ظاہر کیا جائے کہ یہ دماغی خرابی وباء کی شکل میں پھوٹ پڑی ہے۔ لہٰذا شہریوں
یہ عمل آزمایا جانے لگا۔ اس سے پہلے کچھ شہریوں پر یہی تجربہ کیا گیا تھا لیکن اس کا مقصد
یہ تھا کہ انہیں اس طرح اپنے لئے کام کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ اسی دوران میں کچھ

شہریوں پر بھی یہ عمل کیا گیا ہے جو بڑی پوزیشنوں کے مالک ہیں۔ اس طرح یہ بات پورے
ملک میں پھیل گئی ہے۔ یعنی سب ہی اس وباء سے سہمے ہوئے ہیں۔ غالباً گراہم نے یہاں اپنی
پسند کی کا انقلاب لانے کی پوری تیاری کرلی ہے۔ اسی لئے عوام میں بھی ہیجان پیدا کرنے کی
کوشش کررہا ہے۔ لوگ حکومت سے مطالبہ کررہے ہیں کہ وہ اس وباء کو ختم کرنے کے لئے جلد
ہی کوئی قدم اٹھائے لیکن بے چاری حکومت کیا کرسکے گی اس سلسلے میں۔ لہٰذا حکومت کے خلاف
بددلی پھیلے گی اور پھر فوج میں تو گراہم کے دماغ موجود ہی ہیں۔''

''خدا کی پناہ...... تب تو گراہم اور ٹسڈل دونوں ہی کو زندہ رہنا چاہئے۔ ورنہ میرے
ملک کے بے شمار آدمی غیروں کے ذہنوں سمیت زندہ رہنے پر مجبور ہوجائیں گے۔''

''اور یہ مت سمجھنا کہ ٹسڈل تم کو پسند کرنے لگا ہے۔ میں نے اُسے مجبور کیا ہے کہ تمہیں
زندہ رہنے دے اور مستقبل میں تمہاری صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائے۔ اس نے یہ بات گراہم کو
سمجھائی ہے۔ ٹسڈل کو تو تم گراہم کا مائیکروفون ہی سمجھو۔ وہ تو صرف ایک بڑا سائنٹسٹ ہے۔
اس کو اس سے دلچسپی نہیں کہ اس کی یہ ایجاد کسے کیا فائدہ یا نقصان پہنچا رہی ہے۔''

''اچھا ان دیو پیکروں کی تخلیق کا کیا مقصد ہے۔''

''اس نے تمہیں اس کا مقصد غلط بتایا تھا۔ یہ اس کی تفریح ہے۔ جب وہ دماغوں کی
تبدیلی کے متعلق تجربات کررہا تھا یہ چیز اتفاقاً دریافت ہوگئی تھی کہ وہ آدمیوں کی جسامت بھی
حیرت انگیز طور پر بڑھا سکتا ہے۔ اس نے یہ تجربہ بھی مکمل کرنا چاہا۔ گراہم کو کیا اعتراض ہوسکتا
تھا جبکہ خود اس کا مقصد حاصل ہوچکا تھا۔ ڈاکٹر ٹسڈل کی اعصابی کمزوری سے تو تم واقف ہی
ہوچکے ہو۔ اس نے جو دیو پیکر آدمی بنائے اس کی بدقسمتی سے ان میں یہ خامی دوسری طرح
ظاہر ہوئی۔ وہ پگھل جاتے ہیں۔ دراصل جو بات خود اس میں نہیں ہے وہی دوسروں میں وہ
انتہائی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اسی لاشعوری خواہش نے اُسے دیو پیکر مرد اور عورتیں بنانے پر
مجبور کردیا۔ اتفاقاً تمہارا دیو پیکر دوست اس کے ہاتھ لگ گیا اور اُس نے اسے ایک خاص قسم کا
انجکشن دے کر وحشی اور درندہ بنا دیا۔ خدا کی قسم میں ریٹا کی موت کبھی نہ بھولوں گی۔ ٹسڈل سے

شدید ترین نفرت محسوس کی تھی میں نے لیکن اس وقت جب وہ بے ہوش ہوگیا تو میری مامتا پھر جاگ اٹھی۔ شائد اس کے ساتھ رہتے رہتے میں بھی اسی کی طرح کسی ذہنی مرض کا شکار ہوگئی ہوں اور وہ دیکھو.....تم نے ابھی تک کچھ نہیں سوچا۔ اب مجھے جانا چاہئے۔"

"میں یہی نہیں سمجھ سکا کہ تم چاہتی کیا ہو؟"

"انسانیت کی سربلندی۔"

"میں سیاسی آدمی نہیں ہوں ربیکا۔ اس لئے سیاسی اصطلاحات نہ استعمال کرو۔ بتاؤ تم کیا چاہتی ہو۔"

"میں صرف ٹسڈل کو بچالینا چاہتی ہوں۔ ایک ننھے منے بچے کی طرح اس کی نگہداشت کرنا چاہتی ہوں۔"

"تو پھر جلدی کرو...... مجھے وہاں لے چلو۔ اُس کی بے ہوشی کا وقفہ بڑھنا ہی چاہئے۔ تاکہ مجھے کچھ کرنے کے لئے وقت مل سکے۔"

وہ کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ اچھا چلو۔" وہ انہیں اس کمرے میں لائی جہاں ڈاکٹر ٹسڈل بیہوش پڑا تھا۔ فریدی نے اس کی نبض دیکھی اور پھر دونوں کنپٹیاں ٹٹولنے لگا۔ حمید جانتا تھا کہ وہ کنپٹی کی کوئی مخصوص رگ دبا کر آدمی کو کم از کم تین چار گھنٹے تک بیہوش رکھ سکتا ہے۔ میں پھر کہتی ہوں کہ ٹسڈل سے زیادہ گراہم کی اہمیت ہے۔ لیکن میں نہیں جانتی کہ وہ اس وقت کہاں ہوگا۔ کاش گلبرٹ زندہ ہوتا۔ وہ یہاں اس کا نائب تھا اور دن رات رہتا تھا۔"

"مجھے ان مقامات کے بارے میں بتاؤ جہاں تمہارا مواصلاتی نظام موجود نہیں ہے۔"

"کیوں.....؟"

"گلبرٹ انہیں میں سے کہیں ہوگا۔"

"کیا مطلب.....؟"

فریدی نے اُسے گلبرٹ کی کہانی سناتے ہوئے کہا۔ "حالات سے تقدیر موافق ہی معلوم ہوتی ہے۔ چلو جلدی کرو۔"

ربیکا کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی تھی۔ وہ تینوں اُسے تلاش کرتے پھرے اور بالآخر ایک جگہ وہ مل گیا۔ فریدی نے اس سے پوچھا کہ وہ اب کیا کرنا چاہتا ہے۔ وہاں سے نکل بھاگنے کے علاوہ اور کیا چاہتا۔ لیکن اس نے بتایا کہ گراہم ہی اپنے ساتھ کسی کو لے جاسکتا ہے۔ راستے کے نگراں کسی اور کو باہر نہیں نکلنے دیتے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ گراہم اس وقت وادی کے سلور مون کلب میں برج کھیل رہا ہوگا۔ فریدی کو دفعتاً کچھ یاد آ گیا۔ اس نے ربیکا سے پوچھا کہ کچھ دیو پیکر آدمی ان تہہ خانوں سے باہر کیوں نکالے گئے تھے۔

"ٹسڈل نے سوچا تھا ممکن ہے کھلی فضا میں ان کا وہ انجام نہ ہو جو عام طور پر ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں تھا۔"

پھر انہوں نے تہہ خانوں کے متعلق گفتگو شروع کردی۔ گلبرٹ نے بتایا کہ وہاں جگہ جگہ ڈائینامائیٹ لگے ہوئے ہیں تاکہ جب بھی ضرورت ہو سب کچھ تباہ کردیا جائے۔ فریدی گلبرٹ کو اس جگہ لایا جہاں سے وہ ڈائینامائیٹ کنٹرول ہوتے تھے۔ فریدی نے نہ صرف سوئچ بورڈ ہی وہاں سے ہٹادیا بلکہ تاروں کو بھی اس قابل نہیں رہنے دیا کہ انہیں دوبارہ جوڑا جاسکتا۔ اس سے نپٹ کر اُس نے سعیدہ اور قاسم کے بارے میں پوچھا۔ پھر اُن کی تلاش جاری ہی تھی کہ فریدی کا گزر ایک ایسے کمرے سے ہوا جہاں میک اپ کا سامان بھی موجود تھا۔ اُس نے گلبرٹ کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے اُسے بتایا کہ وہ اُسے بہ آسانی گراہم کا ہم شکل بنا سکے گا اور بیس منٹ کے اندر اندر اُس نے اپنا یہ دعویٰ پورا کر دکھایا۔ گلبرٹ نے اُسے بتایا کہ گراہم بھی میک اپ کا ماہر ہے لیکن اپنی شکل کا دوسرا آدمی وہ بھی نہیں بنا سکتا۔ ربیکا بھی متحیر رہ گئی تھی اور حمید ٹھنڈی آہیں بھر رہا تھا۔ اب اسکیم یہ تھی کہ گلبرٹ بحیثیت گراہم انہیں باہر لے جائے گا۔ گراہم نے بتایا کہ نکلنے کے کئی راستے ہیں۔ اس لئے بعض پہرے داروں کو علم نہیں ہوسکتا کہ وہ کس راستے سے آیا اور کس راستے سے واپس چلا گیا۔ دفعتاً فریدی اس سے پنجر کے متعلق پوچھ بیٹھا۔

"یہ ہمارے ملک کی ملٹری انٹیلی جنس کی ایجاد ہے۔ اس سے نکلنے والی غبار آمیز شعاع انسانی جسم پر الیکٹرک شاک کی طرح لگتی ہے اور پورے جسمانی نظام کو کچھ دیر کے لئے درہم

برہم کر دیتی ہے۔ ہم لوگوں کے پاس صرف دو پنجر ہیں۔ ایک مستقل طور پر گراہم کے پاس رہتا ہے اور دوسرا میرے پاس رہتا تھا جسے میں وقتاً فوقتاً دوسرے ماتحتوں کو بھی دے دیتا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس پر کس نے ہاتھ صاف کر دیا۔ وہ چلتے رہے اور گلبرٹ فریدی کو پنجر سے متعلق اور بہت سی باتیں بتاتا رہا۔ پھر اس نے کہا کہ وہ انہیں اس راستے سے لے چلے گا جو ڈاکٹر ٹسڈل کے پہاڑی کاٹیج میں نکلتا تھا کیونکہ وہیں قریب ہی ایک جگہ ہر وقت ایک پہرہ موجود رہتا ہے۔ جیسے ہی وہ نکاسی کے راستے کے قریب پہنچے پہرہ داروں نے گلبرٹ کو سلیوٹ کیا اور ان کے سربراہ نے ایک سوئچ بورڈ کے کسی سوئچ پر انگلی رکھ دی۔ چھت کے قریب ایک سلیب سرکتا دکھائی دیا۔ پھر چند لمحوں کے بعد وہ اسی عمارت میں کھڑے تھے جہاں ڈاکٹر ٹسڈل نے ڈی آئی جی کی تیمارداری کی تھی۔ دو کمروں میں روشنی نظر آئی۔ گلبرٹ ٹھٹک گیا اور اس نے فریدی وغیرہ کو پھر رکنے کا اشارہ کیا۔ اتنے میں انہوں نے کسی عورت کی چیخیں سنیں جو برابر والے کمرے سے اُبھری تھیں۔ پھر انہوں نے گراہم کی غراہٹ سنی جو کہہ رہا تھا ”اگر تم میری بات نہ مانی تو تمہارا حشر ریٹا ہی کا سا ہوگا۔ تم نے دیکھا تھا ٹیلی ویژن اسکرین پر کس طرح اُس نے اُسے مار ڈالا تھا۔“

فریدی ”سعیدہ“ کہتا ہوا دروازے کی طرف جھپٹا۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر دروازے پر ٹکر ماری۔ دروازہ چڑچڑاہٹ کے ساتھ ہلا تھا۔

”کون ہے......؟“ وہ اندر سے دہاڑا۔ لیکن اتنی دیر میں دوسری ٹکر دروازے پر پڑ چکی تھی۔ فریدی دروازے سمیت کمرے کے اندر جا پڑا تھا۔

”اُوہ......!“ اس نے اس کی غراہٹ سنی اور بڑی پھرتی سے اٹھ بیٹھا۔ ویسے اٹھتے اٹھتے اُس نے دیکھ لیا تھا کہ گراہم نے کوئی چیز جیب سے نکالی ہے اور پھر اس کی پھرتی ہی نے اُسے بچایا۔ گراہم کے مٹھی سے نکلنے والی غبار آلود شعاع اس سے ایک فٹ کے فاصلے پر دیوار پر پڑی تھی۔ پھر ویسی ہی ایک شعاع فریدی کی مٹھی سے بھی نکل کر گراہم کے اس ہاتھ پر پڑی جس سے شعاع نکلی تھی۔ گراہم کے حلق سے ایک بے ساختہ قسم کی چیخ نکلی اور وہ اچھل کر دیوار

سے جا لگا۔ پنجر بھی اس کے ہاتھ سے نکل کر فرش پر آ گرا تھا۔ جسے فریدی نے جھپٹ کر اٹھا لیا۔ سعیدہ ایک گوشے سے دوڑتی ہوئی آئی اور فریدی کے بازو سے جھول گئی۔ حمید نے آگے بڑھ کر اسے ہٹایا۔ لیکن وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ حمید اسے ایک طرف ہٹا لے گیا۔ گراہم دیوار سے لگا کھڑا ہانپ رہا تھا۔ دفعتاً اس کی نظر گلبرٹ پر پڑی اور وہ بوکھلا گیا۔ یہ اور بات ہے کہ اس وقت گلبرٹ فریدی کو قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔

”تو یہ تم ہی تھے۔“ گلبرٹ دانت پیس کر غرایا۔

”ہاں دوست میں نے ہی تمہارا پنجر اس وقت تمہاری جیب سے غائب کر دیا تھا۔ جب تم گراہم کے ساتھ میرے قریب سے گزر رہے تھے۔“

”تم کون ہو؟“ گراہم نے گلبرٹ سے پوچھا۔

”میں گلبرٹ ہوں کرنل...... جسے تمہارے حکم سے مار ڈالا گیا تھا۔ اس شخص نے مجھے زندہ کر دیا۔ اس نے میرا گلا نہیں گھونٹا تھا۔ اس طرح مجھے اپنا احسان مند بنا لیا اور تمہاری طرف سے میرے دل میں کینہ بیٹھ گیا تھا۔ کیونکہ تم نے محض پنجر گم کر دینے کی سزا موت ٹھہرائی تھی۔“

”اس لئے تم غداری پر آمادہ ہو گئے۔“ گراہم آنکھیں نکال کر غرایا۔

”اس نے مجھے دھوکا دیا تھا۔ اب میں پھر تمہارے ساتھ ہوں۔ غداری ریکا نے کی ہے۔“

”کیوں ریکا......؟“

”ہاں...... میں پوری انسانیت کے ساتھ غداری نہیں کر سکتی۔ میرے ملک میں کتنے آدمی ہیں کہ اُن کے لئے میں ساری دنیا کو جہنم بنا دینے کی سازش میں شریک رہوں۔“

دفعتاً گلبرٹ نے فریدی پر چھلانگ لگائی۔ اس نے اُسے ہاتھوں ہی پر روک کر سر سے اونچا اٹھا لیا۔ اس نے گردن پکڑنے کی کوشش کی ہی تھی کہ فریدی نے اُسے فرش پر پٹخ دیا۔ وہ دوبارہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگا اور اس بار فریدی کی ٹھوکر اس کی پیشانی پر پڑی۔ یہ ٹھوکر ایسی تھی کہ وہ دوبارہ نہ اٹھ سکا۔

”اب تم بتاؤ گراہم کیسی موت مرنا چاہتے ہو۔“ فریدی نے گراہم کو گھورتے ہوئے کہا۔

"مگر نہیں پہلے یہ بتاؤ کہ میرا دوسرا ساتھی کہاں ہے۔"

"تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں سب کچھ تباہ کر دوں گا۔" گراہم نے بورڈ سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ کی طرف دوسرا ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ غبار آلود شعاع اس پر پڑی بے ساختہ بلبلاتا ہوا دوسری طرف ہٹ گیا۔

"حمید اسے باندھ لو۔" فریدی نے حمید سے کہا جو بے ہوش سعیدہ کو دیوار کے بٹھا چکا تھا۔

"خبر دار...... میرے قریب نہ آنا۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔" گراہم چیخا۔ اس وقت ایک فٹ کے فاصلے سے جسے چاہوں ختم کر دوں۔

"احمقانہ دھمکی ہے گراہم...... اگر تم ایسا کر سکتے تو ہمیں اپنے قریب آنے د فریدی مسکرا کر بولا۔ دفعتاً دوسرے کمرے سے آواز آئی۔ "ارے تم کہاں گئیں۔" قاسم تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ گہری نیند سے بیدار ہو کر کسی کو آوازیں دے رہا ہو۔ پکارے ہی جا رہا تھا اور پکارتا ہوا بالآخر اس کمرے میں گھس آیا۔

"ہائیں......!" وہ آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

"میرے دوست مار وان سبھوں کو۔" گراہم نے لہک کر کہا۔ "دو لڑکیاں تمہاری منتظر

"قیسی باتیں کر رہے ہو بیٹا۔ میں اپنے بھائیوں کو ماروں گا۔"

ربیکا کھل کھلا کر ہنس پڑی اور بولی۔ "انجکشن کا اثر عارضی تھا گراہم۔ اب وہ پورا ہوش میں ہے۔ یہ تو ڈاکٹر کا کھیل تھا۔"

"تم کتیا بہت چبا چبا کر باتیں نہ کرو۔ تمہیں بھی دیکھ لوں گا۔"

حمید آہستہ آہستہ گراہم کی طرف بڑھ رہا تھا کہ قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ حمید بھائی۔ میں سالے کو اٹھا کر پٹخے دیتا ہوں۔"

"تم مجھے نہیں پا سکتے۔" گراہم اپنی قمیض کا کالر چباتا ہوا بولا۔ پھر کالر کو دانتوں کر فاتحانہ انداز میں بولا۔ "تم جو میری طرف بڑھ رہے ہو کبھی مجھ تک نہیں پہنچ سکو گے"

پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ ایسا لگا جیسے اس کا سر چکرا گیا ہو۔ لہرا کر زمین پر آ رہا۔

"ختم ہو گیا۔" فریدی بڑبڑایا۔

"کیا مطلب......؟" حمید احمقانہ انداز میں اس کی طرف مڑ کر بولا۔

"کالر میں کوئی بہت ہی سریع الاثر زہر تھا۔" پھر فریدی نے آگے بڑھ کر دیکھا اس کا کالر سلا ہوا نہیں تھا بلکہ دو پرتوں کے درمیان پچ بٹن لگے ہوئے تھے۔ فریدی نے کالر کی نوک کے قریب سے شیشے کے کیپسول کی کرچیں نکالیں۔ زہر اسی کیپسول میں تھا۔

اس کے بعد گلبرٹ کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کی گئیں اور ہوش آ جانے پر مجبور کیا گیا کہ وہ فریدی کو اس جگہ پہنچائے جہاں ہیلی کوپٹر موجود ہے۔ اس سے پہلے اس نے اچھی طرح اس کی جامہ تلاشی لے لی تھی کہ کہیں اُس نے بھی زہر نہ چھپا رکھا ہو۔ ہیلی کوپٹر ہاتھ آ جانے کے بعد اس نے حمید کو وہیں چھوڑا تھا اور گلبرٹ کو باندھ کر ہیلی کوپٹر میں ڈال دیا تھا اور خود ہیلی کوپٹر کو پائیلٹ کرتا ہوا شہر پہنچا تھا۔ پھر ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر پہاڑیوں میں درجن سے زائد ہیلی کوپٹروں کا لرزہ خیز شور گونجنے لگا تھا۔ ٹسڈل زندہ ہی ہاتھ لگا۔ وہ ابھی تک بے ہوش تھا۔ اب ربیکا کی حالت بھی غیر ہونے لگی تھی۔ اس نے حمید سے کہا۔ "اب جن حالات سے دوچار ہونا پڑے گا اُن سے بچنے کے لئے میں بھی خودکشی کر سکتی تھی۔ لیکن میں ٹسڈل کے لئے زندہ رہنا چاہتی ہوں میں دنیا کو بتاؤں گی کہ وہ بے قصور تھا۔ اور تمہاری حکومت سے اُس کے لئے رحم کی اپیل کروں گی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کا ذہن سن ہو کر رہ گیا تھا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 101

ٹسڈل کی بیداری

(دوسرا حصہ)

پیش رس

"ٹسڈل کی بیداری" ایک ایسی عورت کی کہانی ہے، جسے ٹسڈل کی بے چارگی سے پیار تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ٹسڈل اس اعصابی مرض سے نجات پا سکے، وہ اسے جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھی لیکن اُسے صحت یاب نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ ہے نا عجیب بات۔

انسانی ذہن ایک ایسا معمہ ہے جس کا حل بسا اوقات ماہرین نفسیات کے بس کا روگ بھی نہیں رہتا۔ ہوسکتا ہے کہ ربیکا کی یہ ذہنی کیفیت کسی قسم کے فوبیا سے تعبیر کی جائے لیکن یہ فوبیا ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ آدمی کو خودکشی کی طرف لے جائے۔ صنفی زندگی سے متعلق فوبیاز اتنے بھیانک نہیں ہوسکتے۔

اس کہانی میں ایک سرد مزاج قاتل سے ملئے جسے ہر قتل کے بعد ایک عورت کی ضرورت پیش آتی ہے۔

فریدی کا قتل اس کے مشن کا خاص جزو تھا۔ اپنے ہیڈ کوارٹر سے بڑی لاف گزاف کے ساتھ فریدی کے قتل کا تہیہ کرکے چلا ہے۔ لیکن فریدی بھی کسی بہت بڑے معمے سے کم نہیں۔ وہ اسے ایک بڑی بھیانک سزا دیتا ہے۔ لیکن ٹسڈل کا علاج کرکے وہ

پشیمان ہوا ہے۔

آپ فریدی کی نیچر سے بخوبی واقف ہیں کہ وہ لاف و گزاف کرنے والے مجرموں کو ہمیشہ بڑی خاموشی سے زک دیتا ہے۔ وہ انہیں اس طرح بے بس کرتا ہے کہ اپنی ہی بوٹیاں نوچتے رہ جاتے ہیں۔

کیپٹن حمید (خدا ان کی مغفرت کرے) پتہ نہیں کیوں اتنے ''شریف'' ہوگئے ہیں کہ بعض چہرے انہیں بزرگانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کردیتے ہیں۔ نگہت کچھ اسی قسم کی شخصیت ہے۔

لیکن اس کہانی میں تو انہیں صرف ڈاکٹر علوی کے گھریلو جھگڑوں سے دلچسپی رہی ہے۔ لہٰذا اس بار تو انہیں معاف ہی کردیجئے۔ فی الحال ان کے سلسلے میں مجھ سے استفسار نہ فرمایئے گا کہ وہ اتنے بجھ کیوں گئے ہیں۔

جاسوسی دنیا کے آئندہ ناول میں وہ آپ کو ایک بالکل ہی نئے روپ میں نظر آئیں گے۔

ابن صفی

۱۶ر دسمبر ۱۹۶۷

کچلی ہوئی لاش

گہری تاریکی میں گاڑی کی ہیڈ لائٹ نیزے کی طرح پیوست ہوتی چلی جارہی تھی۔

رات کے بارہ بجے تھے۔ لیکن ابھی تک انہیں شب بسری کے لئے جگہ نہ مل سکی تھی۔

وہ تین تھے اور غیر قانونی طور پر پڑوسی ملک کی سرحد پار کرکے وادی سرخاب میں داخل ہوئے تھے۔

دو مرد اور ایک عورت......!

عورت بڑی دیر سے بولے جارہی تھی۔ موضوع تھا ''چاندنی......!'' وہ کہہ رہی تھی کہ انہی سرسبز پہاڑیوں میں جب چاندنی ہولے ہولے ڈھلانوں سے اترتی ہے تو روحیں عشق کے دیوتا کے حضور سربسجود ہوجاتی ہیں۔

''تم باقاعدہ طور پر شاعری کیوں نہیں شروع کردیتیں۔'' اس کے برابر بیٹھے ہوئے مرد نے کہا۔

''جس دن میں نے یہ محسوس کرلیا کہ ڈی ایس ایلیٹ کے انداز میں لکھ سکوں گی ضرور

شاعری شروع کردوں گی۔"

اگلی سیٹ سے ڈرائیور غرایا۔ "تم لوگ بے تکی باتیں کرکے میرا دماغ کیوں چاٹ رہے ہو"

وہ دونوں خاموش ہوگئے۔ ایسا لگتا تھا جیسے انہیں اس کا طرز تخاطب ناگوار گزرا ہو۔

یہ تینوں مغربی ممالک سے تعلق رکھتے تھے اور انگریزی میں گفتگو کررہے تھے۔

عورت نے جھک کر آہستہ سے مرد کے کان میں کہا۔ "مجھ اس سے خوف معلوم ہوتا ہے"

"ہشت......!"

یہ دونوں اسمگلر تھے اور گاڑی ڈرائیو کرنے والا دو دن پہلے اُن کے لئے قطعی اجنبی تھا۔ پکیسی اینڈ ہورلیس کے نام سے یہ دونوں سرحد پار کے ملک میں بزنس کرتے تھے۔ یہ کاروبار غیر قانونی نہیں تھا اور وہ دونوں وہاں معزز ہی سمجھے جاتے تھے لیکن وہ ان کا اصل بزنس نہیں تھا۔ وارے نیارے تو اسمگلنگ میں ہورہے تھے۔

پکیسی اور ہورلیس صرف پارٹنر تھے۔ لیکن عام طور پر انہیں شوہر اور بیوی سمجھا جاتا تھا۔

پکیسی بڑی دلکش عورت تھی۔ سوسائٹی میں مقبول بھی تھی۔ اونچے طبقے میں بہتیرے لوگ اس کے خواہش مند بھی تھے۔

کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ان دونوں کی طرف انگلی بھی اٹھا سکتا۔

دو دن پہلے وہ اپنے آفس میں بیٹھے ہوئے کسی مسئلے پر گفتگو کررہے تھے کہ یہ اجنبی وہاں آیا...... ان دونوں کے ایک شناسا کا تعارفی خط لایا تھا اور پھر دو ہزار پونڈ کے نوٹوں کی گڈی نکال کر ان کے سامنے رکھ دی تھی۔

دوست نے انہیں لکھا تھا کہ وہ اُسے سرحد پار کرادیں اس کے لئے دو ہزار پونڈ کی پیش کش تھی۔

ہورلیس ایسے راستوں سے واقف تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو...... وہ تو اکثر تفریحاً وادی سرخاب تک چلا جاتا تھا۔ اس بار ارادہ تھا کہ پکیسی کو بھی اپنے ساتھ لے جائے۔ اچانک یہ پیش کش سامنے آئی اور پھر تعارفی خط لکھنے والا اس کے گہرے دوستوں میں سے تھا۔

پیش کش منظور کرلی گئی۔ اجنبی کے ساتھ اس کی گاڑی بھی تھی۔ اُس نے ان سے کہا تھا کہ وہ وادی سرخاب پہنچ کر اپنی گاڑی بھی انہیں بخش دے گا۔

ہورلیس نے سرحد پار ہوجانے تک خود گاڑی چلائی تھی اور اُس کے بعد اسٹیئرنگ وہیل اس کے سامنے کرکے خود پچھلی سیٹ پر پکیسی کے پاس جا بیٹھا تھا۔

"بس یہی سڑک ہمیں وادی سرخاب تک پہنچائے گی۔" اس نے اجنبی سے کہا۔

اور اس کے بعد وہ دونوں ہی اس سے بددل ہوگئے تھے۔ سرحد پار کرتے ہی جیسے وہ بدل گیا ہو۔ ان سے اس طرح گفتگو کرنے لگا تھا جیسے وہ اس کے زرخرید غلام ہوں۔

"تم سمجھتے کیوں نہیں۔" پکیسی آہستہ سے اُن کے کان میں بولی۔

"وہ بدل گیا ہے۔"

"تو ہمارا کیا بگاڑ لے گا۔" ہورلیس نے جواب دیا۔

پکیسی نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے اندھیرے میں گھورتی رہی۔

"اب کتنی دور ہے سرخاب ویلی۔" اجنبی اگلی سیٹ سے غرایا۔

"پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ صبح ہوتے ہی پہنچیں گے۔" ہورلیس بولا۔

"تم نے یہ بھی تو کہا تھا کہ راستے میں کہیں رک کر آرام کرسکیں گے۔"

"وہ ابھی دور ہے۔"

"تو پھر ہم چلتے ہی رہیں گے۔" اجنبی بولا۔

"لیکن میں تو آرام کرنا چاہتی ہوں۔" پکیسی نے جھنجھلا کر کہا۔

"بکواس مت کرو۔" اگلی سیٹ سے آواز آئی۔

"دیکھو دوست......!" ہورلیس آگے جھک کر سرد لہجے میں بولا۔ "تم حد سے بڑھنے والے ہو۔"

"شٹ اپ......!"

"میرا ریوالور ہر وقت بھرا رہتا ہے۔"

”میں کہتا ہوں خاموش بیٹھو۔“

ہوریس سختی سے ہونٹ بھینچے ہوئے سیٹ کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔

پکیسی کی مٹھیاں بھی بھینچ گئی تھیں۔

کار پہاڑی سڑک پر چکراتی ہوئی تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہی تھی۔

”دماغ ٹھنڈا رکھو۔“ دفعتاً پکیسی ہوریس کی طرف جھک کر آہستہ سے بولی۔

ہوریس کچھ نہ بولا۔ اس کا دماغ تپنے لگا تھا۔

دفعتاً پکیسی نے محسوس کیا کہ گاڑی کی رفتار کم ہو رہی ہے۔ اُس نے ہوریس کا شانہ

لیکن ہوریس نے اپنے شانے کو تیز قسم کی جنبش دے کر اس کا ہاتھ ہٹا دیا پھر کچھ دور چل

گاڑی رک گئی اور اجنبی ہوریس کی طرف مڑ کر بولا۔ ”دوست...... کیا تم خفا ہو گئے۔“

ہوریس کچھ نہ بولا۔

اجنبی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”غصہ تھوک دو۔ ہم بہت اچھے دو

ثابت ہو سکتے ہیں۔“

ہوریس نے غیر ارادی طور پر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

اس کے مصافحے میں خاصی گرم جوشی تھی۔

”نہیں کوئی ایسی بات نہ تھی۔“ ہوریس مصافحے کے بعد بائیں ہاتھ سے اپنی ہتھیلی سہلا

ہوا بولا۔ ”کبھی کبھی ہم غیر شعوری طور پر بہت زیادہ خود پسند ہو جاتے ہیں۔“

”ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو۔“ اجنبی نے خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”

نام پنڈو ہے۔ ولیم پنڈو......!“

”میں ڈریک ہوریس ہوں۔ تم پہلے ہی سے جانتے ہو۔“ ہوریس بولا۔

وہ اب بھی اپنی ہتھیلی سہلائے جا رہا تھا۔

اجنبی نے دوبارہ انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی چل پڑی۔

پکیسی اس دوران میں بالکل خاموش بیٹھی رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اجنبی کی یہ ح

اسے اور زیادہ نفرت انگیز معلوم ہوئی۔

وہ ہوریس سے بھی کچھ نہ بولی۔ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔ نیم غنودہ ذہن مسلسل یہی دہرائے جا رہا تھا کہ اُسے ان لوگوں کے ساتھ ہرگز نہ آنا چاہئے تھا۔ خود پکیسی نے پہلی ہی بار سرحد پار کی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اونگھنے لگی۔

پھر پتہ نہیں کب گاڑی رکی تھی اور اس کے جھٹکے سے نیند اچٹ گئی تھی۔

”کیا پوری رات ختم ہو جائے گی اس سفر میں۔“ ولیم پنڈو نے مڑ کر پکیسی سے پوچھا۔

”میں کچھ نہیں جانتی۔“ پکیسی کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

”مسٹر ہوریس......!“

”وہ شائد سو رہا ہے۔“ پکیسی بولی۔

”جگاؤ...... اور پوچھو۔“ پنڈو کا لہجہ سرد تھا۔

پکیسی نے ہوریس کا شانہ ہلایا۔ پھر آوازیں بھی دیں لیکن وہ نہ جاگا۔

”اتنی گہری نیند......!“ پنڈو نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

اب وہ اُسے زور زور سے جھنجھوڑ کر آوازیں دے رہی تھی۔

”بتی جلاؤ۔“ دفعتاً وہ ہذیانی انداز میں پنڈو سے بولی۔

پنڈو نے گاڑی کے اندر روشنی کر دی۔

اور پھر پکیسی کی چیخ سناٹے میں دور تک لہراتی چلی گئی تھی۔

”کیا بات ہے...... کیا ہوا۔“ پنڈو کے انداز میں بوکھلاہٹ تھی۔

”یہ...... یہ...... کیا ہو گیا اسے...... کیا ہو گیا۔“

پنڈو پچھلی سیٹ پر جھک کر ہوریس کو گھورنے لگا۔ اس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔

”اوہ......!“ وہ چند لمحوں بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”یہ تو...... یہ تو...... شائد...... اوہ...... یہ تو......!“

”مر گیا......!“ وہ دیوانہ وار چیخی۔ ”تم نے اسے مار ڈالا۔“

"میں نے......؟ تم پاگل ہو گئی ہو۔"

"ہاں تم نے اسے مار ڈالا۔" وہ روتی ہوئی ہوریس پر گر گئی۔

پنڈو خاموش بیٹھا پلکیں جھپکاتا رہا۔

"میں واپس جاؤں گی۔ میں واپس جاؤں گی۔" دفعتاً وہ چیخنے لگی۔ چیخے جا رہی تھی
پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے مردہ ساتھی کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ جو اب بھی ایسا لگ رہا
جیسے بیٹھے بیٹھے سو گیا ہو۔

"بھلا میں نے اُسے کس طرح مار ڈالا۔" پنڈو بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

وہ کچھ نہ بولی۔ بس ہذیانی انداز میں ہچکیاں لیتی رہی۔ پنڈو پھر بولا۔

"میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ تم دونوں ہی سو گئے ہو...... اس لئے خاموشی سے ڈرائیو کرتا
تھا۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ کچھ دیر پہلے ہمارے درمیان تیز کلامی ہو چکی تھی۔"

"میں کچھ نہیں جانتی...... واپس چلو۔"

پنڈو نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے پھر سختی سے بھینچ لئے۔

پیکسی کی ہچکیاں سسکیوں میں تبدیل ہوتی جا رہی تھیں۔

"تم یہ تو دیکھو......!" پنڈو تھوڑی دیر بعد نرم لہجے میں بولا۔ "آخر میں نے اسے کس
طرح مار ڈالا۔ اگر گلا بھی گھونٹتا تو وہ مچلتا ضرور اور تمہیں معلوم ہو جاتا۔"

پیکسی خاموش رہی۔ پنڈو بھی کچھ نہ بولا۔ گاڑی کے باہر گہرے سناٹے اور اندھیرے کی
حکمرانی تھی اور گاڑی کی دھندلی روشنی میں ہوریس کا چہرہ بڑا ڈراؤنا لگنے لگا تھا۔

"مجھے واپس لے چلو۔" پیکسی کچھ دیر بعد کراہی۔

"کیا تم اس جگہ کی نشاندہی کر سکو گی جہاں سے ہوریس نے گاڑی اس سڑک پر نکالی تھی۔"

"مجھے یاد نہیں۔"

"بدقسمتی سے میں بھی گاڑی کو اس راستے پر نہ لگا سکوں گا۔"

"کیا مطلب......؟"

"یقین کرو...... میں پہلی بار ان اطراف میں آیا ہوں۔"

"تو کیا...... تو کیا میری واپسی......!"

"تمہاری واپسی حالات پر منحصر ہوگی۔ میں کوشش کروں گا کہ تم کسی طرح واپس چلی جاؤ۔"

"میرے خدا...... یہ کیا ہو گیا۔" پیکسی نے دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ لیا۔

"میں کیا کہوں۔" پنڈو بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ ایک بہت بڑی الجھن ہے۔ اب
اس لاش کا کیا ہوگا۔"

"لاش......!" پیکسی نے چہرے سے ہاتھ ہٹا لئے اور ایسے انداز میں اُسے دیکھنے لگی
جیسے وہ اس کے لئے قطعی اجنبی ہو۔

"ہاں...... یہ لاش...... اس کے ساتھ سرخاب ویلی میں داخل ہونا مزید الجھنوں کو دعوت
دینا ہوگا۔"

"تو پھر......؟"

"اسے یہیں کہیں؟"

"نہیں...... نہیں...... یہ نہیں ہو سکتا۔"

"ہم پکڑ لئے جائیں گے۔"

"کچھ بھی ہو۔"

پنڈو نے ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے ایک بوتل اور گلاس نکالا۔

"یہ لو......!" اُس نے گلاس میں شراب انڈیل کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا ہے؟"

"برانڈی...... ورنہ تمہارے اعصاب بالکل ہی جواب دے جائیں گے۔"

پیکسی نے ہاتھ بڑھا کر گلاس لے لیا اور دو تین گھونٹوں میں خالی کر کے اُسے واپس کرتی
ہوئی بولی۔ "میرے جسم میں جان نہیں رہی۔"

"تم جلد ہی تقویت محسوس کرو گی۔"

''ہوریس دل کا بُرا نہیں تھا...... وہ تمہاری دوستی کی قدر کرتا۔ لیکن کیسے مر گیا...... سمجھ میں نہیں آتا۔ میں کیسے باور کرلوں۔''

''وہ جہاں بھی ہوتا اس وقت زندہ نہ رہتا۔ میں قضا و قدر کا قائل ہوں۔''

''یقین نہیں آتا...... یقین نہیں آتا...... میں کیا کروں۔''

''دماغ ٹھنڈا رکھو اور عقل سے کام لو......!''

پیکسی دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں دباتی رہی۔

پنڈو تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''اب ہمیں جلدی کرنی چاہیے۔''

''ہم کیا کریں؟''

''لاش کو ٹھکانے لگانے کا۔''

''اس ویرانے میں اس کی قبر بنائیں گے۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

''قبر کھودنے کا سامان نہیں ہے میرے پاس۔'' پنڈو نے کسی قدر ترشی سے کہا۔

''پھر......؟''

''ظاہر ہے کہ ہم اُسے نشیب میں لڑھکا کر آگے بڑھ جائیں گے۔''

''نہیں...... نہیں۔''

''فضول باتیں نہ کرو...... اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔''

''لیکن یہ انسانیت سے بعید ہے۔''

''نہ میں خود انسان ہوں اور نہ تمہیں سمجھتا ہوں۔'' پنڈو نے کہا اور دروازہ کھول کر نیچے آیا۔ پھر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر لاش باہر نکال ہی رہا تھا کہ پیکسی نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''نہیں...... نہیں۔''

''خاموش رہو۔'' وہ اُس کا ہاتھ جھٹک کر غرایا۔ لاش باہر نکلی اور نامعلوم گہرائیوں کی طرف لڑھکتی چلی گئی۔ پھر گاڑی اسٹارٹ ہونے میں بھی دیر نہیں لگی تھی۔

پیکسی پچھلی سیٹ پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی خلاء میں گھورے جا رہی تھی۔

یہ ہوریس تھا جسے اس نے اپنی زندگی سے بھی زیادہ عزیز رکھا تھا۔ دونوں گردن تک یوں میں غرق تھے۔ لیکن ایک دوسرے کے مخلص تھے۔ ہوریس جو تنہا دس پر بھاری تھا۔ اتنی بےبسی سے مر گیا اور کسی مردہ جانور کی طرح پھینک دیا گیا۔

پیکسی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اسکے سر کے اندر برف کا ایک بڑا سا ٹکڑا رکھ دیا گیا ہو۔

کار پھر پہلے ہی کی سی تیز رفتاری سے راستہ طے کرنے لگی تھی۔

پیکسی کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بے کراں اندھیرا خود اس میں سمایا جا رہا ہو۔

کچھ دیر بعد پنڈو نے اونچی آواز میں پوچھا۔ ''کیا تم سو رہی ہو......؟''

''نہیں......!'' پیکسی کو اپنی آواز اجنبی سی لگ رہی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ ہم کسی بستی کے قریب ہیں۔''

پیکسی کچھ نہ بولی۔

''کیا تم وہاں رک کر رات گزارنا پسند کرو گی۔'' پنڈو نے پوچھا۔

''میں کچھ نہیں جانتی...... میرے ذہن پر سوالات کا بار نہ ڈالو۔''

کچھ دور بلندی پر روشنی نظر آ رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے جا بجا چراغ روشن ہوں۔

لیکن پیکسی نے محسوس کیا کہ وہ روشنیاں متحرک ہیں اور پھر دفعتاً اُسے یاد آیا کہ ہوریس ان اطراف کے رہزنوں کا تذکرہ کیا کرتا تھا۔

''ٹھہرو...... ٹھہر جاؤ۔'' وہ پنڈو کا شانہ جھنجھوڑ کر بولی۔

گاڑی ڈگمگائی...... پھر بریک چرچرائے۔

''خطرہ ہے۔'' پیکسی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''کیا مطلب......؟''

''دیکھو...... وہ روشنیاں حرکت کر رہی ہیں؟''

''ہاں تو پھر......؟''

"وہ رہزن معلوم ہوتے ہیں۔ مشعلیں لئے ہوئے۔"

"تم نے تو کہا تھا ادھر کبھی نہیں آئیں۔"

"تذکرہ سنا ہے......وہ بے رحم اور بے باک ہوتے ہیں۔"

پنڈو ان روشنیوں کو گھورنے لگا۔ وہ سچ مچ متحرک تھیں اور آہستہ آہستہ اُن کی طرف بڑھتی آرہی تھیں۔

"ہوسکتا ہے تمہارا خیال درست ہو۔" اس نے پیکسی کو مخاطب کیا۔

"وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ تمہیں اٹھالے جائیں گے" پنڈو ہنس کر بولا۔ "اور مجھے مار دیں گے۔"

"اسے مذاق نہ سمجھو۔" پیکسی جھنجلا گئی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ اُس نے ہورلیس کی زبانی ان پہاڑی رہزنوں کی سفاکیوں کے قصے سنے تھے۔

"انہوں نے آگے کہیں سڑک روک دی ہوگی۔"

"وہ کس طرح؟"

"بڑے بڑے پتھر رکھ دیئے ہوں گے۔"

"اچھی بات ہے......تو نیچے اُتر چلو......!" پنڈو نے انجن بند کرتے ہوئے کہا۔

"کیا کرو گے تم......؟" پیکسی نے پوچھا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ نیچے اُتر جاؤ۔" پنڈو غرایا۔

اس نے دروازہ کھولا اور کانپتے ہوئے پیروں سے نیچے اُتر گئی۔ حالانکہ سردی اتنی نہیں تھی کہ اعصاب پر قابو نہ رہتا۔ پھر بھی بُری طرح کانپ رہی تھی۔ پنڈو نے ٹارچ روشن کی اور نشیب میں اترنے لگا۔ ڈھلان معمولی سی تھی۔ وہ ایک بڑے سے پتھر کی اوٹ میں چلے گئے تھے۔ پیکسی روشنیوں کی طرف دیکھے جارہی تھی۔ جلد ہی اس کا اندیشہ درست ثابت ہوا۔ گاڑی کے گرد آٹھ دس مشعلیں نظر آئیں۔

آنے والوں کے چہرے خوفناک تھے اور اُن کے کاندھوں سے رائفلیں لٹکی ہوئی تھیں۔

پیکسی سہم کر اس کے بازو سے لگ گئی۔ کچھ ایسی سراسیمگی کا شکار ہوئی کہ موجودہ چویشن کے علاوہ اور کوئی تاثر ذہن میں باقی نہ رہا۔ وہ یہ بھی بھول گئی کہ کچھ دیر پہلے اسی آدمی کو ہورلیس کا قاتل ٹھہرا چکی تھی۔ پنڈو کا ہاتھ اس کی کمر کے گرد حلقہ کرچکا تھا۔

آنے والے مشعلیں اونچی کر کر کے چاروں طرف نظریں دوڑا رہے تھے۔ پھر وہ انہیں کی طرف نشیب میں اُترنے لگے۔ انہوں نے اپنے شانوں سے رائفلیں اُتار لی تھیں۔

پنڈو کا بایاں ہاتھ پیکسی کی کمر سے ہٹ گیا اور دوسرے ہی لمحے میں اُس نے اپنے قریب ہی ٹامی گن کی تڑتڑاہٹ سنی۔

ساری مشعلیں بیک وقت نشیب میں لڑھکتی چلی آئیں۔ وہ سب آوازیں نکالے بغیر ڈھیر ہو گئے تھے۔ مشعلیں زمین پر پڑی جل رہی تھیں اور دس مردہ آدمی ان کی روشنی میں ہزار ہا سال پرانی کہانی ایک بار پھر دہرا رہے تھے۔ "جہد البقا" کی کہانی۔ ایک آدمی نے زندہ رہنے کے لئے انہیں مار ڈالا تھا۔

دفعتاً پیکسی کو اپنے خون میں گرمی محسوس ہوئی۔ ایک عجیب سی تحریک تھی جس کے تحت وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"آؤ......!" پنڈو پھر اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔

پھر وہ اسی طرح اس کے ساتھ گاڑی تک گئی تھی جیسے وہ سالہا سال سے ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے رہے ہوں۔ پنڈو نے اس کے لئے اگلی ہی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔ پنڈو دوسری طرف نہیں بیٹھا تھا۔

کچھ دیر بعد اُس نے اندھیرے میں دیکھا جیسے وہ نشیب سے کوئی وزنی چیز گھسیٹتا ہوا سڑک پر لا رہا ہو۔ لیکن اس نے زبان نہیں کھولی۔ خاموش بیٹھی رہی۔ اس وقت اس کا ذہن بالکل سپاٹ تھا نہ ماضی یاد تھا اور نہ مستقبل کی فکر تھی۔

اُسے یہ بھی نہ محسوس ہوسکا کہ پنڈو کتنی دیر بعد واپس آکر گاڑی میں بیٹھا تھا۔ البتہ جب

اُس نے گاڑی کے ہیڈ لیمپ روشن کئے تو سامنے سڑک پر دس لاشیں برابر سے پڑی نظر
اور پھر گاڑی انہیں کچلتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی۔ ایک بار پھر اس کے ذہن کو جھٹکا
سوچنے لگی آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔ لاشیں جہاں تھیں وہیں پڑی رہنے دی جاتیں
سڑک پر ڈال کر کچلنے کی کیا ضرورت تھی۔

اس کے جسم پر پھر لرزہ طاری ہوگیا۔ پنڈو خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ پھر اُسے
یاد آیا۔ اس کی موت یاد آئی۔ کتنی بے بسی سے مرگیا تھا۔ پتہ نہیں پنڈو نے اُسے مار ڈالنے
لئے کون سا طریقہ اختیار کیا ہو۔

وہ آنکھیں بند کر کے سیٹ کی پشت گاہ سے ٹک گئی۔ گاڑی تیز رفتاری سے راستہ
کررہی تھی۔

دفعتاً پنڈو بولا۔ ''کیا تم سو رہی ہو۔''

''نہیں......!''

''میرا خیال ہے کہ تم اتنی خاموش طبع بھی نہیں ہو۔''

''میں کچھ بھی نہیں ہوں۔'' وہ مردہ سی آواز میں بولی۔

''بولتی رہو......بہت دنوں بعد میں اتنے اچھے موڈ میں آیا ہوں۔''

''ہوں......!''

''تین سال سے میری زندگی بڑی بے بسی کے ساتھ گزر رہی ہے۔ اس وقت ایسا
رہا ہے جیسے ابھی جاگا ہوں۔ تین سال کی طویل نیند سے نجات ملی ہے۔''

''لیکن تم نے ہورلیس کو کیوں مار ڈالا......اس نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔''

پنڈو نے قہقہہ لگایا۔

''اوہ......تو......میرا شبہ درست ہے۔''

''حقیقتاً اسی نے مجھے جگایا ہے۔''

''کیا مطلب......؟''

''اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ وہ ہر وقت بھرا ہوا ریوالور رکھتا ہے۔''

''اتنی ذرا سی بات پر تم نے اُس کا گلا گھونٹ دیا۔''

''یہ غلط ہے......میں نے اس کا گلا نہیں گھونٹا۔''

''تم نے اُسے مار ڈالا۔''

''یہ درست ہے۔''

''تم نے......!'' وہ ہذیانی انداز میں چیخی۔

پنڈو نے گاڑی کی رفتار کم کردی۔ پیکسی کا جسم پھر کانپنے لگا تھا۔

''پچھلی سیٹ پر چلو۔'' پنڈو غرایا۔

''نن......نہیں۔''

''پچھلی سیٹ پر چلو۔'' اس بار لہجہ بے حد خونخوار تھا۔

پیکسی نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور نیچے اُتر گئی۔ پھر بالکل
مشینی طور پر اُس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا تھا اور اندر بیٹھ گئی تھی۔

پنڈو نے بھی اگلی سیٹ چھوڑ دی۔

لومڑی کی تلاش

پھر وہ دبوچ لی گئی۔ خونخوار شکاری کتے نے اُس پر چھلانگ لگائی تھی۔ کیپٹن حمید نے قہقہہ
لگایا۔ صبح سے اس پہاڑی لومڑی کا تعاقب کرتا رہا تھا۔ دو تین فائر بھی کئے تھے۔ سب خالی
گئے۔ لیکن بالآخر تربیت یافتہ بلڈ ہاؤنڈ نے اس پر قابو پا ہی لیا۔

فریدی کی ہدایت تھی کہ لومڑی زندہ ہی ہاتھ آنی چاہئے۔

بمشکل تمام وہ اُسے کتے سے چھڑا کر کینوس کے تھیلے میں منتقل کرسکا۔ لومڑی بُری طرح

غرائے جارہا تھا۔ تھیلا اٹھا کر چلنا شروع کیا تو بلڈ ہاؤنڈ پریشان کرنے لگا۔ جس سمت جُو تھا اُدھر جانے کی بجائے دوسری طرف غرا غرا کر دوڑنا شروع کر دیا۔

حمید نے جھلاہٹ میں اس کے پٹے پر ہاتھ ڈال دیا۔ اب ایک طرف تو وہ ہوا میں اچھل کود رہا تھا اور دوسرے ہاتھ میں پائے جانے والے تھیلے میں لومڑی مچل رہی تھی۔

وہ آسمان کی طرف منہ اٹھا کر بولا۔ ''پروردگار...... اگر وہ شخص پاگل ہوگیا ہے تو مجھے کچھ دنوں کے لئے کم از کم ملیریا ہی میں مبتلا کر دے۔''

پھر تھیلا اس نے زمین پر ڈالتے ہوئے کتے کو گھونسہ دکھا کر کہا۔ ''تو تربیت یافتہ ہے میں کورا ہوں اسے ہمیشہ یاد رکھنا۔''

کتے پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بدستور ایک طرف بھاگ نکلنے کے لئے زور لگائے جارہا تھا۔ حمید کا جانا پہچانا کتا تھا۔ جسے خود فریدی نے تربیت دی تھی اور وہ اس سے پہلے بھی بار اُسے شکار میں استعمال کر چکا تھا۔ یہ اچھل کود بے معنی نہیں ہوسکتی۔ ممکن ہے آس پاس کچھ لومڑیاں بھی پائی جاتی ہوں۔ تو پھر ایک ہی پر کیوں اکتفا کیا جائے۔ جتنی بھی مل سکیں پکڑ کر گاڑی میں بھر لی جائیں۔ کیا یاد کریں گے ڈیئر ہارڈ اسٹون ایک کی جگہ دس لومڑیاں۔

لومڑی چاہئے...... وہ بھی زندہ...... ہونہہ...... سچ مچ دماغ الٹ گیا ہے اس شخص ڈاکٹر ٹسڈل پر خود کوئی تجربہ فرما رہے ہیں۔ لومڑی کا خون چاہئے اس کے لئے...... کل بھینس کا پیشاب طلب فرمائیں گے اور بیچارہ حمید ہاتھوں میں تسلہ لئے بھینس کے پیشاب کی تلاش میں سرگرداں نظر آئے گا جو پیشاب کرنے کا ارادہ رکھتی ہو۔

''ایسی کی تیسی۔'' وہ جھلا کر بولا اور کتے کا پٹہ چھوڑ دیا۔

لومڑی اور تھیلا وہیں چھوڑ کر خود بھی کتے کے پیچھے دوڑنے لگا۔ کتا اُسے دشوار گزار راستوں پر لئے جارہا تھا۔

ایک جگہ رک کر اُس نے پھر اچھلنا شروع کر دیا۔ مسلسل بھونکے جارہا تھا۔

حمید سمجھ گیا کہ آگے راستہ نہیں ہے۔ قریب پہنچ کر اندازہ ہوا کہ نیچے رسائی ممکن نہیں

بیس بائیس فٹ نیچے ایک آدمی چاروں خانے چت پڑا نظر آیا۔ وہ یقیناً مردہ تھا اور کوئی سفید فام آدمی معلوم ہوتا تھا۔ حمید نے طویل سانس لی اور کتے کو اس طرح گھورنے لگا جیسے دوسرے ہی لمحے میں اُسے بھی گولی مار دے گا۔

اس نے پھر اس کے پٹے پر ہاتھ ڈالا اور گھسیٹتا ہوا اس طرف چلنے لگا جہاں لومڑی کا تھیلا ڈالا تھا۔ کتے کا جوش و خروش کم ہو چکا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنا فرض ادا کرنے کے بعد بری الذمہ ہوگیا ہو۔

لومڑی کا تھیلا اٹھا کر حمید سڑک تک پہنچنے کے لئے راستہ تلاش کرنے لگا۔ بھاگ دوڑ میں یہ بھی بھول گیا تھا کہ سڑک کس جگہ سے چھوڑی تھی۔

کچھ دیر بعد کامیابی ہوئی۔ سڑک پر پہنچ گیا۔ لیکن اپنی گاڑی کہیں نہ دکھائی دی۔

پہاڑی سڑک تھی۔ پتہ نہیں کہاں اور کس نشیب میں گاڑی ہو! آخر کس طرف رخ کیا جائے۔

دفعتاً دو گاڑیاں بائیں جانب سے آتی دکھائی دیں۔ حمید نے انہیں پہچان لیا۔ وہ پولیس کی کاریں تھیں۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں رکنے کا اشارہ کیا۔ ٹسڈل والے واقعے کے بعد سے وادی سرخاب کے سارے ہی پولیس آفیسر اُسے پہچاننے لگے تھے۔ ایک سب انسپکٹر گاڑی سے اتر کر اُس کے قریب آیا۔

''میری جیپ تو اُدھر نہیں ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''جی نہیں۔ اس طرف تو کوئی گاڑی نہیں ہے۔''

''تو پھر اُدھر ہوگی۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ پھر بولا۔ ''نیچے اُدھر ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔''

''لاش...... وہاں بھی...... ابھی تو دس لاشیں۔''

''دس لاشیں۔''

''جی ہاں...... اُس طرف دس لاشیں...... غالباً کسی گاڑی کے نیچے کچلی گئی ہیں؟''

حمید متحیرانہ نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔

سب انسپکٹر نے بتایا کہ دس کچلی ہوئی لاشیں سڑک پر پائی گئی ہیں۔ اس کے خیال کے

مطابق انہیں گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ پھر لاشیں کسی گاڑی سے کچلی گئی تھیں۔

''مقامی لوگ......!'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں۔''

''اُدھر......!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''وہ کوئی سفید فام غیر ملکی معلوم ہوتا ہے۔'' اس
اُسے وہ جگہ بتائی جہاں لاش دیکھی تھی۔ پھر وہ انہیں چھوڑ کر مخالف سمت میں چل پڑا۔

اس کی جیپ اگلے ہی نشیب میں مل گئی تھی۔ اب اُسے ہیلی کوپٹر اسٹیشن پہنچنا تھا۔

وادی سرخاب اُس کے لئے سوہانِ روح بن کر رہ گئی تھی۔ اب وہاں ان کے
مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ ڈاکٹر ٹسڈل کو راہِ راست پر لایا جا سکے۔

وہ کسی طرح بھی اس پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا کہ اُن لوگوں پر دوبارہ اپنی مشاقی
کرے جن کی شخصیتیں وہ پہلے بدل چکا تھا۔ ربیکا نے بھی اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن
بس اپنی بات پر اڑ گیا تھا۔ کہتا تھا خواہ اُسے گولی ہی کیوں نہ ماردی جائے۔ وہ دوبارہ دماغ
کو اصل جسموں میں منتقل نہیں کرے گا۔

اسی دوران میں فریدی نے حمید کو اطلاع دی کہ اب وہ اپنی سائنس ڈاکٹر ٹسڈل
آزمائے گا۔

جو کچھ بھی وہ اس سلسلے میں کرنا چاہتا تھا اُس کے لئے لومڑی کے خون کی ضرورت تھی۔

وہ لومڑی کے تھیلے اور شکاری کتے سمیت ہیلی کوپٹر اسٹیشن پر اُتر گیا۔ یہاں سے ہیلی کوپٹر
کے ذریعہ ڈاکٹر ٹسڈل کے بنگلے تک پہنچا تھا۔ فریدی کا قیام وہیں تھا اور بنگلے کے گرد دور دور
فوجی پہرہ رہتا تھا۔

ڈاکٹر ٹسڈل کے ساتھ کچھ مقامی ڈاکٹر اور سرجن بھی رکھے گئے تھے تاکہ ٹسڈل کے راہ
آجانے کے بعد وہ آپریشنوں میں نہ صرف اس کی مدد کر سکیں بلکہ اس طریقے کا مطالعہ
کر سکیں جس کے تحت وہ انہونی عمل میں آتی تھی۔

اکثر اُن ڈاکٹروں کے لواحقین بھی ہیلی کوپٹر اسٹیشن سے ٹسڈل کے بنگلے تک جاتے تھے

زیدی نے اُن کے لئے اپنے دستخطی پاس ایشو کئے تھے۔ لیکن ٹسڈل کی زیرِ زمین تجربہ گاہ میں
مخصوصین کے علاوہ اور کوئی نہیں جا سکتا تھا۔

بہر حال حمید کو ڈاکٹر ٹسڈل کے بنگلے میں قیام کرنا پڑا تھا۔ جس کے چاروں طرف
ویرانیاں ہی بکھری پڑی تھیں۔ اگر شہر میں قیام ہوتا تو ذرہ بھر بھی بوریت نہ محسوس ہوتی۔ اب تو
سردیوں کی آمد آمد تھی۔ وادی سرخاب میں سردیوں کی آمد آمد کا مطلب تھا برف باری کی ابتداء
ورنہ سردیاں تو وہاں سال بھر مقیم رہتی تھیں۔ حمید سوچتا اس ویرانے میں کیونکر زندہ رہے گا۔

ہیلی کوپٹر اسٹیشن پہنچ کر جیپ سے اُتر ہی رہا تھا کہ فریدی پر نظر پڑی۔ وہ اسی طرف
آرہا تھا۔ رک جانا پڑا۔

''کیا ہوا......؟'' اس نے قریب آکر پوچھا۔

''مل گئی......!'' حمید نے خواہ مخواہ خوشی ظاہر کی۔

''ہوں......اچھا......اُسے ساتھ لے جاؤ......میں شہر جا رہا ہوں۔''

''کھانے کی میز پر مسلم چاہئے...... یا تکے لگوا دوں۔''

''میری واپسی تک اس کی نگہداشت کرو۔ کتے کو گاڑی ہی میں رہنے دو۔ تھیلا نکال لو۔''

پھر وہ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے جیپ میں بیٹھا تھا اور جیپ اسٹارٹ کر کے اس کا رخ
سڑک کی طرف موڑ دیا تھا۔

حمید تھیلا اٹھائے ہوئے ہیلی کوپٹر کی طرف بڑھا۔ یہ ہیلی کوپٹر فریدی کو بنگلے سے لایا تھا
اور اب پھر پرواز کے لئے تیار تھا۔ قریب پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ اڑان میں وہ تنہا مسافر نہیں
ہے۔ ہیلی کوپٹر میں دو خواتین اور ایک نوعمر لڑکا پہلے سے موجود ہیں۔

وہ بھی تھیلا سنبھالے ہوئے اندر جا بیٹھا۔ تھیلا پیروں کے پاس رکھ لیا۔

اندر لومڑی پھدکی اور مسافر تھیلے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لیکن کسی نے حمید سے کچھ پوچھا نہیں۔

نوعمر لڑکا اُسے بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھے جا رہا تھا۔ حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

اس ہیلی کوپٹر میں ان کی موجودگی کا یہی مطلب تھا کہ اُن کی منزل بھی ٹسڈل کا بنگلہ ہی

ہے۔لیکن اس سے پہلے کبھی وہ تینوں وہاں نہیں دکھائی دیئے تھے۔

عورتوں میں ایک ادھیڑ عمر کی تھی اور دوسری نوجوان۔ دونوں میں خاصی مشابہت تھ

ماں بیٹی معلوم ہوتی تھیں۔ لڑکے میں بھی اُن کی ہلکی سی جھلک ملتی تھی۔لڑکی خوش لباس اور

چہرے والی تھی۔

وہ جلد ہی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ ہیلی کوپٹر بنگلے کے قریب ایک مسطح چٹان پر اُترا تھا

''آئیے...... میں آپ لوگوں کو لے چلوں۔'' حمید تھیلا سنبھالتا ہوا بولا۔ ''آپ شاید

بار یہاں آئے ہیں۔''

''جی ہاں......!'' معمر عورت بولی۔ ''میرے شوہر ڈاکٹر علوی کسی سرکاری کام کے سلسلے

میں یہاں مقیم ہیں۔''

''اچھا......اچھا......آئیے......ملاقاتیں میرے ہی ذمے ہیں۔''

''آپ......؟''

''جی ہاں......میرا مطلب یہ کہ میری اجازت حاصل کئے بغیر ملاقاتیں نہیں ہوسکتیں۔''

''اس تھیلے میں کیا ہے جناب؟'' لڑکے نے حمید سے پوچھا۔

''لومڑی۔''

اس بار لڑکی نے بھی تھیلے کو بھرپور نظروں سے دیکھا اور پھر حمید کو دیکھنے لگی۔

وہ ہیلی کوپٹر سے اُتر کر بنگلے کی طرف چل پڑے تھے۔

''میں نے آج تک کوئی لومڑی قریب سے نہیں دیکھی۔'' لڑکا بولا۔

''لومڑی کبھی قریب آتی ہی نہیں۔'' حمید نے کہا۔

''آپ اس کا کیا کریں گے۔''

''میرے چیف کا خبط ہے...... ہفتے میں ایک لومڑی۔''

''وہ کیا کرتے ہیں؟''

''پتہ نہیں۔''

وہ بنگلے میں پہنچ گئے۔ حمید نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔

''کتنی دیر بعد ملاقات ہو سکے گی۔'' معمر خاتون نے پوچھا۔ ''وہ کہاں ہیں؟''

''یہ بتانا مشکل ہے۔ البتہ آپ کی آمد کی اطلاع انہیں دی جاسکتی ہے۔''

''کیا یہ لومڑی تھیلے ہی میں بندر ہے گی۔'' لڑکے نے پوچھا۔

''نہیں......ابھی باورچی خانے میں پہنچا دی جائے گی۔''

''باورچی خانے میں۔'' تینوں کی زبان سے بیک وقت نکلا۔

حمید نے مغموم انداز میں سر کو جنبش دی۔

''یہ آپ کے چیف کس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔'' معمر خاتون نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

''مذہب کی بات نہیں محترمہ......آدمی کسی مذہب سے بھی تعلق رکھتا ہو......لیکن اُسے

ول ہونا چاہئے۔''

''کیا بات ہوئی؟''

''اب میں کیا عرض کروں۔''

''ملاقات کتنی دیر بعد ہو سکے گی۔'' لڑکی پہلی بار بولی۔

''میں ابھی فون کرتا ہوں......آپ لوگ یہیں تشریف رکھیں۔'' حمید نے کہا اور اٹھ کر

کمرے میں آیا جہاں سے تہہ خانوں کو راستہ گیا تھا۔

فون پر ڈاکٹر علوی کو اطلاع دے کر وہ پھر ڈرائنگ روم میں واپس آ گیا۔

لومڑی اب بھی تھیلے میں بندھی پڑی تھی۔

''تو اب اسے آزاد کر دیجئے نا۔'' لڑکی نے تھیلے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''یہ اتنی مہذب نہیں ہے کہ آزاد ہو جانے کے بعد شائستگی سے صوفے پر جا بیٹھے۔''

''بتائیے نا اس کا مصرف کیا ہے۔''

''میرا چیف ڈاکٹروں پر تجربات کر رہا ہے۔''

''کیا مطلب......؟'' لڑکی نے چونک کر کہا۔

"اب میں کیا عرض کروں۔ گھن آتی ہے۔"

اتنے میں ڈاکٹر علوی ڈرائینگ روم میں داخل ہوا۔ یہ چھوٹے قد کا فربہ اندام آدمی تھا

حمید نے تھیلا اٹھایا اور کمرے سے نکل آیا۔ اب وہ اُس کمرے کی طرف چل پڑا جہاں

سے ڈکٹافون پر سارے کمروں کی آوازیں سنی جاسکتی تھیں۔

یہ کام بھی اُسی کے ذمہ تھا کہ آنے جانے والوں کی نگرانی کرے۔

کمرے میں پہنچ کر اُس نے ڈکٹافون کا سوئچ آن کر دیا۔ دوسری طرف سے مسز علوی

کی کھر کھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ بڑے زہریلے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"خود تو یہاں آکر چین سے بیٹھ گئے اور اپنی زندگی اجیرن ہوگئی ہے۔ آپ کی اماں جان

ہمیں جینے نہ دیں گی۔"

"کیوں...... کیا...... کیا ہوا۔" ڈاکٹر علوی کی سہمی سی آواز آئی۔

"اتنا نہ بنئے...... جیسے جانتے نہیں۔"

"پھر بتایئے میں کیا کروں۔" ڈاکٹر علوی کی کپکپاتی ہوئی سی آواز آئی۔

ہیلی کوپٹر کے شور نے آگے کی بات نہ سننے دی۔ شائد وہ اسٹیشن پر واپس جارہا تھا۔

حمید نے بُرا سا منہ بنایا اور کان اسی طرف لگائے رکھنے کی کوشش کی۔ تھوڑی دیر بعد

لڑکے کی آواز آئی۔ "ڈیڈی...... وہ آدمی لومڑی کیوں لایا ہے؟"

"کون آدمی......؟"

"وہ جو ابھی یہاں سے گیا ہے۔"

"کیپٹن حمید۔"

"جو کوئی بھی ہو...... کہہ رہا تھا...... کہ اس کا چیف ڈاکٹروں پر کسی قسم کا تجربہ کر رہا ہے

ایک لومڑی تھیلے میں بند کر کے رکھی تھی۔ کہہ رہا تھا کہ وہ باورچی خانے میں بھیجی جائے گی۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

"آخر یہاں کیا ہو رہا ہے؟" بیگم علوی کی آواز آئی۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں!"

"ارے آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔ آپ کس سے باتیں کر رہے ہیں۔"

"بیگم......!" ڈاکٹر علوی کی سہمی ہوئی سی آواز آئی۔ "یہ گھر نہیں ہے۔ محتاط رہئے۔"

"کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ کہ سرکاری راز ہے۔ آپ اس کے بارے میں کچھ نہ پوچھئے۔"

"لو...... اب مجھ سے بھی سرکاری درباری چلے گی۔"

"بیگم...... پلیز......!"

"میں کچھ نہیں جانتی۔" وہ ایک دم سے بھڑک اٹھی۔ "میں تمہاری ماں کے ساتھ نہیں رہ

سکتی۔ آج ہی بچوں کو لے کر جدھر سینگ سمائیں گے چل دوں گی۔"

"ممی......!" لڑکی کی آواز آئی۔

"تم چپ رہو...... حد ہوتی ہے...... بڑھاپا آگیا انہیں کم بختوں میں۔ اب میں کسی کی

بھی نہیں سنوں گی۔"

"نگی بیٹی...... انہیں سمجھاؤ......!" ڈاکٹر علوی کی آواز آئی۔

"اچھا تو اب میرے پیٹ کے کیڑے مجھے سمجھائیں گے۔"

"بیگم سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"ممی لومڑی۔" لڑکا بول اٹھا۔

"جہنم میں گئی لومڑی۔ تم بھی خاموش رہو۔"

"ممی...... ہیلی کوپٹر تو واپس چلا گیا۔ اب ہم واپس کیسے جائیں گے۔" لڑکی کی آواز آئی۔

"ہائیں واپس چلا گیا۔" ڈاکٹر علوی کی آواز آئی۔

"کمال ہے! آپ نے آواز نہیں سنی۔ ہمارے سروں سے چنگھاڑتا ہوا گزرا تھا۔"

"اگر وہ چلا گیا ہے تو پھر پتہ نہیں کب آئے۔"

"ہاں...... تم تو چاہتے ہو جتنی جلد دفع ہو جاؤں اچھا ہے۔" بیگم پھر اُبل پڑی۔

''مم......میرا مطلب یہ نہیں ہے۔''

''پھر اور کیا بات ہے۔''

''اب میں کیا کروں؟''

''ڈیڈی بتایئے نا وہ لومڑی۔'' لڑکی کی آواز آئی۔

''بیٹے میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ کیپٹن حمید...... بہت دلچسپ آفیسر ہے۔ اس نے
کچھ کہہ دیا ہوگا۔''

''نہیں......لومڑی تھی تھیلے میں۔''

''تم نے دیکھا تھا۔'' لڑکی کی غصیلی آواز آئی۔

''پھر کیا چیز تھی؟''

''تم سے مطلب......خاموش بیٹھو۔''

''بولنے دو......بولنے دو۔'' ڈاکٹر علوی کی آواز آئی۔

''جی ہاں......وہ بولتا رہے تاکہ میں نہ بول سکوں۔'' بیگم علوی پھر بھڑک اٹھیں۔ ''تو
بول......میرا تو مقدر ہی ایسا ہے۔''

''ممی مقدر کسے کہتے ہیں......لفظ مقدر پر مجھے ایسا لگتا ہے جیسے ڈیڈی ایک تخت پر ''گو
بدھ'' اسٹائل میں آنکھیں بند کئے بیٹھے ہوں۔''

ڈاکٹر علوی کی نروس سی ہنسی سنائی دی۔

''ان کم بختوں کو بھی شوخ کر دیا ہے آپ نے۔'' بیگم علوی کی للکارتی ہوئی آواز سنائی
دی۔ ''مقصد یہ ہے کہ مجھے کسی طرف سے بھی سکھ نصیب نہ ہو۔''

''انور تم کیوں بکواس کر رہے ہو۔'' لڑکی کی آواز آئی۔

''میں نے کیا کہا ہے......لفظ مقدر مجھے ایسا ہی لگتا ہے۔''

''اچھا بس خاموش رہو۔''

حمید نے طویل سانس لی اور لومڑی کے تھیلے کی طرف دیکھنے لگا۔

حمید نے سوچا ڈاکٹر علوی دشواری میں پڑ گیا ہے۔ اس کی مدد کرنی چاہئے اور یہ مدد اسی
صورت میں ہو سکتی ہے کہ اس کی بیوی کو بولنے سے روک دیا جائے۔ وہ پھر لومڑی والا تھیلا
اٹھائے ہوئے ڈرائینگ روم میں داخل ہوا۔ ڈاکٹر علوی کے چہرے پر تازگی نظر آنے لگی۔
ل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل گیا ہو۔

''اوہو......!'' وہ چونک کر بولا۔ ''تو واقعی اس میں لومڑی ہے۔''

''ہاں ڈاکٹر......!'' حمید تھکی تھکی سی آواز میں بولا۔

''آخر اس کا مصرف......!''

''کچھ لاشعوری گرہیں ہوتی ہیں جو آدمی کو غیر معمولی بنا دیتی ہیں۔ میرے چیف کے
ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔''

''آپ کرنل فریدی کے بارے میں کچھ کہہ رہے ہیں؟'' ڈاکٹر علوی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جی ہاں......جی ہاں۔''

''میں کچھ نہیں سمجھا۔''

''سمجھا تو میں بھی نہیں ہوں۔ حالانکہ ہر ہفتے ایک لومڑی پکڑ کر لاتا ہوں۔''

اب وہ سب ہی ہمہ تن توجہ بن گئے تھے اور حمید کسی ماہر داستان گو کی طرح محض اپنے
لہجے کے اُتار چڑھاؤ سے اُن کا اشتیاق بڑھائے جا رہا تھا۔ آخر ڈاکٹر علوی نے کھنکھار کر
کہا۔ ''کیا نشانے بازی کی مشق کرتے ہیں؟''

''اب میں کیا عرض کروں۔'' حمید نے مصنوعی کھسیاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

''ارے تو بتایئے نا......!'' بیگم علوی بول پڑیں۔

''صاحب کیا کہا جائے......وہ اس لومڑی کو دلہن بنائیں گے۔''

''کیا......؟'' بیک وقت سب کی زبانوں سے نکلا۔ لیکن حمید ان کی طرف توجہ دیئے بغیر
بدستور مغموم لہجے میں کہتا رہا۔ ''اس کے چاروں پیر باندھ دیں گے اور سر پر ریشمی دوپٹہ اس
طرح ڈالیں گے جیسے دلہنوں کے گھونگھٹ نکالے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر علوی۔ یہ ایک دردناک

کہانی ہے۔ کوئی ماہر نفسیات ہی اس کی توجیہہ کر سکے گا۔ وہ اس کے گھونگھٹ میں جھانک
......مسکراتے ہیں......پھر اچانک پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیتے ہیں۔''

آخری جملے پر حمید کی آواز گلوگیر ہوگئی اور موٹے موٹے قطرے آنکھوں سے گال
ڈھلک آئے۔

ایک غم ناک سی خاموشی کمرے کی فضا پر مسلط ہوگئی تھی۔

''بڑی عجیب بات ہے......!'' دفعتاً لڑکی بولی۔ ''میں نفسیات کی طالبہ ہوں....لیکن یہ لومڑی

''کرنل فریدی غیر شادی شدہ ہیں غالباً۔'' ڈاکٹر بولا۔

''اوہ......تب تو......!'' لڑکی مضطربانہ انداز میں بولی۔ لیکن اُس نے جملہ پورا نہیں کیا

''کیا آپ روشنی ڈال سکیں گی......از روئے نفسیات۔'' حمید نے مغموم لہجے میں پوچھا

''ممکن ہے......لومڑی کسی چالاک عورت کی علامت ہو سکتی ہے جس نے کبھی ان
دھوکہ دیا ہو۔''

حمید نے اس طرح آنکھیں پھاڑ کر اس کا یہ جملہ سنا جیسے خود بھی اسی کے امکان پر غور کر
رہا ہو۔ وہ آہستہ سے بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ لومڑی کی شکل کی عورت تھی۔''

''لومڑی کی شکل کی عورت......؟''

''جی ہاں۔ بعض چہروں کو دیکھ کر نہ جانے کیوں لومڑیاں یاد آتی ہیں۔''

''جی نہیں! لومڑی صرف کسی چالاک اور مکار عورت کا سمبل ہو سکتی ہے۔''

''بڑی قابل ہو نا تم......بس خاموش رہو۔'' بیگم علوی نے بیٹی پر آنکھیں نکالیں۔

''نگی ٹھیک کہہ رہی ہے بیگم۔'' ڈاکٹر علوی بولا۔

اتنے میں پھر ہیلی کوپٹر کی آواز سنائی دی اور وہ خاموش ہوگئے۔ لڑکا چھپ کر کھڑکی کی
طرف بڑھا۔ ''یہیں اتر رہا ہے۔'' اس نے چیخ کر کہا۔

بیگم علوی ڈاکٹر کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی اور حمید نے تہیہ کر لیا
کہ اب ڈرائنگ روم سے نہیں ٹلے گا۔ دفعتاً برآمدے میں قدموں کی آواز سنائی دی اور

زیدی ڈرائینگ روم میں داخل ہوا۔

''لومڑی۔'' حمید نے تھیلے کی طرف اشارہ کیا۔

زیدی نے جھک کر اُسے اٹھایا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ وہ سب ہکا بکا حمید کی
طرف دیکھتے رہے۔

''یقین نہیں آتا۔'' ڈاکٹر علوی نے کچھ دیر بعد بھرائی آواز میں کہا۔ ''اتنا شاندار آدمی اور یہ۔''

''آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' بیگم علوی نے ڈاکٹر کو گھورتے ہوئے کہا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ سب ہی اچھل پڑے۔ کیونکہ کہیں قریب ہی سے ایک کربناک چیخ
سنائی دی تھی۔

نیلی ٹائیاں

سب سے پہلے حمید ہی دروازے کی طرف جھپٹا۔ آواز برابر کے کمرے سے آئی تھی لیکن
اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔ تیسرے کمرے میں پہنچا۔ وہ بھی خالی ملا۔ یہاں سے بھی روانگی کے لئے
مڑا ہی تھا کہ دروازے میں لڑکی اور لڑکا کھڑے نظر آئے۔

''یہ کیسی آواز تھی۔'' لڑکی نے پوچھا۔

''پتہ نہیں۔'' حمید نے پر تشویش لہجے میں جواب دیا۔

وہ دونوں پیچھے ہٹ گئے اور حمید چوتھے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کا دروازہ بند تھا۔ حمید
نے ہینڈل گھمانے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دروازہ خود بخود کھل گیا۔ لیکن کرنل فریدی راہ
میں حائل تھا۔ اس نے حمید کو عجیب نظروں سے دیکھا۔ ''کیا ہے۔''

''میں شہر جانا چاہتا ہوں۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''دفع ہو جاؤ۔'' فریدی نے کہہ کر دروازہ بند کر دیا۔

حمید نے موقع غنیمت جانا...... کئی دنوں بعد ''دفع ہو جاؤ'' کی خوشگوار نوید ملی تھی۔

وہ ڈرائینگ روم میں آیا۔ ڈاکٹر علوی نے اس سے اس آواز کے بارے میں پوچھا۔

''پتہ نہیں لومڑی کے ساتھ کیسا برتاؤ ہوا ہے۔'' حمید نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

دفعتاً علوی کے لڑکے نے پوچھا۔ ''ڈیڈی یہ وہی کرنل فریدی تو نہیں ہیں جنہوں نے میں دلبین کی مشینی آندھی کا پتہ لگایا تھا۔''

''ہاں...... وہی ہیں...... اور یہ ان کے اسسٹنٹ کیپٹن حمید۔''

''اوہ...... اوہ......!'' لڑکا مضطربانہ انداز میں حمید کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ ''تو بہت اچھے آدمی ہیں۔ اگر ہم دوست بن جائیں تو۔''

''مجھے خوشی ہوگی۔'' اُس نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

لڑکا نٹ کھٹ معلوم ہوتا تھا۔ ویسے حمید نے محسوس کیا کہ اُس کی بہن اُس کی اس کو پسندیدگی سے نہیں دیکھ رہی تھی۔

''ارے...... بھئی......!'' دفعتاً ڈاکٹر علوی چونک کر بولا۔ ''کہیں ہیلی کوپٹر نہ چلا جائے''

ہیلی کوپٹر سے وہ اسٹیشن تک آئے تھے۔ اسٹیشن پر ڈاکٹر علوی کی گاڑی موجود تھی۔ نے وہ جیپ سنبھالی جس سے کچھ دیر پہلے سفر کیا تھا۔

اُس نے جیپ اسٹارٹ کی ہی تھی کہ علوی کا لڑکا دوڑا ہوا آیا۔ ''ہم دونوں دوست ہیں نا۔'' اس نے کہا۔

''بالکل ہو گئے ہیں۔''

''تو پھر شام کی چائے ہمارے ساتھ پیجئے گا۔''

''تمہاری ممی بڑی خونخوار معلوم ہوتی ہیں۔''

''صرف ڈیڈی اور دادی جان کے لئے۔''

''اچھا...... اچھا......!''

''بس ہماری گاڑی کے پیچھے چلے آیئے...... باجی کی ڈرائیونگ بڑی اچھی ہے۔''

''ہوں...... اچھا...... بہت بہت شکریہ۔''

لڑکا اپنی گاڑی کی طرف چلا گیا۔ حمید منتظر رہا کہ ڈاکٹر علوی کی گاڑی آگے نکل جائے۔ لڑکی ڈرائیو کر رہی تھی۔

خاصی قبول صورت لڑکی تھی۔ شائستہ بھی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اپنے ماحول سے اکتائی ہوئی سی لگتی تھی۔ کچھ دیر بعد اس کی جیپ ڈاکٹر علوی کی گاڑی کے پیچھے جا رہی تھی۔ اس پوائنٹ پر جہاں حمید نے لاش دریافت کی تھی پولیس والوں کی بھیڑ نظر آئی۔ وہ آنے جانے والی گاڑیوں کو روک رہے تھے اور ان کی تلاشیاں لی جا رہی تھیں۔ ڈاکٹر علوی کی گاڑی بھی رکوائی گئی۔ اُس کے پیچھے حمید کی جیپ خودبخود رک گئی۔ وہ جیپ سے اُتر کر اُن لوگوں کی طرف بڑھا۔ ایک سب انسپکٹر لڑکی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ حمید کو قریب دیکھ کر وہ اس کی طرف مڑا۔

''یہ لوگ میرے ساتھ ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''آپ کون ہیں جناب۔'' انسپکٹر کے لہجے میں کسی قدر تلخی تھی۔ حمید نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''اوہ...... اچھا......!'' وہ مسکرایا۔ ''مجھے بھی صورت جانی پہچانی سی معلوم ہوئی تھی۔ کرنل صاحب کچھ دیر پہلے یہیں تھے۔''

وہ پیچھے ہٹ گیا۔ حمید نے لڑکی سے کہا۔ ''چلئے...... کوئی خاص بات نہیں ہے۔''

لڑکی نے گردن ہلا کر کار اسٹارٹ کی اور حمید اپنی جیپ کی طرف پلٹ آیا۔

تقریباً دو ڈھائی میل چلنے کے بعد پھر پولیس والوں کی بھیڑ نظر آئی۔ حمید نے سوچا ممکن ہے یہ وہی جگہ ہو جہاں دس عدد کچلی ہوئی لاشیں پائی گئی تھیں۔

سڑک پر کئی جگہ چاک سے لگائے ہوئے نشانات نظر آ رہے تھے۔ ڈاکٹر علوی کی گاڑی رکوائی گئی اور حمید کو پھر دخل اندازی کرنی پڑی۔ وہیں ڈاکٹر علوی کی بیوی نے جھلا کر پوچھا۔

''آخر بات کیا ہے...... اس جگہ تو آتے وقت بھی ہم نے پولیس کی بھیڑ دیکھی تھی۔ لیکن کسی نے ہمیں نہیں روکا تھا۔''

''کوئی خاص بات نہیں بیگم صاحبہ...... گھر چل کر بتاؤں گا۔ میرے دوست نے مجھے شام کی چائے پر مدعو کیا ہے۔''

حمید لڑکے کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

گاڑیاں پھر چل پڑیں۔ شہر پہنچ کر حمید اپنی جیپ اُن کی گاڑی کے پیچھے ہی لگائے رہا۔ تو محض تبدیلی کے لئے شہر آیا تھا۔ کسی خاص مقصد کے تحت یہ مراجعت نہیں ہوئی تھی۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر علوی کی گاڑی ایک خوبصورت سے بنگلے کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ حمید کی جیپ بھی اس کے پیچھے ہی رکی تھی۔

''کیپٹن میں سب سے پہلے آپ کو اپنا چڑیا گھر دکھاؤں گا۔'' لڑکے نے حمید سے کہا۔

''ضرور......!''

ماں بیٹی بھی گاڑی سے اُتر کر اُن کے قریب آ کھڑی ہوئیں۔

''آخر ہماری گاڑی کیوں رکوائی تھی۔'' بیگم علوی نے حمید سے پوچھا۔

''پہلی جگہ کچھ دیر پہلے میں نے ایک لاش دریافت کی تھی اور دوسری جگہ خود اُن لوگوں کو کچھ لاشیں ملی تھیں۔''

''کچھ لاشیں۔'' لڑکی کے لہجے میں تحیر تھا۔

''جی ہاں...... پوری دس لاشیں...... کچلی ہوئی لاشیں۔''

''پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے یہاں......!'' بیگم علوی نے جھنجلا کر کہا۔ پھر حمید سے بولی۔ ''اچھا ہوا آپ ہمارے ساتھ تھے ورنہ وہ لوگ پتہ نہیں کس قسم کے سوالات کرتے ہم سے۔''

''مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ اب اس راستے پر مسافروں کو پریشان کیا جائے گا۔ اس لئے میں ساتھ چلا آیا تھا۔''

''کیا علوی صاحب کو آپ پہلے سے جانتے ہیں۔''

''اچھے آدمیوں کو جاننے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ شناسائی کی مدت طویل ہو۔ ذرا ہی سی دیر میں نیئر سٹ اور ڈیئر سٹ بن جاتے ہیں۔''

34

بیگم علوی نے بُرا سا منہ بنایا اور لڑکے سے بولی ''تم اپنا چڑیا گھر ہر ایک کو دکھاتے پھرتے ہو۔ اُس میں ہے کیا۔''

''آیئے...... کب تک یہاں کھڑے رہیں گے۔'' لڑکی عمارت کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

''ہاں...... آیئے۔'' بیگم علوی نے کہا اور اس ''ہاں آیئے'' میں حمید بھی تلاش کرتا رہ گیا کہ یہ جملہ کس جذبے کے تحت کہا گیا تھا۔ لہجہ کچھ عجیب سا لگا تھا۔

وہ ڈرائینگ روم میں آئے۔ لڑکی اندر چلی گئی تھی۔ لڑکا اور بیگم علوی وہیں بیٹھے رہے۔ بیگم علوی نے اس قسم کے سوالات کرنے شروع کئے کہ حمید اکتا گیا۔ پھر اُسے چوکنا پڑا آہستہ آہستہ وہ ایسے سوالات کی طرف آ رہی تھی جن کے جوابات وہ سب کچھ اُس پر منکشف کر دیتے جو ڈاکٹر علوی سے معلوم کرنا چاہتی تھی۔

دفعتاً ایک معمر خاتون ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی۔ انہوں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے آخر میں حمید پر نظریں گاڑ دیں۔

''یہ کون ہیں......!'' انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں بیگم علوی سے پوچھا۔

''میرے دوست ہیں۔'' بیگم علوی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

حمید نے بڑی بی کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بیگم علوی کے جواب نے انہیں تکلیف پہنچائی ہو۔

''وہ کب آئے گا۔''

''میں نہیں جانتی۔''

''تم نے نہیں پوچھا۔''

''ضرورت نہیں سمجھی۔''

بیگم علوی کے جوابات پر حمید حیران رہ گیا۔ وہ اپنی ساس کو جلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

دفعتاً انہوں نے حمید سے پوچھا۔ ''ہاں تو ہم پہلا شو دیکھ رہے ہیں یا دوسرا......؟''

''ج...... جی......!'' حمید ہکلایا۔ ''جو...... آپ مناسب سمجھیں۔'' اُسے بڑی بی پر رحم

آ رہا تھا۔

وہ چپ چاپ چلی گئیں اور حمید مستفسرانہ نظروں سے بیگم علوی کی طرف دیکھتا رہا۔

''یہ عذاب کا فرشتہ ہے، جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔'' بیگم علوی بڑبڑائیں اور پھر انہوں
اپنی ساس کی شان میں قصیدے پڑھنا شروع کیے اور حمید بور ہوتا رہا۔ پھر لڑکی دکھائی دی
چائے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی کمرے میں لا رہی تھی۔ بیگم علوی اُس کی طرف متوجہ ہوئی ہی تھیں
لڑکا بول پڑا۔ ''کیپٹن...... مجھے ویلمن کی مشینی آندھی کے بارے میں بتایئے۔''

''ضرور...... ضرور......!'' حمید طویل سانس لے کر بولا اور اُسے بتانے لگا کہ ان لوگوں
نے کس طرح اس آندھی پر قابو پایا تھا۔

لڑکی ان کے لئے چائے بناتی رہی۔ وہ بڑی توجہ اور دلچسپی سے حمید کی کہانی سن رہی تھی
یوں تو بیگم علوی بھی سن رہی تھی، لیکن اُن کے چہرے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اپنی
پانے پر انہیں کچھ الجھن ہو رہی ہے۔ حمید نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ ہر ایک کے سامنے سا
رونا لے بیٹھنے کی عادی ہیں۔ ویسے اُسے تو وہ بے چاری بڑی بی ہی مظلوم لگی تھیں۔ انہوں
پابندیوں میں زندگی بسر کی ہوگی اس لئے بچوں کی آزادی یقینی طور پر اُن کے لئے تکلیف
رہی ہوگی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آدمی کو خود اپنے ہاتھوں کتنے دکھ جھیلنے پڑتے ہیں۔ اپنے زما
میں اپنے سے اگلوں کے ظلم وستم سہتا ہے، پھر اپنے بعد والوں کی حرکتیں برداشت کرتا ہے
زندگی اسی چکر میں ختم ہو جاتی ہے۔

اس نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔

جیسے ہی ویلمن کی کہانی ختم ہوئی اُس نے فریدی اور لومڑی کا ذکر چھیڑ دیا۔

''آپ اسٹڈی کریں اس کیس کو۔'' حمید بولا۔

''بس بس......!'' بیگم علوی ہاتھ اٹھا کر بولیں۔ ''کان پک گئے۔ نفسیات نفسیات
سن کر۔ یہ کیا اسٹڈی کرے گی۔ اسے آتا جاتا کیا ہے۔''

لڑکی طنزیہ انداز میں مسکرائی لیکن ماں کی بات کی تردید نہیں کی۔ پھر بیگم علوی

ضرورت کے تحت وہاں سے اٹھ گئی تھیں۔

''نفسیات بڑا دلچسپ سبجیکٹ ہے۔'' لڑکی کچھ دیر بعد بولی۔

''جی ہاں......!'' حمید نے بڑے خلوص سے تائید کی۔

''نفسیاتی نکتہ نظر سے بتایئے باجی کہ ممی اور دادی جان کو کیا ہو گیا ہے۔'' لڑکے نے پوچھا۔

''تم بے تکی باتیں نہ کیا کرو۔''

''نفسیاتی نکتہ نظر سے آپ کے اس جواب کو کیا کہیں گے۔''

بات آگے بڑھ جاتی لیکن بیگم علوی جلد ہی واپس آ گئیں۔

''ہاں تو بیگم صاحبہ کون سی فلم دیکھی جائے۔'' حمید نے ان سے پوچھا۔

''فلم...... بھئی...... اب تو بڑی تھکن محسوس ہونے لگی ہے۔''

''نہیں ممی دیکھیں گے۔ آپ نے پہلے کیوں کہا تھا۔'' لڑکا بول پڑا۔

بیگم علوی نے اُسے گھور کر دیکھا۔ لیکن وہ اپنی ہی بات پر اڑا رہا۔

''بھئی...... ہم تم چلیں گے۔'' حمید نے اُسے سمجھانا چاہا۔

''تو پھر باجی بھی چلیں گی نفسیاتی نکتہ نظر سے۔''

''میں تھپڑ مار دوں گی۔'' لڑکی بھنا گئی۔

''نفسیاتی نکتہ نظر سے۔''

''انور...... خاموش بیٹھو۔'' بیگم علوی نے پھر آنکھیں دکھائیں۔

''بھئی انور میاں...... بس ہم تم چلیں گے۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''تو پھر اٹھیے...... کچھ دیر گھومیں پھریں گے۔''

''چلیے نا ممی......!'' لڑکی نے کہا۔

''میں نے کہہ دیا کہ میں آج نہیں جا سکتی۔''

''تو آپ بھی چلیے انور میاں کے ساتھ۔'' حمید بولا۔

''نہیں۔'' بیگم علوی کا لہجہ سخت تھا۔ پھر وہ یک بیک نرم پڑ کر بولیں۔ ''آپ ان دونوں کو

کنٹرول نہیں کرسکیں گے۔ ہر وقت اور ہر جگہ لڑتے رہتے ہیں۔''

''میں بالکل خاموش رہوں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔'' لڑکا بولا۔

بیگم علوی تذبذب میں پڑ گئی تھیں۔ آخر طویل سانس لے کر بولیں۔

''اچھا تو میں بھی چلتی ہوں۔''

حمید نے بھی طویل سانس لی لیکن کچھ بولا نہیں۔

''تو پھر چلئے۔'' لڑکا اٹھتا ہوا بولا۔

''ارے تو اتنی جلدی کیوں ہے؟''

پھر وہ تینوں ڈرائنگ روم سے چلے گئے اور حمید تنہا بیٹھا رہا۔

کچھ دیر بعد صرف انور اور اُس کی بہن نگہت اندر سے واپس آئے۔ دونوں ہی مضطرب نظر آرہے تھے۔ نگہت قریب آکر آہستہ سے بولی۔ ''جلدی سے نکل چلئے۔''

''کیا مطلب......؟'' حمید نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

وہ کچھ نہ بولی۔ بھائی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ حمید نے احمقانہ انداز میں شانوں کو جنبش دی اور اُن کے پیچھے چل پڑا۔ نگہت اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی اور بھائی کو اپنے برابر ہی بٹھایا تھا۔

حمید جیپ کی طرف بڑھ ہی رہا تھا۔ انور نے اُسے آواز دی۔

''ادھر ہی آجایئے......اپنی گاڑی یہیں رہنے دیجئے۔''

حمید جھلاتا ہوا مڑا۔ پیشانی پر شکنیں ڈالے ہوئے اُن کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ نگہت انجن اسٹارٹ کرچکی تھی۔ گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

''بیگم صاحبہ نہیں آئیں۔'' حمید کچھ دیر بعد بولا۔

''جی نہیں۔'' نگہت بولی۔ ''ان دونوں میں ٹھن گئی ہے۔ اور اب میں ممی کو سبق دینا چاہتی ہوں۔ اُن دونوں کو الجھا کر ہم کھسک آئے۔''

''اوہو......میری کیا پوزیشن ہوگی۔''

''آپ فکر نہ کیجئے......ذمہ داری مجھ پر ہوگی۔'' نگہت ہنس کر بولی۔

''ممی کو دادی جان کی عائد کردہ پابندیاں پسند نہیں اور میں اُن کی حد بندیوں سے نفرت کرتی ہوں۔ وہ محض اس لئے تیار ہوگئی تھیں کہ مجھے آپ کے ساتھ تنہا نہیں بھیجنا چاہتی تھیں۔ ابھی ڈیڈی کے بھی کسی دوست سے بے تکلف نہیں ہوئیں۔ محض دادی جان کو جلانے کے لئے آپ کو اپنا دوست اور سینما چلنے کی تجویز پیش کی۔''

''اور اب آپ انہیں جلانا چاہتی ہیں۔'' حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔

''یقیناً......اگر وہ دادی جان کے ساتھ سمجھوتا نہیں کرسکتیں تو پھر میں کیوں کروں اُنکے ساتھ۔''

''ہیئر......ہیئر......!'' انور نے تالیاں بجائیں۔

''انور چین سے بیٹھو۔''

''ڈیڈی......بیچارے سچ مچ گوتم بدھ ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ اُن کی ماں کا دل دکھے۔ لیکن ممی سے بھی روح فنا ہوتی ہے۔''

''خدا رحم کرے ڈاکٹر کے حال پر۔'' حمید بولا۔

''بلکہ خدا کو میرا یہ مشورہ ہے کہ ایسے ڈرپوک آدمی پیدا کرنا ہی چھوڑ دے جو نہ دنیا کے کام کے اور نہ دین کے۔''

''ارے باپ رے۔''

''کیوں؟ آپ کو کیا ہوا؟''

''میں اور میرا چیف ہی بھلے......شادی ہی نہیں کی اسی خوف سے۔''

''یہ بزدلی کی اسفل ترین قسم ہے۔''

''مزید ارے باپ رے......کیونکہ میں آپ سے ہرگز اس کی وضاحت نہیں چاہوں گا۔''

''نفسیاتی نقطہ نظر سے......آپ دونوں واقعی بزدل ہیں۔ اسے مذاق نہ سمجھئے۔''

''باجی خدا کیلئے نفسیات نہ چھیڑو۔ ورنہ تفریح دھری رہ جائے گی۔'' انور نے بے بسی سے کہا۔

''میں اپنے کانوں کے قریب صرف تفریحی گفتگو چاہتا ہوں۔''

"تم گدھے ہو۔" نگہت بولی۔

"یہ کون سا کومپلکس ہے باجی۔"

"شٹ اپ......!"

"آپ کہاں چل رہی ہیں باجی......؟"

"بس گھومیں گے پھریں گے۔ فلم بینی تھکا دینے والی تفریح ہے۔"

"تب تو میں بیکار آیا۔" انور بولا۔

"آدمی بنو...... میں نہیں سمجھ سکتی کہ فلموں میں لوگ کیا دیکھتے ہیں۔"

"نفسیاتی نکتہ نظر سے تمہیں کیا ہوگیا ہے باجی۔"

"ٹھیک کہتی ہیں تمہاری باجی...... میری سمجھ میں بھی آج تک نہ آسکا کہ فلموں میں کیا رکھا ہوتا ہے۔"

"مجھے یہیں اتار دیجئے آپ لوگ...... پیدل گھر واپس جاؤں گا۔"

"میں سچ مچ اُتار دوں گی۔"

"نفسیاتی نکتہ نظر سے ممی چپل اتار لیں گی۔"

حمید نے سوچا کہیں گاڑی کا رخ دوبارہ گھر کی طرف نہ ہوجائے لہٰذا وہ انور کو بہلانے کی کوشش کرنے لگا۔ اُسے یاد آیا کہ اُس نے آج کے اخبار میں ایک مقامی ہوٹل کا اشتہار دیکھا تھا جس میں وہاں کے کسی میجک شو کا تذکرہ کیا گیا تھا۔

اُس نے میجک شو دیکھنے کی تجویز پیش کی۔

"ہاں یہ ممکن ہے۔" نگہت بولی۔

"چلو یہی سہی۔" انور نے کہا۔ "حالانکہ میجک شو بکواس ہوتے ہیں۔"

"کوئی غیر ملکی بازی گر ہے۔"

"احمق ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔" انور بولا۔

"کہاں ہے میجک شو......!" نگہت نے پوچھا۔

"ریالٹو چلیئے...... پانچ بج رہے ہیں۔" حمید گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

ریالٹو اعلیٰ درجے کا ہوٹل تھا۔ انور اور نگہت یہاں شائد پہلی بار آئے تھے۔

ہال میں خاصی چہل پہل تھی۔ میجک شو ایک گھنٹے بعد شروع ہونے والا تھا۔ حمید نے بتایا کہ یہاں کی مچھلی مشہور ہے۔ بڑی لذیز ڈش تیار کی جاتی ہے۔

نگہت کچھ کھانے پر تیار نہیں تھی۔ لیکن حمید کے اصرار پر مان گئی۔

ساڑھے چھ بجے اسٹیج کا پردہ سرکا۔ بازی گر سیاہ سوٹ میں ملبوس خالص دیسی انداز میں جھک کر تماشائیوں کو سلام کرتا نظر آیا۔

کھیل پیش کرنے سے پہلے اُس نے ایک مختصر سی تقریر میں الفاظ کی بازی گری بھی کی۔ حمید کا اندازہ تھا کہ وہ کوئی فرانسیسی ہی ہوسکتا ہے۔

مچھلیاں کھا چکنے کے بعد حمید نے کافی طلب کی۔ کافی دوسرے ویٹر نے سرو کی تھی۔ اس نے شکر دان اس طرح حمید کے سامنے رکھا تھا کہ حمید کو اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

ویٹر جاچکا تھا اور حمید شکر دان کے اندر پڑے ہوئے چھوٹے سے کارڈ کو گھورے جارہا تھا جس پر سیاہ بلی کی تصویر تھی۔ بلیک فورس کا نشان۔

اُس نے اُسے وہیں پڑا رہنے دیا اور خود ہی شکر دان سے شکر نکال نکال کر پیالیوں میں ڈالتا رہا۔ جب وہ دونوں پوری طرح بازیگر کی طرف متوجہ ہوگئے تو اس نے شکر دان سے کارڈ نکال کر اُس کی پشت پر نظر ڈالی۔ پنسل سے باریک حروف میں لکھا ہوا تھا۔

"نیلی ٹائیوں والے آپ کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔ اپنے ساتھیوں کو تنہا مت کیجئے۔ آپ کی جیپ تھوڑی دیر بعد یہیں موجود ملے گی۔"

حمید نے طویل سانس لی اور کارڈ کو جیب میں ڈال کر کنکھیوں سے گردو پیش کا جائزہ لیا۔ بائیں جانب تیسری میز کے گرد تین آدمی نظر آئے۔ جن کی ٹائیاں نیلے رنگ کی تھیں۔ اُن میں ایک غیر ملکی تھا اور دو مقامی لوگ۔

حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور کھیل کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ایک گھنٹے تک بازی گری کے مختلف آئیٹم چلتے رہے۔ اسکے بعد حمید نے تجویز پیش کی
لوگ اسے ساتھ لئے بغیر گھر واپس جائیں۔ نگہت کو یہ تجویز کچھ عجیب سی لگی۔ لیکن جب حمید
کہا کہ ان حالات میں وہ ان کی ممی کا سامنا نہیں کر سکے گا۔ انور اس کی تائید کرتا ہوا بولا
نہیں چاہتا کہ اتنا اچھا دوست ہم سے بددل ہو جائے۔ لہٰذا کیپٹن ہی کی بات مان لی جا
پھر وہ دونوں اٹھ کر باہر چلے گئے تھے اور حمید وہیں بیٹھا رہا تھا۔ نیلی ٹائی والوں میں
کوئی بھی اپنی میز سے نہیں اٹھا۔ ویسے ان تینوں کی نظروں نے صدر دروازے تک انور اور
کا تعاقب کیا تھا۔

وہ دونوں

حمید نے کچھ دیر بعد پھر کافی طلب کی۔ ویٹر وہی تھا۔ لیکن اس بار شوگر پاٹ میں
شکر ہی تھی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ پھر کچھ شروع ہو رہا ہے۔ ٹسڈل کو استعمال کرنے والوں کے
لامحدود تھے۔ وہ کب اسے گوارا کر سکتے تھے کہ ٹسڈل اُن کے قبضے سے نکل جائے۔ غالباً
خدشے کے تحت فریدی نے وہاں بلیک فورس کا جال بچھا دیا تھا۔

کافی طلب کر کے حمید نے بل طلب کیا اور ادائیگی کے بعد اٹھ گیا۔ لیکن باہر جا
بجائے سیدھا کاؤنٹر کی طرف آیا۔ کاؤنٹر کلرک سے ٹیلی فون ڈائریکٹری لے کر ڈاکٹر علوی
فون نمبر تلاش کئے۔

فون پر بیگم علوی سے رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا۔

اتفاق سے دوسری طرف بیگم علوی ہی نے ریسیور اٹھایا۔

''مجھے بے حد افسوس ہے۔'' اُس نے کہا۔ ''بچے گھر پہنچ گئے ہوں گے۔ مجبوراً مجھے

پڑا۔ مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا تھا۔''

''ہماری وجہ سے آپ کو تکلیف اٹھانی پڑی۔'' بیگم علوی نے دوسری طرف سے کہا۔ لیکن
اُن کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔

''کیا میری گاڑی وہاں سے چل چکی ہے۔''

''دیر ہوئی...... اچھا شب بخیر......!'' کہہ کر بیگم علوی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمید ریسیور رکھ کر مڑا تو ایک نیلی ٹائی والے کو بھی اپنے قریب کھڑا پایا۔ وہ کاؤنٹر کلرک
سے پوچھ رہا تھا کہ وہاں کے بار میں بوربن کیوں نہیں ملتی۔

جیپ اُسے باہر کھڑی ہوئی ملی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب کہاں جائے۔

بلیک فورس کی فراہم کی ہوئی اطلاع کا مطلب یہی تھا کہ نیلی ٹائی والے اس کا تعاقب
کرتے رہے ہوں گے اور فورس کا کوئی ممبر خود ان کی نگرانی کرتا رہا ہوگا۔

جیپ میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے اُس نے سوچا اب کسی دوسری تفریح گاہ کا
رخ کرنا چاہئے۔

قریب ہی ایک نائٹ کلب تھا۔ حمید نے جیپ اسی کی کمپاؤنڈ میں روکی۔

ہال میں رقص کی موسیقی گونج رہی تھی اور رقاص جوڑے فرش پر ہلکورے لیتے پھر رہے
تھے۔ حمید ایک کنارے کھڑا ہو کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

ذرا ہی سی دیر میں اُس نے محسوس کر لیا کہ وہ گھیرا جا رہا ہے۔ نیلی ٹائی والے اُس کے
آس پاس آ کر اسی طرح رک گئے تھے۔

حمید نے اپنی پوزیشن کا جائزہ لیتے ہوئے سوچا اگر اتفاقاً ہال کی لائٹ غائب ہو جائے تو
وہ تینوں ایک ہی چھلانگ میں اُس پر آ پڑیں گے۔

تمباکو بھر کر اُس نے پائپ سلگایا نہیں بلکہ کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ اب اُسے کسی ایسی
عورت کی تلاش تھی جس کو کسی نے بھی لفٹ نہ دی ہو۔

بالآخر بائیں جانب کی گیلری میں ایک یوریشین عورت کھڑی نظر آئی۔

عمر چالیس پینتالیس سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی۔ حمید اس کی طرف بڑھا اور قریب جا کر بڑے ادب سے رقص کے لئے درخواست کی۔ اس نے اسے نیچے سے اوپر تک دیکھا اور عجیب انداز میں مسکرائی۔ حمید فوری طور پر اُس مسکراہٹ کو کوئی معنی نہ پہنا سکا۔

پھر اُس نے حمید کی طرف ہاتھ بڑھا دیئے۔ لیکن دو ہی قدم چلنے کے بعد حمید کو احساس ہوا کہ اُس سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ وہ تو بُری طرح نشے میں دھت تھی۔

خالی لحیم شحیم ہونے کی بناء پر حمید ذرا ہی سی دیر میں توبہ بول گیا۔ بڑی قوت صرف کرنی پڑ رہی تھی اُسے سنبھالے رکھنے میں۔

''کچھ بولو بھی......!'' وہ کچھ دیر بعد اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر منمنائی۔

''میں صرف گانا جانتا ہوں۔''

''ہی ہی ہی......تو پھر گاؤ......!''

حمید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اپنے مقدر کو کوستا رہا۔ شائد اس سے حماقت ہی سرزد ہوئی تھی۔ کیونکہ اب تعاقب کرنے والے بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔

اس نے سوچا اب کیا کیا جائے۔ ہوسکتا ہے فورس یہی چاہتی رہی ہو کہ وہ کھلی سڑکوں پر مارا مارا پھرے اور تعاقب کرنے والوں پر نظر رکھی جا سکے۔

''شائد تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے......!'' حمید نے اپنی ہم رقص سے کہا۔

''میں بالکل ڈرائی جن ہو رہی ہوں......ہشاش بشاش......!''

''اب تم گرو گی......چلو اپنی میز پر۔''

''میری کوئی میز نہیں ہے۔ میں......میں نہیں جانتی......میں کچھ نہیں جانتی......جہاں چاہو لے چلو۔''

''میری بھی کوئی میز نہیں ہے......اچھا چلو میں تمہیں اور پلاؤں۔'' حمید نے کہا۔ وہ جلد از جلد اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔

''پلاؤ گے؟'' اس نے دانت نکال دیئے۔

''شراب کے حوض میں غرق کر سکتا ہوں تمہیں۔''

''میں نہیں ڈوب سکتی......تیرنا آتا ہے مجھے۔''

''اچھا ذرا تیرتی ہوئی بار تک چلی چلو......ورنہ اب خود میں ہی غرق ہو جاؤں گا......!'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ بڑی وزنی عورت تھی اور سارا بوجھ حمید پر ڈال رکھا تھا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی اس کے ساتھ چلنے لگی۔ حمید کو ایسا لگ رہا تھا جیسے ساری آنکھیں انہیں ہی گھور رہی ہوں۔ وہ اسے سنبھالتا ہوا بار کے کاؤنٹر پر لایا اور خالی اسٹول پر بٹھاتا ہوا بارٹنڈر سے بولا۔ ''لارج وہسکی۔''

''نہیں......!'' عورت آنکھیں بھینچ کر منمنائی۔ ''ڈرائی جن! دو بڑے پیگ۔''

''میں تو اس وقت صرف بھینس کا دودھ پیتا ہوں۔'' حمید جلدی سے بولا۔

''اچھا تو دونوں پیگ میرے ہی گلاس میں ڈال دو......!'' وہ بارٹنڈر کے چہرے کی طرف انگلی اٹھا کر بولی۔

بارٹنڈر نے حمید کو الگ بلا کر آہستہ سے کہا۔ ''میں اسے شراب تو دے دوں گا لیکن براہِ کرم یہاں سے اٹھا لے جایئے گا۔''

''کیوں؟''

''صاحب وہ بالکل آؤٹ ہو رہی ہے......دو پیگ اور پی کر تو طوفان برپا کر دی گی......بس اسی کی کسر رہ گئی ہے اس کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا جائے۔''

''کچھ کرو......دوست......میں اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں۔'' حمید پانچ کا نوٹ اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا، جو شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا گیا۔

''آپ دونوں پیگوں پر پیسے نہ ضائع کیجئے۔'' اس نے مشورہ دیا۔ ''میں اسے باتوں میں لگاتا ہوں آپ چپ چاپ نکل جایئے۔ اسکے بعد شائد آج ہی اس کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا جائے۔''

پھر وہ عورت کے سامنے آ کھڑا ہوا اور اُس سے ڈرائی جن کے علاوہ اور کسی قسم کی شراب کے بارے میں پوچھنے لگا۔

"نہیں......وہی چاہئے۔"

"ڈرائی جن تو ختم ہو چکی ہے۔"

حمید نے اس سے آگے سننے کی کوشش نہیں کی۔ الٹے پاؤں کھسکتا ہوا گیلری تک آیا
جو وہاں سے بھاگا ہے تو پلٹ کر نہیں دیکھا۔

اس کی جیپ ایک بار پھر شہر کے بازاروں میں چکراتی پھر رہی تھی۔ ایک تمباکو فروش
دوکان کے سامنے اس نے گاڑی روک کر جیب سے پائپ نکالا اور اُسے سلگا کر نیچے اُتر گیا
دوکان میں پہنچ کر پرنس ہنری کا ڈبہ طلب کیا۔ یہاں رکنے کا مقصد اس کے علاوہ اور
نہیں تھا کہ تعاقب کرنے والوں کو دیکھ سکے۔ ایک لمبی سی سیاہ گاڑی جیپ سے تھوڑے فاصلے
رکی تھی۔ لیکن اس پر سے کوئی اُترا نہیں تھا۔ گاڑی کسی قدر اندھیرے میں تھی اس لئے اندر بیٹھے
والے بھی نہ دکھائی دیئے۔

ڈبہ خرید کر وہ پھر جیپ میں آ بیٹھا اور عقب نما آئینے میں کالی گاڑی پر نظر جمائے ہوئے
انجن اسٹارٹ کیا۔ جیپ جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھی۔ حمید کی توجہ عقب نما آئینے کی طرف بھی تھی
اُس نے کالی گاڑی کو حرکت کرتے دیکھا۔ وہ اسی کے پیچھے آ رہی تھی۔ دفعتاً حمید کو
وقت ٹسڈل کے بنگلے کی طرف چل دینے کی سوجھ گئی ورنہ پہلے تو اُس نے سوچا تھا کہ
رات شہر ہی میں گزارے گا۔



ولیم پنڈو اُن کے درمیان ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ سب اس کے زرخرید غلام ہوں
اس کے سامنے قطار باندھے کھڑے تھے۔

وہ تعداد میں چھ تھے اور سبھوں نے نیلی ٹائیاں باندھ رکھی تھیں۔

"رپورٹ......!" دفعتاً پنڈو غرایا۔

ان چھ آدمیوں میں ایک سفید فام غیر ملکی بھی تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا۔ "ہم اس پر
ڈالنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔"

"کیوں......؟" اس نے خونخوار آنکھوں سے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"اچانک ہمیں احساس ہوا تھا کہ ہمارا بھی تعاقب کیا جا رہا ہے۔"

"اوہ......!" وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتا ہوا بولا۔ چند لمحے خاموش رہ کر اس
اس ایک کے علاوہ اور سب کو جانے کا اشارہ کیا۔ پانچوں دیسی کمرے سے چلے گئے۔

پنڈو دوسرے غیر ملکی کو گھورتا رہا...... وہ کچھ بوکھلایا ہوا سا نظر آنے لگا تھا۔

"ہام......!" پنڈو کرسی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "اس کا تعاقب ترک کر کے پھر کیا کیا تم نے؟"

"ہم دوسرے راستے پر مڑ گئے۔"

"اور تمہارا تعاقب جاری رہا۔"

"تعاقب جاری رہا......لیکن ہم انہیں ڈاج دے کر نکل آئے۔"

"تمہیں اطمینان کیونکر ہوا کہ ڈاج دے کر نکل آئے ہو۔"

"ب......بس......!"

"شٹ اپ......!" پنڈو دہاڑا۔

"د......دیکھئے مسٹر پنڈو۔" سفید فام ترشی سے بولا۔ "اس سے پہلے گراہم ہمارا چیف
لیکن اُس نے کبھی مجھ سے ایسے لہجے میں گفتگو نہیں کی۔"

پنڈو کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور آنکھیں وحشیانہ انداز میں چمکنے لگیں۔
پھر وہ کسی سانپ کی طرح پھپھکارا۔ "سچ مچ تمہاری عزت کرنے کو دل چاہتا ہے......
ہو اُور۔"

لیکن وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

"قریب آؤ......!" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا غرایا۔

اور وہ کسی سحر زدہ آدمی کی طرح آہستہ آہستہ پنڈو کی طرف بڑھنے لگا اور جیسے ہی
پہنچا آنکھوں میں ستارے ناچتے چلے گئے۔ پنڈو کا بھرپور ہاتھ اس کی پیشانی پر پڑا تھا۔ وہ
طرح اچھل کر دور جا گرا جیسے کارک کا مجسمہ رہا ہو۔

"یہ فرق ہے مجھ میں اور کرنل گراہم میں۔" پنڈو کا لہجہ بے حد سرد تھا۔ مار کھانے
فرش پر چت پڑا ایسے انداز میں پلکیں جھپکائے جا رہا تھا جیسے وہ نہ صرف بینائی سے محروم
ہو۔ بلکہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی کھو بیٹھا ہو۔

پنڈو بے تعلقانہ انداز میں بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا۔



اسی عمارت کے ایک کمرے میں پیکسی آرام کرسی میں نیم دراز...... ویران ا
آنکھوں سے چھت کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے تھے اور ہ
خشک...... ایسا لگتا تھا جیسے برسوں سے بیمار ہو۔ دفعتاً پنڈو کمرے میں داخل ہوا اور وہ ہلکا
اٹھ گئی۔

"تم نے ابھی تک لباس تبدیل نہیں کیا......؟" وہ غرایا۔

"مم...... میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہو جائے گی۔"

"خدا کے لئے مجھے واپس بھجوا دو۔"

"خدا ہی چاہے گا تو واپسی بھی ہو جائے گی۔"

"میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔"

"پیکسی......!"

وہ سر جھکائے ہوئے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس کے پیر لڑکھڑا رہے تھے۔ پنڈو
وہیں کھڑا سگریٹ کے گہرے گہرے کش لیتا رہا۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آئی۔ اس نے لباس بھی تبدیل کیا تھا اور میک اپ بھی کیا تھا۔ لیکن
آنکھوں کے اضمحلال سے پیچھا نہ چھڑا سکی تھی۔

پنڈو اُسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "چند ہی دنوں میں مجھے برداشت کرنے کی
عادی ہو جاؤ گی۔"

یک بیک پیکسی کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار نظر آئے۔

"دیکھو میں پھر کہتی ہوں کہ تم مجھے مرعوب نہیں کر سکتے۔ ہوریس بھی کسی گرجے سے تعلق
نہیں رکھتا تھا۔"

"ایسی ہی عورتیں پسند ہیں مجھ کو......!" پنڈو مسکرایا۔ "اگر تم دس لاشیں دیکھ کر بے ہوش
ہو جاتیں تو میں تمہیں بھی وہیں پھینک آتا۔"

پیکسی نے بُرا سا منہ بنا کر شانوں کو جنبش دی۔

"چلو شہر دیکھ آئیں۔"

پیکسی کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اسے گھورتا ہوا اس کے پیچھے چل رہا
تھا۔ راہداری میں ایک جگہ وہ رک گیا اور پیکسی کو بھی رکنے کو کہا۔

بائیں جانب سوئچ بورڈ پر ایک پش سوئچ کا بٹن دبایا۔ راہداری کے فرش کا ایک بلاک
اپنی جگہ سے سرک گیا۔ خلاء میں ایک فٹ نیچے سیڑھیاں نظر آئیں۔

پنڈو نے فرش پر ظاہر ہونے والے خلاء کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "چلو......!"

پیکسی نے اُسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے جتانا چاہتی ہو کہ نہ تو وہ اس سے خوفزدہ ہے
اور نہ ایسے پُراسرار حالات کی پرواہ کرتی ہے۔ پھر وہ خلاء میں اترتی چلی گئی۔ پنڈو اس کے
پیچھے سیڑھیاں طے کر رہا تھا۔ سیڑھیوں کے اختتام پر رک کر اس نے بائیں جانب والے سوئچ
بورڈ پر پھر ایک سوئچ کو چھیڑا اور اوپر سے سرکا ہوا بلاک پھر اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ یہاں روشنی

بھی ہوگئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے دو تین فٹ کے فاصلے پر خاموش کھڑے تھے۔

دفعتاً پنڈو بولا ''مجھے ہر اُس عورت سے محبت ہو جاتی ہے جس پر کوئی قتل کردینے کے بعد نظر پڑے۔''

''اور میں ہر اس مرد پر تھوک دیتی ہوں جو اس طرح مردانگی جتاتا ہے۔''

''پیکسی.....!''

''ہاں میں جانتی ہوں کہ تم بے حد کمزور آدمی ہو.....اتنے کمزور کہ خود پر قابو نہ پا کر قتل کردیتے ہو۔''

''پیکسی.....!''

پیکسی ہنس پڑی اور بولی۔ ''قتل کردو مجھے۔ لیکن میں سوچ رہی ہوں کہ اگر تم جیسا جانور پالنے میں کامیاب ہوگئی تو بقیہ زندگی آرام سے گزر جائے گی۔''

''اوہ.....!''

پیکسی نے پھر قہقہہ لگایا۔ پنڈو کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔

''مجبوری ہے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میں تمہیں قتل نہیں کرسکتا۔''

''کیوں.....کیسی مجبوری؟''

''جب تک کوئی دوسری عورت نہ مل جائے میں تمہیں قتل نہیں کرسکتا اور ویسے بھی اب مجھے ذرا ہاتھ روک کر کام کرنا ہے۔ کیونکہ مجھے کچھ گدھوں کا انچارج بنایا گیا ہے۔ مجھ سے پہلے والا انچارج ان گدھوں سے بھی زیادہ بڑا گدھا تھا۔''

''یہاں کیا کر رہے ہو تم لوگ.....؟''

''تم مجھے اسمگل کرکے یہاں لائی ہو۔ لہٰذا تم ہی بتاؤ کہ مجھے یہاں کیا کرنا چاہیے۔''

''خیر نہ بتاؤ..... مجھے اس کی بھی فکر نہیں۔''

''میں نے پہلے ہی اندازہ کرلیا تھا کہ تم کس حد تک میرا ساتھ دے سکتی ہو۔''

''مجھ سے محتاط رہنا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میں کسی وقت بھی تمہیں قتل کرسکتی ہوں۔''

پنڈو نے قہقہہ لگایا۔ طویل قہقہہ جو اس تہہ خانے کی محدود سی فضا میں بڑا بھیانک لگ رہا تھا۔

پیکسی تنی کھڑی اُسے گھورتی رہی۔

''آؤ.....!'' وہ بالآخر اُس کا بازو پکڑ کر کھینچتا ہوا بولا۔

وہ ایک سرنگ سے گزرتے ہوئے کسی دوسری عمارت میں پہنچے۔ یہاں ایک دراز قد غیرملکی نے اس کا استقبال کیا۔ لیکن وہ کچھ متحیر سا نظر آرہا تھا۔

''یہ گدھوں کا فارم ہے اور کچھ نہیں.....!'' پنڈو اُسے گھورتا ہوا غرایا۔

''میں نہیں سمجھا چیف.....!'' دوسرے غیرملکی کے لہجے میں تحیر تھا۔

''جیراللہ نے مجھے اطلاع دی تھی کہ کرنل فریدی کا اسسٹنٹ شہر میں دکھائی دیا ہے۔ میں نے کہا اُسے گھیرنے کی کوشش کرو۔ کئی گھنٹے ضائع کرنے کے بعد کچھ دیر ہوئی واپس آکر اطلاع دی کہ اس کا بھی تعاقب کیا جارہا تھا۔ لہٰذا وہ اپنے آدمیوں سمیت واپس آگیا۔''

دراز قد غیرملکی نے پرتشویش انداز میں سر کو جنبش دی۔

''اس عمارت سے سب کچھ یہاں منتقل کردو۔ لاشیں وہیں چھوڑ دینا۔''

''لاشیں.....؟'' دراز قد غیرملکی اچھل پڑا۔

''وہ جیراللہ سمیت تین تھے جنہوں نے اس کا تعاقب کیا تھا۔''

''جج.....جیراللہ.....!''

''جیراللہ اور دو مقامی آدمیوں کی لاشیں وہیں پڑی رہنے دینا۔'' پنڈو نے اس طرح کہا جیسے وہ لاشیں غیرضروری سامان کی حیثیت رکھتی ہوں۔

''آپ نے.....جج.....جیراللہ کو مار ڈالا۔''

''غیرضروری باتیں نہیں.....!'' پنڈو ہاتھ اٹھا کر سرد لہجے میں بولا۔

''میں کچھ ضروری باتیں بھی گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔'' دراز قد آدمی کا لہجہ کچھ ناخوشگوار تھا۔

''بکو......!'' پنڈو کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا اور خود دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

پیکسی کھڑی رہی۔ اُس نے اُس سے بیٹھنے کو بھی نہ کہا۔

دراز قد کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''آپ آج ہی آئے ہیں، حالات کا جائزہ بھی نہ لے پائے ہوں گے۔''

''اچھا تو پھر......؟''

''فریدی اور اس کے آدمی خطرناک لوگ ہیں۔ صرف خطرناک ہی نہیں بلکہ ذہین بھی۔''

''ہوں......تو پھر......؟''

''پہلے حالات کو سمجھ لیجئے۔''

''میں صرف قتل کرنے آیا ہوں۔'' پنڈو میز پر گھونسہ مار کر بولا۔ ''حالات سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔''

''اس طرح تو آپ ہم سب کو خطرے میں ڈال دیں گے۔''

''جہنم میں جاؤ۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا اور پیکسی کا بازو پکڑ کر دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ''میں کچھ دیر کے لئے باہر جا رہا ہوں۔ تمہیں اس عمارت کو اس جگہ سے بے تعلق کرنا ہے اور بس......!''



حمید نے کچھ دور جانے کے بعد محسوس کیا کہ اب اس کے پیچھے اور کوئی گاڑی نہیں ہے۔ اپنی جیپ ایک طرف روک کر وہ پیچھے مڑا۔ دور تک سڑک تاریک پڑی تھی۔

یکایک اُسے اپنے اوپر بے تحاشہ غصہ آیا۔ آخر اس طرح نکل بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔ ...وں کی بہم پہنچائی ہوئی اطلاع کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ گوشہ عافیت کا رخ کرتا۔ کم از کم معلوم کرنا ہی چاہئے تھا کہ وہ لوگ تعاقب کس مقصد کے تحت کر رہے تھے۔

یک بیک جھنجھلا کر اُس نے گاڑی پھر شہر کی طرف موڑ دی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ سیدھے ...ی چلنا چاہئے۔ اگر یہ معاملہ ٹسڈل ہی سے تعلق رکھتا ہے تو نپٹنا ہی پڑے گا۔

ایک دم سے سر پر چھپکلی سوار ہوگئی۔ لفظ ''نپٹنا'' اس طرح ذہن میں آیا تھا جیسے وہ ذاتی سوال ہو۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ اسی پر مطمئن ہو جاتا کہ تعاقب کرنے والے بلیک ...کے کسی ممبر کی نظر میں آ چکے ہیں۔

وہ مارا مار شہر کی طرف بڑھتا رہا۔ ان دنوں اس کے ذہن کی عجیب حالت تھی۔ وہ ہمہ جہتی بھائی چارے کا قائل نہیں رہا تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ کسی طرح ساری دنیا کی رنگ دار متحد ہو کر سفید اقوام کے چیتھڑے اڑا دیں...... یہی وجہ تھی کہ وہ ٹسڈل والے معاملے کو ...حد تک ذاتی معاملہ سمجھنے لگا تھا۔ وہ نسلی اور قومی جذبات سے بھرپور ہو کر سوچ رہا تھا اور ...طوفان کی طرح اڑی جا رہی تھی۔

پھر وہ ریالٹو کے سامنے ہی جا کر رکا اور گاڑی سے اترتے اترتے قومی جذبات کو خفیف ...نے لگا۔ کیونکہ ایک سفید فام عورت سے نظریں چار ہوئی تھیں۔ عورت حمید کو دلکش لگی تھی۔ اُس نے سوچا ساری دنیا کی عورتیں ایک ہی قوم ہیں اور اس قومیت میں رنگ و نسل کو دخل نہیں ...پھر وہ اس کے ساتھی کو دیکھنے لگا۔

وہ بھاری بھرکم اور چوڑے شانوں والا تھا۔ اس سے نظر ملتے ہی خواہ مخواہ حمید کو احساس ...جیسے وہ اس کو چیلنج کر رہا ہو۔ غیر ارادی طور پر حمید نے کسی لڑاکے مرغ کی طرح گردن اکڑائی۔

دونوں ہی ایک دوسرے کو گھورتے ہوئے کچھ دور چلے پھر وہ اپنی ساتھی کی کسی بات پر ...متوجہ ہو گیا۔ وہ لوگ آگے پیچھے ہال میں داخل ہوئے۔ اب یہاں فلور شو ہو رہا تھا۔

حمید نے اس جوڑے کے قریب ہی والی ایک میز منتخب کی۔ عورت کا انداز حمید کو کچھ غیر

فطری سا لگ رہا تھا۔ مرد رقاصہ کی طرف متوجہ تھا۔

دفعتاً حمید نے دیکھا کہ عورت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ہے۔

حمید کی چیخ

حمید نے اس کے ساتھی کے رویے کو بڑی حیرت سے دیکھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اُسے نہ اس کی پرواہ ہو اور نہ اس کی فکر کہ اس مجمع میں لوگ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے۔

وہ برابر منہ ڈھانپے روئے جا رہی تھی۔

دفعتاً حمید اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کی میز کے قریب پہنچ کر بڑے ادب سے جھکا اور نرم لہجے میں بولا۔ ''خاتون...... آپ کو کیا تکلیف ہے۔''

اس کا ساتھی ایک دم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

حمید بڑے خوبصورت اسٹائل میں اس کی طرف مڑا تھا۔

''جناب...... آپ ہمارے مہمان ہیں۔''

''تو پھر......!''

''میں آپ لوگوں کی کیا خدمت کر سکتا ہوں...... اگر خاتون کسی تکلیف میں مبتلا ہیں تو ان کے لئے ڈاکٹر لاؤں۔''

دفعتاً حمید نے اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ دیکھی، خطوط کا تیکھا پن ختم ہو چکا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے......!'' وہ قریب کی کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

حمید اس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

''انہیں کوئی خاص تکلیف نہیں ہے۔'' عورت کے ساتھی نے کہا۔ ''یہاں آرکسٹرا

وائلن بھی شامل ہے۔''

''وائلن......!'' حمید میوزک کی طرف توجہ مبذول کرتا ہوا بولا۔ ''ہاں...... ہے تو......!''

''وائلن کی آواز کا ان کے ذہن پر خاص اثر ہوتا ہے۔''

''کوئی ٹریجڈی۔''

''ہاں...... ان کا ایک آرٹسٹ دوست وائلن بجاتے بجاتے مر گیا تھا۔''

عورت اب بھی روئے جا رہی تھی۔

''عورت کے ذہن کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

عورت نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے اور اس کی طرف دیکھنے لگی۔ آنسوؤں سے بھری بڑی بڑی آنکھیں عجیب سی دلکشی کی حامل نظر آ رہی تھیں۔ حمید اس تاثر کو فوری طور پر الفاظ نہ دے سکا۔ پھر اس نے رومال سے آنسو خشک کر ڈالے اور حمید ہی کو گھورتی رہی۔

''کیا تم گائیڈ ہو۔'' مرد نے حمید سے پوچھا۔

''ہوں تو نہیں...... لیکن دوستوں کے لئے گائیڈ کے فرائض بھی انجام دے سکوں گا۔''

''لیکن یہاں تو کوئی ایسی جگہ نہیں جس کے لئے گائیڈ کی ضرورت پیش آئے۔''

''یہاں دو قبریں ہیں۔''

''قبریں......!''

''ہاں دو محبت کرنے والوں کی قبریں۔ جن کے گیت گھر گھر گائے جاتے ہیں۔''

''کیا خاص بات ہے اُن قبروں میں؟''

''ہماری قوم کے پاگل پن کی تاریخ پوشیدہ ہے ان قبروں میں۔''

''میں نہیں سمجھا۔'' مرد نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

''ہماری قوم محبت کرنے والوں کو مار ڈالتی ہے...... دفن کر دیتی ہے۔ پھر اُن کے خوبصورت مقبرے تعمیر کرتی ہے پھر...... شاعر اُن پر گیت لکھتے ہیں پھر مصنف ان کی کہانیاں لکھتے ہیں۔''

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"ہے نا پاگل پن۔"

"بالکل......!"

"لیکن نہیں...... یہ ہمارا فلسفہ ہے...... وہ دونوں اگر مل بیٹھتے تو صرف کرتے...... گیتوں اور کہانیوں کا موضوع نہ بن سکتے...... جی بہلانے کے لئے اور خواب کے لئے کہانیاں بھی تو قومی ضروریات میں شامل ہیں۔"

"سمجھ دار آدمی معلوم ہوتے ہو۔" وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "کیا پیو

"خدا نے میری قوم پر صرف ٹھنڈا پانی اُتارا ہے۔"

"تو تم بھی قوم پرست ہو۔"

"بڑے فخر کے ساتھ۔" حمید نے گردن اکڑائی۔

اس نے ویٹر سے رائی کی وہسکی اور شامپین لانے کو کہا۔

"میں بھی پیوں گی۔" عورت بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"تمہاری قوم پر تو خدا نے ٹھنڈا پانی نہیں اُتارا۔" وہ مضحکانہ انداز میں ہنسا۔ وہ کچھ بولی نہیں

پھر وہ حمید سے بولا۔ "پھر یہاں بیکار بیٹھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اپنی میز پر جاؤ۔"

عورت نے مرد کو گھور کر دیکھا اور پھر حمید سے بولی۔ "نہیں تم یہیں بیٹھو گے۔ ہم تم دوستی کا خیر مقدم کرتے ہیں۔"

مرد نے اسے کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھا تھا اور اس کی آنکھوں میں اس وقت جذبے کی جھلکیاں تھیں، حمید صحیح طور پر اندازہ نہ کرسکا۔

شراب آئی، وہ دونوں پیتے رہے اور حمید پائپ کے کش لیتا رہا۔ اس نے اپنے لئے طلب کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

اس کی آنکھیں تو اب ویٹر کو ڈھونڈ رہی تھیں جس نے کچھ دیر پہلے اس تک بلیک پیغام پہنچایا تھا۔



کرنل فریدی نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ ٹھیک گیارہ بج کر پانچ منٹ پر وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے پیغام رسانی کیا کرتا تھا۔

اس نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر دیا جیسے ہی بڑی سوئی پانچ پر پہنچی ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "ہیلو ہارڈ اسٹون...... ہیلو ہارڈ اسٹون۔"

"ہارڈ اسٹون......!" فریدی بولا۔

"کوڈ تھری سیون سر......!" آواز آئی۔ "اٹ از بلیک۔"

فریدی نے کاغذ اور پنسل سنبھال لئے۔ پھر دوسری طرف سے کوڈ ورڈ میں کوئی پیغام سنائی دیتا رہا اور فریدی کی پنسل تیزی سے کاغذ پر چلتی رہی۔

"اُوور اینڈ آل......!" کچھ دیر بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔

فریدی بولا۔ "جواب کا انتظار کرو۔"

اس کے بعد اُس نے پھر کچھ لکھنا شروع کیا اور پھر دو ہی منٹ گزرے تھے کہ اس نے دوسری طرف سے بولنے والے کو متوجہ کر کے کہا۔ "ہیلو...... بلیک......!"

دوسری طرف سے جواب مل جانے پر بولا۔ "معلوم کر کے مطلع کرو کہ وہ پھر کیوں واپس چلا گیا اور اس سے کہو کہ وہ دوسری ہدایات پہنچنے تک کسی ہوٹل میں قیام کرے۔ اُوور اینڈ آل۔"

ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر کے وہ بنگلے سے باہر آیا اور اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد کہ پہرہ قاعدے سے جاری ہے ٹسڈل کی زیر زمین قیام گاہ میں داخل ہوا۔ یہاں کا نظام جوں کا توں چل رہا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ گراہم کے آدمیوں کی جگہ فریدی کے محکمے کے چند مخصوص آفیسروں نے لے لی تھی۔

ٹسڈل کی سیکریٹری ریکا بھی یہیں رکھی گئی تھی اور پہلے ہی کی طرح ٹسڈل کی سیکریٹری کے فرائض انجام دے رہی تھی۔

فریدی اس کمرے کی طرف بڑھا جس میں بیٹھ کر کام کرتا تھا، ربیکا وہاں موجود ملی۔ اس کے چہرے پر افسردگی تھی اور آنکھیں ویران ویران سی نظر آ رہی تھیں۔

"اوہ..... تم.....!" فریدی دروازے ہی میں رک گیا۔

"میں پوچھنے آئی ہوں کہ تم یہ کیا کر رہے ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"تم نے اس سے کہا ہے کہ اس کا وہ مرض قابل علاج ہے۔"

"ہاں..... ہاں.....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "مشرقی طب بعض اوقات ناممکنات سے ٹکرا جاتا ہے۔"

"میں جانتی ہوں..... لیکن تمہیں اس سے کیا فائدہ۔"

"ارے کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہمارے درمیان ایک سمجھوتہ ہوا ہے۔"

"کیسا سمجھوتہ۔"

"وہ اسی شرط پر بگاڑی ہوئی شخصیتیں درست کر دینے پر آمادہ ہوا ہے کہ میں اُس کے مرض کا علاج کر دوں۔"

"تم کرو گے علاج۔"

"ہاں..... کیوں نہیں۔"

"تب شائد مجھے خودکشی کرنی پڑے۔" وہ ویران ویران آنکھوں سے خلاء میں گھورتی ہوئی بولی۔

"کیوں.....؟" فریدی کے لہجے میں تحیر تھا۔

"مجھے اُس کی بے بسی سے پیار ہے۔ مجھے اس سے شدید ترین نفرت ہو جائے گی اگر اس کی وہ بیچارگی رفع ہو گئی۔"

"تم بھی کسی معالج کے لئے مسئلہ بن سکتی ہو۔" فریدی کے لہجے میں حیرت برقرار رہی۔

"میں تم سے استدعا کرتی ہوں کہ تم ایسا نہ کرو۔"

"اور یہ جو اپنی شخصیتیں کھو بیٹھے ہیں ساری زندگی بھٹکتے پھریں۔"

"پھر بتاؤ میں کیا کروں۔" ربیکا نے کہا اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔

"اپنے سکھ قربان کئے بغیر آدمی دوسروں کے دکھ نہیں بانٹ سکتا۔"

ربیکا کچھ نہ بولی۔ بدستور چہرہ چھپائے رہی۔ فریدی پہلے ہی کے سے انداز تحیر میں کھڑا پلکیں جھپکائے جا رہا تھا۔ دفعتاً ربیکا اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔

فریدی دروازے کی طرف دیکھتا رہا..... پھر جیب سے سگار نکال کر سلگایا اور اس میز کی جانب متوجہ ہو گیا جس پر شیشے کے کچھ آلات رکھے ہوئے تھے۔



عورت نے حمید کے لئے کافی منگوائی تھی اور مرد ان دونوں کو باری باری گھورے جا رہا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ عورت اس سے ذرہ برابر بھی اثر نہیں لے رہی۔ کچھ دیر بعد مرد اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا کاؤنٹر تک جا پہنچا۔ حمید اُسے کنکھیوں سے دیکھتا رہا۔ کبھی کبھی عورت کی طرف متوجہ ہو جاتا جو آہستہ آہستہ شراب کی چسکیاں لے رہی تھی۔ اس کی آنکھیں کچھ کھوئی کھوئی سی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی خیال میں ڈوب کر اپنے آس پاس سے بے خبر ہو گئی ہو۔

حمید نے دیکھا کہ مرد کاؤنٹر پر کسی کو فون کر رہا ہے۔ فی الحال یہ اس کے لئے کوئی ایسی بات نہیں تھی جو اُسے اس شخص کی طرف متوجہ رکھتی۔ اُس نے عورت سے کہا۔ "آپ کے ساتھی کچھ چڑچڑے معلوم ہوتے ہیں۔"

"اُوں.....!" وہ چونک پڑی۔

"کیا میں مخل ہو رہا ہوں محترمہ۔"

"نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں۔" عورت نے لاپروائی سے کہا اور پھر شراب کی چسکیاں

لینے لگی۔

مرد جلد ہی واپس آ گیا۔ اب حمید نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ بدستور عورت سے باتیں کئے چلا گیا۔ وہ اسے اردگرد کے دوسرے خوبصورت علاقوں کے بارے میں بتا رہا تھا اور وہ بھی اسی طرح سن رہی تھی جیسے ایک ایک لفظ ذہن نشین کر لینا چاہتی ہو۔

دفعتاً مرد میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

''مجھے ایسی اکتا دینے والی باتوں سے دلچسپی نہیں۔''

''اپنے کان بند کر لو۔'' عورت کے لہجے میں لاپروائی تھی۔

''پکیسی......!''

''بور مت کرو۔''

حمید نے محسوس کیا کہ وہ اندر ہی اندر بُری طرح پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ اس نے ہونٹ سختی سے دانتوں میں دبا لیا تھا اور مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

ٹھیک اسی وقت ایک دراز قد سفید فام اجنبی ان کی میز کے قریب آیا۔

''کیوں......؟'' مرد اس کی طرف دیکھ کر غرایا۔

اور وہ سر ہلاتا ہوا چوتھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ حمید کے مقابل تھا۔

''یہ شریف آدمی ابھی ابھی ہمارا دوست بنا ہے۔'' اس نے حمید کی طرف اشارہ کر کے نووارد سے کہا۔

''خوب......!'' نووارد مسکرایا۔

''میرا نام زیٹو ہے......ڈاکٹر زیٹو......!'' حمید موڈ میں آ کر چہکا۔

''میں ولسن ہوں......جیری ولسن......!'' نووارد نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

حمید اس سے مصافحہ کر کے اپنی داہنی ہتھیلی سہلانے لگا۔ نووارد کے داہنے ہاتھ پر نظر پڑی۔ وہ کئی انگشتریاں پہنے ہوئے تھا۔

''تمہاری کسی انگشتری کا جوڑ کھل گیا ہے۔'' حمید نے اس سے کہا۔

''کیوں......؟'' اس نے انگشتریوں پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''میری ہتھیلی میں چبھی تھی۔''

''تم کیا پیو گے جیری۔'' عورت کے ساتھی نے نووارد سے پوچھا۔

دفعتاً حمید کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ اُس نے محسوس کیا جیسے یک بیک اُس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے ہوں اور ریڑھ کی ہڈی کو سیدھا رکھنا اس کے بس سے باہر ہو اور ذرا ہی سی دیر میں یہ عالم ہو گیا کہ وہ دیکھنے اور سننے کے علاوہ اور کسی قسم کی حس خود میں نہیں پا رہا تھا۔

دفعتاً نووارد نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ ''کیوں دوست کیا نشہ ہو گیا ہے۔''

حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن زبان نے جنبش بھی نہ کی۔ ریڑھ کی ہڈی سے عجیب قسم کی سنسنی پورے جسم میں منتشر ہو کر قوت ارادی پر اثر انداز ہو رہی تھی۔

وہ کسی بے بس چوپائے کی طرح پلکیں جھپکاتا رہا۔

عورت بھی اُسے متحیرانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں کیا ہو گیا......؟'' بالآخر اس نے بھی پوچھا۔

''بعض لوگ کافی پی کر بھی مدہوش ہو جاتے ہیں۔'' اس کے ساتھی کی مسکراہٹ حمید کو اچھی نہ لگی۔ لیکن خود میں اتنی سکت نہیں تھی کہ اس ناپسندانہ مسکراہٹ کا جواب دے سکے۔

''ہم کب تک یہاں بیٹھے رہیں گے۔'' دفعتاً مرد نے عورت سے کہا اور عورت نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

حمید سوچ رہا تھا دیکھیں اپنا کیا حشر ہو؟ کیا وہ [illegible] ہیں چھوڑ کر جائیں گے یا......''یا!'' کے ساتھ اسے نووارد کی انگشتری کی چبھن یاد آئی۔ تو کیا......[illegible] گیا......وہ پھنس گیا ہے۔ پھر اسے یاد آیا کہ ریالٹو میں بلیک فورس کا کوئی ممبر بھی موجود ہے [illegible] مطمئن ہو گیا۔

بڑی عجیب بات تھی۔ وہ سوچ سکتا تھا۔ اس کی یادداشت [illegible] ار تھی۔ صرف جسم شل ہو کر رہ گیا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا بھی نہ رہ [illegible]۔

اس نے دیکھا کہ نووارد اور عورت کا ساتھی ایک دوسرے [illegible] تیز نظروں سے دیکھ رہے ہیں

ہیں۔ویٹر کو بل ادا کرنے کے بعد وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''چلو اٹھاؤ......!'' عورت کے ساتھی نے حمید کے بائیں پہلو پر پہنچتے ہوئے نووارد سے کہا

دونوں نے اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اٹھایا۔ ہال کے دوسرے لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔عورت کا ساتھی بہ آواز بلند کہہ رہا تھا۔''اپنی قوت کا اندازہ کئے بغیر پیتے چلے جاتے ہیں یہ لوگ۔''

حمید کی دونوں ٹانگیں گویا فرش پر گھسٹ رہی تھیں۔ وہ لوگ اپنی قوت سے اُسے اٹھائے ہوئے تھے۔اُسے غیر ملکی کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا گیا۔ دراز قد اجنبی ان کی گاڑی میں نہیں بیٹھا تھا۔

لمبی سی گاڑی، جھٹکے کے ساتھ سڑک پر اترتی چلی گئی۔حمید بے حس و حرکت پچھلی سیٹ پر پڑا ہوا تھا۔اس کے اندازے کے مطابق اس سفر کا اختتام پندرہ منٹ بعد ہو گیا۔

گاڑی رکتے ہی حمید نے کسی اور گاڑی کے رکنے کی آواز بھی سنی۔

پھر وہی دراز قد اجنبی دروازہ کھولتا ہوا نظر آیا جس نے اسے گاڑی میں بٹھایا تھا۔

دونوں نے مل کر حمید کو گاڑی سے نکالا اور ایک عمارت کی طرف لے چلے۔عورت ان کے پیچھے چل رہی تھی۔

حمید کا ذہن دھواں دھواں ہو رہا تھا۔وہ بس ان کے ساتھ گھسٹتا جا رہا تھا۔نہ حال کی خبر تھی اور نہ مستقبل کی فکر۔وہ اسے ایک بڑے کمرے میں لائے جہاں بہت ہی عمدہ قسم کا فرنیچر سلیقے سے رکھا گیا تھا۔حمید کو ایک صوفے پر ڈال دیا گیا۔

عورت کا ساتھی اسے فاتحانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''وہ پوری طرح ہوشیار ہیں۔'' دراز قد آدمی بولا۔

''کیوں......؟'' عورت کا ساتھی چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

''کسی نے تعاقب کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے فائر کر کے ٹائر پھاڑ دیا تھا دوسری گاڑی کا......وہ رک گئے تھے۔پھر یہاں تک کوئی دوسری گاڑی نہیں دکھائی دی۔''

''ہوں......!'' عورت کا ساتھی پھر حمید کو گھورنے لگا۔

''لیکن......!'' دراز قد اجنبی متفکرانہ لہجے میں بولا۔''کچھ دیر پہلے تین آدمیوں نے اس کا تعاقب کیا تھا۔ یہ ہیلی کوپٹر اسٹیشن کی طرف واپس جا رہا تھا۔تعاقب کرنے والوں کو اچانک معلوم ہوا کہ ان کا بھی تعاقب کیا جا رہا ہے لہٰذا وہ وہیں سے پلٹ آئے۔''

''تو پھر......؟'' عورت کا ساتھی آنکھیں نکال کر بولا۔

''یہ دوبارہ ریالٹو میں کیوں پایا گیا......؟''

''سوچتے رہو۔'' عورت کے ساتھی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور جھک کر حمید کی نبض دیکھنے لگا۔حمید دراز قد آدمی کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً عورت کے ساتھی نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔''اب اسے معمول پر آ جانا چاہئے۔''

''بہت بہتر۔'' دراز قد آدمی نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

حمید نے آنکھیں بند کر لی تھیں کیونکہ کمرے کی تیز روشنی نا قابل برداشت محسوس ہو رہی تھی۔تھوڑی دیر بعد دراز قد آدمی واپس آ گیا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں بڑی سی ہائپوڈرمک سرنج تھی۔

اس نے حمید کے بازو میں کسی قسم کا سیال انجکٹ کیا۔حمید کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے بازو میں گولی لگی ہو۔پھر آہستہ آہستہ تکلیف کم ہوتی گئی تھی۔

اس کی جسمانی بے بسی بھی حیرت انگیز طور پر زائل ہونے لگی تھی۔ پھر پندرہ یا بیس منٹ لگے ہوں گے معمول پر آنے میں۔وہ پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''دوستو......!'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔''مجھے کیا ہو گیا تھا اور میرا وہ مرض کس طرح دور ہوا۔''

''اب معاملے کی بات پر آ جاؤ۔'' عورت کے ساتھی نے لمبے آدمی سے کہا۔

''گراہم کے کاغذات کہاں رکھے گئے ہیں؟'' لمبے آدمی نے حمید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''اوہ......!''

"فوراً اگل دو......!" عورت کا ساتھی غرایا! "ورنہ الیکٹرک شاک دینا میرا محبوب ترین مشغلہ ہے۔"

"تو یہ بات ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"گر اہم کے کاغذات......!"

"میں نہیں جانتا......اتنی اہم چیزیں صرف میرے چیف کی ذات تک محدود ہوتی ہیں۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"اچھی بات ہے تو تم الیکٹرک شاک لگانے کی تیاریاں شروع کر دو، میں تکلیف سے بلبلا کر جھوٹ بولتا رہوں گا۔"

"کیا مطلب......؟"

"ظاہر ہے جب مجھے معلوم ہی نہیں تو اس تکلیف سے پیچھا چھڑانے کے لئے میں اوٹ پٹانگ مقامات کے نام لیتا رہوں گا اور تمہارے آدمی پریشان ہوتے پھریں گے۔"

تھوڑی دیر تک کوئی کچھ نہ بولا۔ پھر لمبے آدمی نے عورت کے ساتھی کو کچھ اشارہ کیا اور وہ دونوں ہی دروازے کی طرف بڑھے۔ دروازے پر رک کر عورت کا ساتھی حمید کی طرف مڑا۔

"اگر تم نے کمرے سے باہر نکلنے کی جرأت کی تو اپنی موت ہی کو دعوت دو گے۔"

"میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور عورت کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔ عورت کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

اس نے مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں جا چکے تھے۔

"عجیب احمق دوستوں سے سابقہ پڑا ہے۔" حمید بولا۔

"تم کون ہو اور یہ لوگ تم سے کیا چاہتے ہیں۔" عورت نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اس سوال کا جواب اتنا مختصر نہ ہوگا۔ کیا تم نہیں جانتیں۔"

"میں نہیں جانتی......لیکن پنڈو خطرناک آدمی ہے۔"

"پنڈو کون......؟"

"میرا ساتھی......اگر تم وہی ہو جس کا کچھ دیر پہلے تعاقب کیا گیا تھا تو یقیناً کوئی بہت ہی م آدمی ہو۔"

"کیوں......؟"

"پنڈو نے ان تینوں کو مار ڈالا جو تم پر ہاتھ ڈالنے میں ناکام رہے تھے۔"

حمید نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑے اور اسے ٹٹولنے والی نظروں سے یکھتا رہا۔

اتنے میں وہ دونوں واپس آ گئے۔ پنڈو نے عجیب نظروں سے عورت کو دیکھا تھا۔ حمید ندازہ نہ کر سکا کہ اُس وقت اس کی آنکھوں سے کسی جذبے کا اظہار ہوا تھا لیکن وہ یقین کے اتھ کہہ سکتا تھا کہ وہ کیفیت خوشگوار نہیں تھی۔

دفعتاً پنڈو نے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔

"اگر تم نہیں جانتے تو تمہارا رکنا فضول ہے۔"

"میں نے سچی بات تمہیں بتا دی۔" حمید بولا۔

"لیکن تم اس طرح نہیں جا سکو گے کہ اس عمارت کی نشاندہی کرنے کے قابل رہ جاؤ۔"

"کیا مطلب......؟"

"میں تمہیں اندھا کر کے کسی سڑک پر پھنکوا دوں گا۔"

"جب تک میرے بازوؤں میں سکت ہے یہ ناممکن ہے۔" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں لمبے آدمی نے کوئی لجلجی سی چیز اس کی آنکھوں پر کھینچ ماری۔

عجیب وحشت ناک سی چیخ حمید کے حلق سے نکلی تھی اور وہ اوندھے منہ فرش پر چلا آیا تھا۔

اہم کاغذات

کرنل فریدی بالکل ایسے انداز میں یہ کہانی سن رہا تھا جیسے وہ حمید کی اپنی کہانی نہ ہو بلکہ وہ سی ناول کا پلاٹ سنا رہا ہو۔ حمید بھنا کر خاموش ہو گیا۔

"پھر تم یہاں کیونکر پہنچے۔" فریدی نے سوال کیا۔

"کیا خیال ہے۔ قبرستان پہنچنا چاہئے تھا اس بار۔ معاف کردیجئے آئندہ اُدھر نہ
کروں گا۔"

"کیوں...... یک بیک دماغ کیوں خراب ہوگیا۔"

حمید نے سوچا کہ وہ اس طرح بھڑک اٹھنے کا کوئی منطقی جواز نہیں رکھتا۔ محض اس کے
کے انداز کی بناء پر اس کی چڑچڑاہٹ کسی طرح بھی درست نہیں۔ لہٰذا وہ اپنا موڈ درست کر
کے لئے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ فریدی اسے دیکھے جارہا تھا۔

حمید اپنی آواز میں ڈھیلا پن پیدا کر کے بولا۔ "اس کے بعد انہوں نے کوئی لجلجی سی
میرے چہرے پر پھینک ماری۔ بس ایسا ہی لگا تھا جیسے میری دونوں آنکھیں پھوٹ گئی ہوں
مجھے ایک گاڑی میں ڈالا گیا۔ گاڑی حرکت میں آئی اور کسی طرف چل پڑی۔ آنکھوں میں
شدید تکلیف تھی کہ میں ان کی دھمکی کی تصدیق بھی نہیں کرسکتا تھا۔"

"کیسی دھمکی......!"

"یہی کہ وہ مجھے اندھا کردیں گے۔ تکلیف کے مارے آنکھیں کھول ہی نہیں سکتا تھا
بہرحال ایک جگہ مجھے گاڑی سے نیچے دھکیل دیا گیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ کہاں پھینکا گیا ہوں
تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس قابل ہوا تھا کہ آنکھیں کھول سکوں۔ بڑے شریف لوگ تھے۔
سچ اندھا نہیں کردیا تھا۔"

حمید اس طرح خاموش ہوگیا جیسے ان کی شرافت کا اعتراف واحترام کچھ دیر خاموش رہ کر
بھی کرنا چاہتا ہو۔

"تو وہ صرف یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ گراہم کے کاغذات کہاں رکھے گئے ہیں۔"

"جی ہاں...... اور مجھے قطعی نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہیں۔ ورنہ میں کسی حال میں بھی جھوٹ
نہ بولتا۔ آخر خدا کو بھی منہ دکھانا ہے۔ ویسے پنڈو صورت سے بھی خطرناک لگتا ہے۔"

"کون......!" فریدی چونک پڑا۔

"پنڈو......!"

فریدی کرسی سے اٹھ گیا۔

"کیا اس نے تمہیں بتایا کہ وہ ولیم پنڈو ہے۔"

"اوہو...... آپ پورے نام سے واقف ہیں۔"

"جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔"

"جی نہیں۔ جب وہ دونوں کمرے سے چلے گئے تھے اس کی ساتھی عورت نے اس کا نام
لیا تھا۔"

"تو یہ بات ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔

"عورت بڑے دھڑلے کی معلوم ہوتی ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑگئی تھیں۔ کسی گہری سوچ میں تھا۔

حمید بھی پائپ سلگا کر دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔ دفعتاً فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔
"میرا خیال ہے کہ ولیم پنڈو شمالی سرحد عبور کر کے غیر قانونی طور پر یہاں داخل ہوا ہے۔"

"مرضی کے مالک ہیں آپ جدھر سے چاہیں داخل کردیں۔"

"کل والی گیارہ لاشیں اسی طرف اشارہ کرتی ہیں۔"

"کیا آپ اُسے جانتے ہیں؟"

"جن لوگوں سے سابقہ ہے......!" فریدی جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہوگیا۔ حمید اُسے
مستفسرانہ نظروں سے دیکھے جارہا تھا۔

"یہ بہت بُرا ہوا کہ پچھلی رات اُن لوگوں نے ان کا سراغ کھو دیا۔" فریدی کچھ دیر بعد
بولا۔ "دوسری گاڑی سے فائر کر کے ان کی گاڑی کا ایک وہیل بیکار کردیا گیا تھا۔"

"آپ گیارہ لاشوں کی بات کررہے تھے۔" حمید بھنا کر بولا۔

"وہ پنڈو کا ہی کارنامہ ہوسکتا ہے۔ مجھے اطلاع ملی تھی کہ وہ ایک پڑوسی ملک تک پہنچ گیا ہے۔"

"صاحب مجھے یہ بتایئے کہ......!" حمید بھی کچھ کہتے کہتے رک گیا اور فریدی ہی کے

اسٹائل میں خلاء میں گھورنے لگا۔

''کیا سوچنے لگے......؟''

وہ فریدی ہی کے سے انداز میں چونک کر اپنے انداز میں بولا۔ ''بڑے دھڑلے کی
عورت تھی۔''

''بکواس مت کرو۔'' فریدی کا منہ بگڑ گیا۔

''پنڈو مجھے اتنا دلکش نہیں لگا تھا کہ اسی کی باتیں کیئے جاؤں۔''

فریدی کھڑکی کی طرف مڑ گیا۔ اس وقت وہ دونوں ٹسڈل کے پہاڑی بنگلے میں تھے۔
حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور بجھتا ہوا سگار سلگانے لگا۔

دفعتاً فریدی کمرے سے چلا گیا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اُسے پھر شہر ہی واپس جانا چاہئے۔
یک بیک ڈاکٹر علوی کے گھرانے کی یاد آئی تھی۔ پچھلی رات اُسے اس طرح آزادی نصیب
ہوجانے کا مطلب یہی تھا کہ وہ لوگ فریدی کو اپنی راہ پر لگا کر گھیرنا چاہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے
عورت نے خاص طور پر پنڈو کا نام لیا ہو۔ پنڈو جو فریدی کے لئے بھی اہم تھا۔

حمید کمرے سے باہر نکلنے کے لئے دروازے کی طرف مڑا ہی تھا کہ فریدی داخل ہوا
اس کے ہاتھ میں ایک فائل تھا۔

حمید نے اس طرح گردن سہلائی جیسے کسی بڑے بوجھ سے اس کے ٹوٹ جانے کا خطرہ
درپیش ہو۔ فریدی نے قریب پہنچ کر ایک فارم نکالا جس کے اوپر بائیں گوشے میں ایک تصویر
چپکی ہوئی تھی۔ تصویر پر نظر پڑتے ہی حمید چونک پڑا۔

''کیوں یہی تھا......؟'' فریدی نے پوچھا۔

''سو فیصد یہی تھا...... عورت نے اسی کا نام لیا تھا۔''

''ولیم پنڈو......!'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''گراہم کے ملک کی
سیکرٹ سروس کا ایک ممبر ہے۔ اٹلی کا باشندہ ہے۔ وہاں کی حکومت اُسے قتل کی چار
وارداتوں میں ملوث قرار دے چکی ہے لیکن وہ وہاں سے فرار ہوکر گراہم کے ملک میں جا پہنچا

وہاں کی سیکرٹ سروس کے سربراہ نے اس کی خدمات اپنے لئے حاصل کرلیں۔ میرا ایجنٹ
سے اس کا تعاقب کرتا ہوا پڑوسی ملک کے دارالحکومت تک پہنچا تھا۔ لیکن وہاں سے اس
کا سراغ کھو دیا۔ اس گمشدگی کی اطلاع اس نے مجھے تین چار دن پہلے دی تھی۔

''اور آپ کا یہ ایجنٹ......!''

''تم اس کی فکر نہ کرو...... بلیک فورس ایک عالمی تنظیم ہے۔''

''کیا......؟'' حمید اچھل پڑا۔

''میرے ایجنٹ نے اطلاع دی تھی کہ ولیم پنڈو کو یہاں کے معاملات صاف کرنے کے
لئے متعین کیا گیا ہے۔ وہ لوگ ٹسڈل کی بازیابی یا موت کے خواہاں ہیں اور شائد اب میرا وجود
بھی ان کی آنکھوں میں کھٹکنے لگا ہے۔''

''آپ نے گیارہ لاشوں کا تذکرہ کیا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ پنڈو پڑوسی ملک سے غیر قانونی طور پر یہاں داخل ہوا ہے۔ اس کے
لئے اس نے وہیں کے کسی باشندے سے مدد حاصل کی ہوگی۔ غیر ملکی کی لاش جو تم نے دریافت
کی تھی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق کسی سریع الاثر زہر کا کارنامہ تھی۔ زہر خارجی طور پر
استعمال کیا گیا تھا۔ ہتھیلی کے ایک باریک سے زخم کے ذریعہ خون میں شامل ہوا تھا۔''

''تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس نے اُسے سرحد پار کرائی اُسے بھی اس نے ختم
کردیا۔''

''میرا یہی خیال ہے اور پھر مقامی رہزنوں نے اسکی راہ روکنے کی کوشش کی اور مارے گئے۔
ان کے جسموں میں ٹامی گن کی گولیاں برآمد ہوئی ہیں۔ پنڈو کی بہت پرانی عادت ہے کہ قتل
کرنے کے بعد بالکل پاگلوں کی طرح لاشوں کو ادھیڑ ڈالنا چاہتا ہے۔ انہیں مسخ کردیتا ہے۔''

''اور اس نے مجھے بخش دیا......!'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''اب معلوم ہوا کہ وہ گراہم کے کاغذات بھی حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

''ان کی کیا اہمیت ہے؟''

"کچھ کاغذات کوڈ ورڈز میں تحریر کیے گئے ہیں اور میں ابھی تک اس کوڈ کو حل نہیں کر سکا۔"

"آپ اور حل نہیں کر سکے؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"دراصل مجھے اس کی طرف دھیان دینے کا موقع ہی نہیں مل سکا اور اب بھی مجھے اتنی فرصت نہیں کہ پنڈو کی طرف توجہ دے سکوں۔ جلد از جلد ٹسڈل کو اس قابل کر دینا ہے کہ وہ اپنا کام شروع کر دے۔"

"کیا مطلب......؟"

"تم ان الجھیڑوں میں پڑنے کی بجائے اس پر غور کرو کہ پنڈو نے تمہیں پکڑنے کے بعد اس طرح چھوڑ کیوں دیا۔"

"قتل کر دیتا تو آپ کو حیرت نہ ہوتی۔" حمید متحیرانہ لہجے میں بولا۔

"قطعی نہیں۔" فریدی سفاک سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"اب میں کوشش کروں گا کہ وہ مجھے قتل کر دے۔"

"یقیناً کرو گے...... کیونکہ اس کے آس پاس کوئی دھڑلے کی عورت بھی پائی جاتی ہے" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

حمید نے فخریہ انداز میں گردن اکڑائی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

فریدی فائل اٹھا کر پھر باہر چلا گیا۔



ولسن مضطربانہ انداز میں ٹہل رہا تھا۔ کمرے میں تنہا تھا اور اُس نے ساری کھڑکیاں بند کر رکھی تھیں۔ دفعتاً ایک آدمی آہستہ سے اندر داخل ہوا۔ یہ بھی ولسن ہی کی طرح سفید فام

تندرست و توانا جسم کا مالک تھا۔ لیکن چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ پچھلی رات اُس نے موڈی کو دو مقامی آدمیوں سمیت مار ڈالا؟" اس نے ولسن کو مخاطب کر کے کہا۔

"تم نے صحیح سنا ہے۔" ولسن بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"آخر کیوں......؟"

"یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے وہ اس کی قیام گاہ میں داخل ہو گئے تھے۔"

"لیکن تعاقب کرنے والوں کو موڈی نے ڈاج دیا تھا۔ مجھے اچھی طرح علم ہے۔ تعاقب کرنے والوں نے اُسے عمارت میں داخل ہوتے نہیں دیکھا تھا۔"

"اُسے کون سمجھاتا...... پتہ نہیں کس وحشی کو ہم پر مسلط کر دیا گیا ہے۔"

"یہ صورت حال برداشت نہیں کی جا سکتی۔"

ولسن نے اسے بیچارگی سے دیکھا۔

"کیا تم برداشت کر سکتے ہو۔" نو وارد نے اس سے سوال کیا۔

"کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔"

"پھر تم کیا کر رہے ہو اس کے لئے؟"

"میں......؟" وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ "میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"دیکھو دوست......!" اجنبی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "گراہم کے بعد سے تم ہی سربراہ رہے ہو اور تم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کے بعد سے غافل نہیں رہا۔ پھر کسی نئے آدمی کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"یہ تو ہیڈ کوارٹر ہی جانے۔"

"کچھ بھی ہو...... یہ ناقابل برداشت ہے۔"

"خاموشی سے دیکھتے رہو۔"

"اور یونہی کسی معمولی سی غلطی یا غلط فہمی کی بناء پر دوسری دنیا کو سدھار دو۔" وہ طنزیہ لہجے
میں بولا۔

ولسن اس کے قریب آ کر آہستہ سے بولا۔ "مجھے اس کی دماغی صحت میں شبہ ہے۔"

"اس کے علاوہ بھی اور کچھ......؟" نووارد نے پوچھا۔

ولسن تھوڑی دیر تک اُسے خاموشی سے دیکھتا رہا پھر بہت نیچی آواز میں جلدی جلدی کچھ
حمید کی گرفتاری اور رہائی کی داستان دہرانے لگا۔

"مقصد کیا تھا......؟" نووارد نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"پاگل پن کے علاوہ اور کچھ نہیں...... میں اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اگر اُسے
پکڑ لیا ہے تو چھوڑ دینا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ یا تو ختم کر دو یا پھر اتنا تشدد کرو کہ وہ تھک
ہار کر سب کچھ بتا دے۔ لیکن وہ تو اس کے انکار پر اس طرح ایمان لایا تھا جیسے خود بھی اس پر
یقین رکھتا ہو۔"

"اُن لوگوں سے کچھ اگلوا لینا آسان نہیں۔"

"ہیڈ کوارٹر نے انتہائی غیر دانشمندانہ قدم اٹھایا ہے۔" ولسن پر تفکر لہجے میں بولا۔ "پنڈو
کے بارے میں میری معلومات یہ ہیں کہ وہ عقل کی بجائے ہاتھ سے کام لینا زیادہ پسند کرتا
ہے۔ ایک سفاک قسم کا قاتل ہے اور بس......!"

نووارد کچھ نہ بولا۔ ولسن تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر
بولا۔ "ابھی تک میں آزادانہ باہر آتا جاتا رہتا تھا لیکن اب یہ ناممکن ہو جائے گا۔ فریدی کے
آدمیوں کا جال سارے شہر میں بچھا ہوا ہے۔"

"میں کہتا ہوں...... ہم سب بڑی دشواریوں میں پڑ جائیں گے۔ اُسے سمجھانے کی کوشش کرو۔"

"سنو...... مجھے کوئی مشورہ نہ دو...... یہ کام تم خود بھی کر سکتے ہو۔ اب میری اور تمہاری
حیثیت برابر کی ہے۔"

"کیا وہ تمہاری بات نہیں سنتا......؟"

"خود دیکھ لینا۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" نووارد نے اُسے گھور کر کہا۔

"میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں...... پھر اب میری ضرورت بھی کیا رہی۔ میں ذہنی جنگ
کا قائل ہوں...... جسمانی طور پر ملوث ہونا پسند نہیں کرتا۔"

دفعتاً عمارت کے کسی گوشے سے ایک نسوانی چیخ اُبھری اور وہ دونوں ہی چونک پڑے۔

"اوہ...... تو کیا وہ اُسے بھی مارے ڈال رہا ہے۔" ولسن کہتا ہوا دروازے کی طرف
جھپٹا۔ نووارد اس کے پیچھے تھا۔

دوسرے ہی کمرے میں پنڈو سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ وہ وہاں تنہا تھا۔ انہیں دیکھ کر اس کی
پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

"کیا ہے؟" اس نے پھاڑ کھانے کے سے انداز میں ولسن سے پوچھا۔

"وہ...... وہ...... آواز......!"

"پیکسی گا رہی تھی...... جاؤ اپنا کام کرو......!" وہ غرایا۔

"ب...... بہت بہتر۔" ولسن نے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ نووارد اس سے پہلے
ہی کمرے سے نکل چکا تھا۔

وہ پھر اسی کمرے میں واپس آ گئے۔ لیکن خاموش کھڑے ایک دوسرے کی شکل دیکھتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد قدموں کی آہٹ پر چونکے۔ پیکسی کمرے میں داخل ہوئی۔ ایسا معلوم
ہوتا تھا جیسے وہ کہیں باہر جانے کے لئے تیار ہوئی ہو۔ لیکن اس کے چہرے پر کرب اور بے چینی
کے آثار تھے۔

"کک...... کیا آپ چیخی تھیں مادام......!" ولسن نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں...... وہ مجھے تنہا باہر بھیجنا چاہتا ہے۔ میں یہاں اجنبی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا
کہاں جاؤں۔ میں نے انکار کیا تو اس نے میرے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا۔"

"باہر کہاں بھیجنا چاہتا ہے۔" ولسن نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''بس یونہی بے مقصد ماری ماری پھروں۔''

''کیا میں ساتھ چلوں......!'' نووارد نے آگے بڑھ کر مودبانہ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں......!'' دروازے سے غراہٹ سنائی دی۔

وہ بوکھلا کر مڑے۔ پنڈو دروازے میں کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔

وہ دونوں اس طرح دور ہٹے جیسے پیکسی ان کیلئے کوئی بہت خطرناک آتش گیر مادہ ہو۔

''تم جاؤ......!'' پنڈو پیکسی کو مخاطب کر کے غرایا۔

وہ باہر نکل گئی۔ پنڈو وہیں کھڑا اُن دونوں کو خونخوار نظروں سے گھورتا رہا۔

''اپنے کام سے کام رکھو۔'' اس نے بلآخر بے حد خشک لہجے میں کہا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔



کیپٹن حمید پھر شہر کی طرف بھاگ نکلا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ ڈاکٹر علوی کے گھر تک جانے کے لئے ایک بہانہ ہاتھ آ گیا تھا۔ فریدی نے اس علاقے میں ہر قسم کے لوگوں کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا تھا۔ ڈاکٹروں کے متعلقین بھی اب وہاں نہیں پہنچ سکتے تھے۔

اس نے سوچا اچھا خاصا جواز ہاتھ آ گیا ہے۔ ڈاکٹر علوی کے خاندان میں دوبارہ پہنچنے کے لئے۔ اس نے جیپ ڈاکٹر علوی کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں روکی اور اتر ہی رہا تھا کہ انور کی آواز سنائی دی۔ وہ قہقہے لگاتا ہوا اس کی طرف دوڑا آ رہا تھا۔

''بڑا مزہ آیا کیپٹن......!'' وہ اس سے پر جوش انداز میں مصافحہ کرتا ہوا بولا۔

''باجی نے بانگ دہل اعلان کر دیا ہے کہ اب وہ ہر شام ریالٹو میں گزارا کریں گی۔''

''ارے......کیوں......؟''

''کیا ہم نے شام اچھی نہیں گزاری تھی......چلئے......یہاں کیوں کھڑے ہیں۔''

وہ حمید کو ڈرائینگ روم میں لایا۔

''ٹھہرئیے۔ ممی وغیرہ کو اطلاع دیتا ہوں۔'' اس نے کہا اور اندر چلا گیا۔

حمید سوچ رہا تھا پتہ نہیں پچھلی رات یہاں کس قسم کے ہنگامے ہوئے ہوں اور اس کا کس طرح استقبال کیا جائے۔ ڈاکٹر کی اولاد تو دادی کی طرف دار معلوم ہوتی ہے لہٰذا وہ والدہ صاحبہ یقینی طور پر تیوری بنی ہوئی نظر آئیں گے۔ اطلاع دے کر بھاگ نکلنا ہی بہتر ہوگا۔

بیگم علوی نے ڈرائینگ روم تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ حمید نے تیوری سے اندازہ لگایا کہ بہت رکھائی سے پیش آئیں گی۔ لہٰذا اٹھ کر آداب کیا اور شوہر سے ملنے پر پابندی لگ جانے کی اطلاع دے کر دروازے کی طرف مڑ گیا۔

''ارے سنئے تو سہی۔''

''جی نہیں......پھر کبھی......آدھے گھنٹے کے اندر اندر بہتیرے خاندانوں کو مطلع کرنا ہے۔'' حمید نے کہا اور تقریباً سرپٹ کی رفتار سے کمپاؤنڈ تک آ پہنچا۔ حالانکہ کسی کو بھی اس تبدیلی سے مطلع کرنا اس کے فرائض میں سے نہیں تھا۔

شام تک شہر میں چکراتا پھرا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں جائے۔ دفعتاً ریالٹو کی سوجھی۔ اس نے سوچا ممکن ہے انور نے جو کچھ کہا تھا سچ ہی ہو۔

ریالٹو کے باہر جیپ روک کر اُترا تو بڑی تھکن محسوس کر رہا تھا۔

بے مصرف ادھر اُدھر مارے پھرنے میں تھکن کے علاوہ اور کیا ہاتھ آتا ہے۔

ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے ہی اندیشے کی تصدیق ہوگئی۔ دونوں بھائی بہن براجمان تھے۔ انور شائد دروازے ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حمید پر نظر پڑتے ہی زور سے ہاتھ ہلائے۔

حمید ان کی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ وہ دونوں اس کے قریب پہنچنے پر اٹھ گئے۔ حمید نے ہاتھ ہلا کر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور شکریہ ادا کر کے تیسری کرسی پر خود بیٹھ گیا۔

''پتہ نہیں کیوں۔ مجھے یقین تھا کہ آپ سے یہاں ضرور ملاقات ہوگی۔'' انور جھک کر بولا۔

حمید اس پر صرف مسکرا دیا۔ کچھ بولا نہیں۔ پھر اس نے نگہت کی خیریت دریافت کی۔

''جب تک اکڑی رہیں گی خیریت ہی سے رہیں گی۔'' انور بول پڑا۔

''تم فضول بکواس نہ کیا کرو۔'' نگہت دانت پیس کر بولی۔

''میں غلط تو نہیں کہہ رہا...... ابھی ذرا نرم ہو جاؤ چڑھ بیٹھیں گی۔''

''انور......!''

''انور میاں بُری بات ہے۔ ہر جگہ بے تکلفی مناسب نہیں ہوتی۔'' حمید نے مربیانہ لہجہ اختیار کیا۔

''آپ کیا پئیں گے؟'' انور نے پوچھا۔

''عزیزم یہ مجھے آپ سے پوچھنا چاہئے۔ کیونکہ میں یہاں تم دونوں کا بزرگ ہوں۔''

''بزرگ ہی تو نہیں لگتے ورنہ آپ کو بھی دور سے سلام کرتے۔'' انور بولا۔

''آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔'' نگہت بولی۔ ''یہ بہت بکواس کرتا ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔''

دفعتاً ایک عورت ان کی میز کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ حمید نے سر اٹھا کر دیکھا اور چونک پڑا۔ یہ تو وہی تھی۔ پچھلی رات والی عورت جو ولیم پنڈو کے ساتھ تھی۔

''دخل اندازی کی معافی چاہتی ہوں۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''لیکن یہاں اس شہر میں تمہارے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتی۔''

''بیٹھو بیٹھو......!'' حمید نے اس سے کہا اور ان دونوں سے بولا۔ ''اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو۔''

''ضرور...... ضرور......!'' دونوں بیک وقت بولے۔

وہ چوتھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس وقت حمید اُس عورت میں کوئی عجیب بات محسوس کر رہا تھا جو پچھلی رات نہیں محسوس کر سکا تھا۔

عورت تھوڑی دیر تک ان تینوں کو باری باری سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ''میرا نام پیکی ہے نسلاً جرمن ہوں۔''

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد حمید کو مخاطب کر کے بولی۔ ''پچھلی رات کے حالات کا تقاضا تو یہی ہونا چاہئے کہ تم بُری طرح پیش آؤ...... لیکن میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ وہ لوگ میرے لئے قطعی اجنبی ہیں اور میں یہ بھی نہیں جانتی کہ وہ تم سے کیا چاہتے ہیں۔''

''فرض کرو...... میں نے یقین کر لیا پھر......؟'' حمید مسکرا کر بولا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟''

حمید کچھ نہ بولا اور پیکی نے اپنی کہانی شروع کر دی۔ حمید متحیرانہ انداز میں منہ کھولے سنتا رہا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی سختی سے ہونٹ بھینچ لئے اور پھر شائد کوئی سوال کرنے ہی جا رہا تھا کہ پیکی بول پڑی۔ ''آج صبح اس نے مجھے زبردستی تنہا باہر بھیج دیا...... کچھ دیر بعد جب میں واپس گئی تو وہ عمارت بالکل سنسان پڑی تھی۔ کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ بارہ بجے سے اس وقت تک وہیں ٹھہری رہی تھی۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی نہ پلٹا۔ تھک ہار کر میں پھر وہاں سے نکل آئی۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ میرا خیال ہے کہ تم کوئی پولیس آفیسر ہو۔''

''تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''میں باضابطہ طور پر اپنے جرم کی سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔'' پیکی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

حمید عجیب سی کشمکش میں پڑ گیا۔ ان دونوں کی موجودگی میں یہ کہانی چھیڑی گئی تھی اور وہ دونوں ہی پھٹی پھٹی آنکھوں سے پیکی کو دیکھے جا رہے تھے۔ حمید نے سوچا اب پیکی سمیت ہال سے اٹھ ہی جانا چاہئے۔ پتہ نہیں وہ لوگ کس قسم کا جال ان کے گرد بن رہے ہیں۔

''اٹھو......!'' اس نے خود بھی اٹھتے ہوئے پیکی سے کہا۔

''ارے...... ارے...... آپ جا رہے ہیں؟'' دونوں نے بیک وقت کہا۔

''ہاں بے بی...... ضروری کام ہے...... پھر کبھی۔''

حمید اور پیکی ریالٹو سے نکلے چلے گئے۔

یہ کیا ہوا؟

حمید نے پولیس ہیڈ کوارٹر کے آپریشن روم سے بذریعہ ٹرانسمیٹر فریدی سے رابطہ قائم کر کے پیکسی کی کہانی سنائی۔

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ مجھے فرصت نہیں...... جو مناسب سمجھو کرو۔"

"کیا مطلب......؟"

"میں تمہیں اس کیس کا انچارج بناتا ہوں۔"

حمید نے بہت تیزی سے اپنی کھوپڑی سہلائی اور سلسلہ گفتگو ختم کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا پیکسی کو مقامی پولیس کے سپرد کر دے۔ کافی دیر سوچ بچار کے بعد یہ طے کیا کہ یہ مناسب نہ ہوگا۔ کیوں نہ پیکسی کی نشاندہی پر ان دونوں عمارتوں کی تلاشی لی جائے اور اُسے ساتھ ہی رکھا جائے۔ پنڈو اُسے چھوڑ گیا تھا...... کچھ نہ کچھ مقصد ضرور تھا اُس کا...... ورنہ وہ اس سے بھی اسی طرح پیچھا چھڑا سکتا تھا جیسے ہورلیس کو ختم کر دیا تھا۔ اُسے اس لئے زندہ نہ رکھتا کہ وہ اس کی کہانی سناتی پھرے۔

عمارتوں پر چھاپہ مارنے کے لئے اُس نے ایک پولیس پارٹی ترتیب دی۔ پہلے اس عمارت پر چھاپہ مارا گیا جس میں پیکسی نے پہلی بار قیام کیا تھا۔ وہاں کچھ بھی نہ ملا۔ حتیٰ کہ ان تینوں لاشیں بھی نہ مل سکیں جن کا تذکرہ پیکسی نے پنڈو کی زبانی سنا تھا۔

سرنگ کا دہانہ ظاہر کرنے والے سوئچ بورڈ کا سراغ نہ مل سکا۔ ایسا لگتا تھا جیسے سوئچ بورڈ کو وہاں سے ہٹا کر تاروں کا سلسلہ چھپانے کے لئے اس جگہ دیوار پر دوسرے ٹائیل لگا دیئے گئے ہوں۔ آس پاس کے ٹائیل اکھاڑنے پر اس خیال کی تائید بھی ہوگئی۔ تاروں کو ہلاتے ہی فرش کا سلیب اپنی جگہ سے سرک گیا لیکن خلاء بڑے بڑے پتھروں سے پُر نظر آیا۔

اس عمارت کو بند کر کے سیل کر دیا گیا۔ اس کے بعد دوسری عمارت پر بھی یلغار ہوئی۔ یہاں بھی کچھ ہاتھ نہ آیا۔ لیکن اس سرنگ کا دوسرا دہانہ مل گیا جو اُن دونوں عمارتوں کو ملاتی تھی۔

واپسی پر حمید پھر سوچ رہا تھا کہ پیکسی کے لئے کیا کرے۔ دفعتاً فریدی کے الفاظ یاد آئے۔ "میں تمہیں اس کیس کا انچارج بناتا ہوں۔" اور یہ کیس تھا...... گیارہ لاشوں کا۔ پنڈو پر فی الحال قتل کی گیارہ وارداتوں کا الزام تھا اور تین مزید وارداتوں کا شبہ بھی۔ اُس نے غیر قانونی طور پر سرحد پار کی تھی۔

کیس کا انچارج بن جانے کا یہ مطلب تھا کہ اب اُسے ٹنڈل کے بنگلے کا رخ بھی نہیں کرنا۔

پولیس ہیڈ کوارٹر سے وہ پیکسی سمیت پھر ریالٹو واپس آیا۔ یہ یہاں کے اچھے رہائشی ہوٹلوں میں سے بھی تھا۔ ریالٹو میں اُس نے دو کمرے حاصل کئے۔ جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ دو کمروں کا سوٹ تھا۔

"تم نے مجھے حوالات میں نہیں دیا۔" پیکسی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"عورتوں کے معاملے میں بہت نازک دماغ واقع ہوا ہوں۔" حمید نے جواب دیا۔

"میں نہیں سمجھی۔"

"حوالات میں مچھروں اور کھٹملوں کی بہتات ہوتی ہے اور تم شاید ان کی عادی نہیں۔"

"اگر میں یہاں سے بھاگ جاؤں تو۔"

"لوگ مجھے عقل مند سمجھیں گے۔"

"کیا مطلب......؟"

"میرا خیال ہے تم بہت تھک گئی ہو۔ اپنے کمرے میں جاؤ۔"

پیکسی اس کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ حمید سوچ رہا تھا آخر ہنگ درو کا انجام کیا ہوگا۔ پنڈو نے پیکسی کو بھی نکال باہر کیا۔ حالانکہ اس کا بھی خاتمہ کر سکتا تھا۔ اپنے خلاف ایک گواہ کو آزادی دے دینا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ وہ چاہتا کیا ہے؟

اس کے ذہن پر آہستہ آہستہ غنودگی طاری ہوتی رہی اور پھر وہ سو گیا۔ اس نے پیکسی کے کمرے کی طرف کے دروازے کو بولٹ نہیں کیا تھا۔

دوبارہ اس کی آنکھ کسی کے جھنجھوڑنے پر کھلی تھی۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ پیکسی ہانپتی ہوئی

بولی ''کوئی میرے کمرے کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔''

''تو پھر......؟''

''میں نہیں سمجھ سکتی۔''

''کیا نہیں سمجھ سکتیں؟''

''اتنی رات گئے کون میرے کمرے کے دروازے پر دستک دے سکتا ہے۔ جب کہ میں کسی کو یہاں جانتی بھی نہیں اور پنڈو کے علاوہ مجھے کون جانتا ہے۔''

''پنڈو......!'' حمید دانت پیس کر بڑبڑایا اور اس دروازے کی طرف بڑھا جس پر پیکسی کے بیان کے مطابق دستک ہوئی تھی۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر اپنے کمرے کی طرف پلٹ آیا...... تکیئے کے نیچے سے ریوالور نکالا اور دوبارہ دروازے کی طرف چل پڑا۔

پھر دروازے کے قریب رک کر بلند آواز میں پوچھا۔ ''کون ہے۔'' جواب نہ ملنے پر پیکسی کی طرف دیکھا۔ وہ آہستہ سے بولی۔ ''دستک ہوئی تھی۔ متواتر ہوتی رہی تھی۔''

حمید نے یہی مناسب سمجھا کہ اپنے کمرے کی طرف کا دروازہ کھول کر دیکھے۔ لیکن پوری راہداری سنسان پڑی تھی۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک کوئی بھی نہ دکھائی دیا۔ البتہ پیکسی کے کمرے کے دروازے کے قریب ایک کارڈ پڑا نظر آیا جس پر بنی ہوئی سیاہ بلی کی تصویر دور سے بھی دیکھی جاسکتی تھی۔ وہ کارڈ اٹھانے کے لئے جھپٹا۔

کارڈ کی پشت پر کسی نے لکھا تھا۔ ''نیچے پھاٹک کے قریب سیاہ رنگ کی شیورلٹ کھڑی ہے اس میں بیٹھ جایئے۔ اس طرح اپنے کمرے سے وہاں تک جایئے کہ کوئی آپ کو پہچان نہ سکے۔''

حمید نے گھڑی دیکھی۔ دو بج رہے تھے۔ اپنے کمرے میں آ کر اُس نے کوٹ پہنا اور اس پر السٹر پہن کر کالر اوپر اٹھا دیا۔ فلٹ ہیٹ کا گوشہ چہرے پر جھکائے ہوئے پیکسی سے کہا کہ وہ اطمینان سے سو جائے۔ اس کی واپسی غالباً صبح سے پہلے نہ ہو سکے گی۔

''میں......لل......لیکن......!'' پیکسی ہکلائی۔

حمید کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل آیا۔ زینوں تک پہنچتے پہنچتے اس کے چلنے کا انداز

بدل گیا۔ اب کم از کم چلنے کے انداز سے تو وہ نہیں پہچانا جاسکتا تھا۔ چہرہ السٹر کے اٹھے ہوئے کالر اور فلٹ ہیٹ کے گوشے کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔

پھاٹک پر سیاہ شیورلٹ کھڑی نظر آئی۔ ڈرائیور کی سیٹ پر کوئی تھا۔ حمید نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور چپ چاپ اندر بیٹھ گیا۔

گاڑی چل پڑی۔ جیب سے پائپ نکال کر وہ اس میں تمباکو بھرنے لگا۔ پتہ نہیں کہاں لی ہوئی ہے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اس شخص کا طریق کار بعض اوقات دوسروں کو زندگی ہی سے بیزار کر دیتا ہے۔ روزانہ زندگی میں ڈرامائی انداز اختیار کرنے کا خبط اسی طرح دوسروں کے لئے وبال جان بن جاتا ہے۔ وہ دل ہی دل میں سلگتا ہوا کسی نامعلوم منزل کی طرف اڑا جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ ڈرائیور نے اسے پورچ میں روکا اور اتر کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولنے لگا۔

پورچ میں روشنی تھی اور صدر دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ حمید گاڑی سے اُتر کر عمارت میں داخل ہو گیا۔ لیکن جیسے ہی ایک بغلی کمرے کا دروازہ کھلا اُس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

ولیم پنڈو اپنے ہونٹوں میں سفاک سی مسکراہٹ لئے کھڑا نظر آیا۔ ''دوسری بار خوش آمدید۔'' اس نے حمید کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

حمید اس کے لئے قطعی تیار نہیں تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ خود ہی کسی جال میں پھنسنے جا رہا ہے۔

''حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔'' پنڈو خشک لہجے میں بولا۔ ''کل رات جب تم ہمارے ...و لگے تھے بلی والا کارڈ تمہارے کوٹ کی جیب سے برآمد ہوا تھا۔ اس پر جو تحریر تھی مٹا کر نیا مضمون لکھ دیا گیا۔ میں بہت زیادہ محنت کرنے کا قائل نہیں ہوں۔''

''تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔'' حمید نے دلیر بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری ...ات میرے قبضے میں ہے۔''

''تم اپنے ساتھ اسے قبر میں بھی لے جاسکتے ہو...... مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔''

حمید نے مڑ کر صدر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک آدمی ٹامی گن سنبھالے کھڑا
تھا۔ اُسے اپنی غفلت پر غصہ آنے لگا۔

بلیک فورس کا علامتی کارڈ اُسی وقت ضائع کر دینا چاہئے تھا جب وہ اُسے ملا تھا۔ بریف
میں ڈال کر بھول جانا بہت بڑی غلطی تھی۔ اس کا خمیازہ اب اسے بہر حال بھگتنا تھا۔ اُسے یاد
کہ کارڈ اب بھی وہ وہیں کہیں چھوڑ آیا ہے۔

"چلو..... چلتے رہو۔ ہم کہیں اطمینان سے بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔" پنڈو نے ہاتھ ہلا کر کہا
مسلح آدمی ان کے پیچھے چل رہا تھا۔ پنڈو اسے ایک بڑے کمرے میں لایا۔ وہاں دو
خوبصورت یوریشین لڑکیاں پہلے سے موجود تھیں۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اُسے یقینی طور پر کسی خطرناک مرحلے سے گزارا جائے گا۔

"یہ پہلے ہی سے موجود ہیں۔" پنڈو نے لڑکیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "تمہارا دم
ان کی گود میں نکلے گا۔"

"معاملہ فہم آدمی معلوم ہوتے ہو۔" حمید بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔ "میرے بارے میں
خاصی معلومات فراہم کر رکھی ہیں۔"

"اور آج تم مجھ سے سچ بولو گے.....!" پنڈو نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں نے جھوٹ پہلے بھی نہیں بولا تھا۔ مجھے آج بھی علم نہیں ہے کہ گراہم کے کاغذات
کہاں ہیں؟"

"تم نے اس کا تذکرہ اپنے چیف سے یقیناً کیا ہوگا۔"

حمید نے جھرجھری سی لی اور سر ہلا کر بولا۔ "میں نے کیا تھا۔"

"پھر.....؟"

"ہم بڑی دیر تک کاغذات کے بارے میں گفتگو کرتے رہے تھے۔"

"کس قسم کی گفتگو.....؟"

"میرا خیال ہے کہ میرے چیف کی نظر میں ان کاغذات کی کوئی اہمیت نہیں۔ البتہ اُس نے

کاغذات کے بارے میں کہا تھا کہ وہ کوڈ ورڈ میں ہیں۔"

"اور اس نے انہیں ڈی کوڈ کر لیا ہے۔"

"میں نے یہ نہیں پوچھا۔"

"حالانکہ فطری طور پر تمہیں پوچھنا چاہئے تھا۔"

"یقیناً پوچھنا چاہئے تھا.....؟ لیکن میرا ذہن الجھا ہوا تھا۔ بُری طرح الجھا ہوا تھا اور اب
الجھا ہوا ہے۔"

"مجھے بتاؤ کیا بات ہے!" پنڈو نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"کئی باتیں ہیں..... اول تو یہ کہ تم نے میری بات پر یقین کیسے کر لیا تھا۔ دوسرے یہ کہ
اندھا کر دینے کی دھمکی کے باوجود حقیقتاً اندھا نہیں کیا اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ تم نے
ٹسڈل کے بارے میں کچھ بھی نہیں پوچھا تھا۔"

"ٹسڈل کی فکر نہیں ہے۔ سب سے پہلے میں تمہارے چیف کو قتل کروں گا۔"

"پھر مجھے خواہ مخواہ کیوں بور کر رہے ہو..... میں صرف احکامات کی تعمیل کرتا ہوں۔"

"تو یہ اسی کا حکم ہے کہ تم پیکسی سمیت ریالٹو میں قیام کرو۔"

"اس قسم کا کوئی حکم مجھے نہیں ملا..... البتہ اُس نے تمہارے کیس کا انچارج بنایا ہے مجھے۔"

"میرا کیس.....؟"

"ہاں اس کا خیال ہے کہ تم نے ہمارے ملک کی حدود میں داخل ہو کر گیارہ قتل کئے ہیں۔"

"کیا ثبوت ہے اس کے پاس.....!"

"پیکسی..... ثبوت تو خود تم نے اس کے حوالے کیا ہے اور اب یہ ایک نئی الجھن پیدا
ہو گئی ہے میرے لئے کہ تم نے پیکسی کو کیوں چھوڑ دیا۔"

"پھر اُس کا کیا کرتا..... میں نے آج تک کسی عورت کو قتل نہیں کیا۔ میرے اصول کے
خلاف ہے۔"

"اچھا اب اگر ثابت کر دوں خود کو بھی عورت تو.....؟"

پنڈو اس کے شانے پر ہاتھ مار کر ہنسا اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے شانے پر آ گرا ہو۔

اس کے بعد پنڈو بے حد سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔ حمید کو اس طرح گھورے جارہا تھا جیسے فوری طور پر اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہو۔



دوسری صبح فریدی کو اطلاع ملی کہ حمید رات سے غائب ہے۔ اطلاع بلیک فورس کے نمبر نے دی تھی۔

فریدی نے اس پر اُس سے باز پرس نہیں کی تھی کہ حمید کے معاملے میں غفلت کیوں ہو گئی۔ حالانکہ اس نے بلیک فورس کے ممبروں کو تاکید کردی تھی کہ بہت محتاط رہ کر حمید اور پکسی کی نگرانی کی جائے۔

وہ ایک ملٹری آفیسر کے میک اپ میں ریالٹو پہنچا۔ سارجنٹ رمیش اس کے ساتھ تھا۔ پکسی اب بھی انہیں کمروں میں مقیم تھی۔ اُس نے فریدی کو پچھلی رات کے واقعات بتاتے ہوئے کہا۔ ''راہ داری میں میرے کمرے کے دروازے پر ایک کارڈ ملا تھا۔ وہ کوئی سے جاتے وقت اس کارڈ کو میز پر چھوڑ گیا تھا۔ جواب بھی وہیں ہے۔''

فریدی کمرے میں آیا۔ میز پر بلیک فورس کا امتیازی نشان دور سے چمک رہا تھا۔ پھر آن واحد میں یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی کہ کیا ہوا ہوگا۔

وہ سارجنٹ رمیش کی طرف مڑا جو حیرت سے اُس کارڈ کو دیکھے جا رہا تھا۔

وہ پھر پکسی کے کمرے میں آیا۔

''کیا اس قسم کا کوئی کارڈ پہلے بھی تمہاری نظر سے گزرا ہے۔'' فریدی نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے یاد پڑتا ہے کہ پنڈو نے اس رات ایک ایسا ہی کارڈ اس کی جیب سے نکالا تھا۔'' پکسی نے نظریں نیچی کئے ہوئے جواب دیا۔

''اچھی بات ہے۔'' فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''اب تمہیں باقاعدہ طور پر پولیس کی کسٹڈی میں رہنا پڑے گا۔''

''جیسا مناسب سمجھا جائے۔'' پکسی کا جواب تھا۔

فریدی رمیش کو اس کے بارے میں ضروری ہدایات دے کر مزید چھان بین کے لئے ریالٹو کے ہال میں داخل ہوا۔

کاؤنٹر کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ ایک آدمی اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھماتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ جب تک وہ اسے روک کر کچھ پوچھتا وہ دروازے سے باہر نکل چکا تھا۔

اس نے شانوں کو خفیف سی جنبش دی اور لفافہ چاک کرنے لگا۔ لفافے سے جو چیز برآمد ہوئی اس کے لئے نئی نہیں تھی۔ لیکن شانِ نزول یقیناً حیرت انگیز تھی۔

یہ بلیک فورس کا سیاہ بلی والا کارڈ تھا۔ جس کی پشت پر پنسل سے لکھی ہوئی عبارت تھی۔

''پھاٹک پر کھڑی ہوئی سیاہ شیورلٹ میں بیٹھ جاؤ...... شوفر سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔''

فریدی باہر نکلا۔ پھاٹک کے قریب سیاہ رنگ کی لمبی سی شیورلٹ کھڑی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

کار چل پڑی۔ اسے یقین تھا کہ بلیک فورس کا کوئی ممبر اسے اس میک اپ میں نہیں پہچان سکتا۔ وہ سوچ رہا تھا شائد حمید نے اس مسخرے کو ان کارڈوں کے بارے میں کوئی نئی کہانی سنائی ہے۔

کچھ دیر بعد کار ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ ڈرائیور نے نیچے اُتر کر بڑے ادب کے ساتھ اس کے لئے دروازہ کھولا۔ پورچ اور برآمدے میں سناٹا تھا۔ صدر دروازے میں بھی کوئی نہ دکھائی دیا۔ وہ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر عمارت میں داخل ہوا۔

طویل راہداری میں کسی جانب کا بھی کوئی دروازہ کھلا نظر نہ آیا۔ راہداری کا اختتام ایک وسیع ہال پر ہوا۔ جہاں سب سے پہلے حمید پر نظر پڑی۔ وہ ایک سیٹی پر دو سفید فام لڑکیوں کے درمیان اس طرح بیٹھا تھا جیسے ابھی ابھی ان کے حقوق ملکیت اس کی طرف منتقل ہوئے ہوں۔

"ہلو کیپٹن......!" اس نے خشک لہجے میں کہا۔ "کیا بات ہے؟"

حمید نے اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ وہ اپنی ہی فوج کا کوئی میجر تھا لیکن اسے پہلے کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ وہ سیٹی سے اٹھ گیا۔ لڑکیاں بدستور بیٹھی رہیں۔

"کیا بات ہے......؟" حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"مجھے کیوں بلایا گیا ہے۔"

دفعتاً پشت سے قہقہہ سنائی دیا۔ وہ چونک پڑے۔ ایک دروازے میں پنڈو کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کا رخ آنے والے ملٹری آفیسر کی طرف تھا۔

"کیا مطلب ہے؟" فریدی نے بھونچکا رہ جانے کی ایکٹنگ کی۔

"کوئی بات نہیں۔" پنڈو بولا۔ "تم بھی بیٹھ جاؤ...... لیکن نہیں...... پہلے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاؤ۔"

فریدی نے ہاتھ اٹھا دیئے۔ پنڈو نے لڑکیوں کو اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھیں اور ان میں سے ایک نے فریدی کے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں بتاؤں گا......!" پنڈو غرایا۔ "اب تم بیٹھ جاؤ۔"

حمید کبھی حیرت سے اس ملٹری آفیسر کی طرف دیکھتا اور کبھی پنڈو کی طرف۔

"تم نے مجھے بتایا تھا۔" پنڈو نے حمید سے کہا۔ "تمہارا چیف آج کل اسی نشان کے ذریعہ پیغام رسانی کر رہا ہے۔ اسکے سارے ماتحت اس سے آگاہ ہیں۔ اس سلسلے میں میرا یہ خیال بھی درست ثابت ہوا کہ وہاں لگی ہوئی ملٹری کا انچارج بھی کرنل فریدی ہی کے ہاتھ میں ہے۔"

"بڑی تیزی سے ترقی کر رہے ہو سی نور پنڈو......!" حمید ہنس کر بولا۔

"یہ آفیسر...... ریالٹو میں تمہاری گمشدگی کے سلسلے میں چھان بین کر رہا تھا۔" پنڈو نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "اور اب تم اسے یہاں دیکھ رہے ہو۔"

"لیکن کس طرح......؟"

"تم کس طرح یہاں پہنچے تھے۔" پنڈو نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

حمید صرف طویل سانس لے کر رہ گیا۔

اب فریدی بہت توجہ اور دلچسپی سے پنڈو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس خصوصی توجہ کو پنڈو بھی نظرانداز نہ کر سکا۔

دفعتاً فریدی نے خالص بدیسی لہجے میں پوچھا۔ "کیا...... تم گراہم......!" جملہ پورا نہیں کیا اس نے۔ پنڈو نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی۔ فریدی نے پلٹ کر حمید کی طرف دیکھا اور پھر پنڈو کو کچھ اس قسم کا اشارہ کیا جیسے اسے الگ لے جا کر کچھ کہنا چاہتا ہو۔

پنڈو نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کئے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

فریدی دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ پنڈو پوری طرح ہوشیار ہے۔ بیک وقت اس پر ہاتھ ڈال دینا آسان کام نہ ہوگا۔

وہ اسے ایک کمرے میں لایا اور سامنے کھڑا ہو کر گھورنے لگا۔

"میں......!" فریدی رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "میجر فضل الرحمان نہیں ہوں۔"

"کیا مطلب......؟"

"میں کرنل مکلارنس ہوں۔" فریدی چاروں طرف دیکھ کر آہستہ سے بولا۔

"کرنل مکلارنس......!" پنڈو نے غالباً یادداشت پر زور دیتے ہوئے دہرایا۔ پھر جیب سے ایک نوٹ بک نکال کر بائیں ہی ہاتھ پر اُسے سنبھالتے ہوئے انگوٹھے سے ورق گردانی کرتا رہا۔ ریوالور کا رخ اب بھی فریدی ہی کی طرف تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے نوٹ بک پھر جیب میں ڈال لی اور فریدی کو چند لمحے گھورتے رہنے کے بعد بولا۔ "تم وہیں موجود ہو۔ لیکن پھر بھی کچھ نہ کر سکے......!"

''مجھے صرف اپنے مشن سے سروکار ہے۔'' فریدی نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''یہ مت بھولو کہ اسی مشن کے لئے میں نے اپنے جسم سے دستبردار ہو کر اس نفرت انگیز جسم میں رہنا قبول کیا تھا۔''

''ٹھیک ہے...... یہ کام تو مجھے ہی کرنا ہے۔''

''میں تمہیں وہاں تک لے جاسکتا ہوں......اور بس......!''

''کیا تم تہہ خانوں کے راستے سے واقف ہو۔''

''تہہ خانوں تک میں تمہیں پہنچا دوں گا......لیکن اگر تم یہ چاہو کہ میں تمہارا ہاتھ بھی بٹاؤں تو یہ ناممکن ہے۔''

''تم مجھے بس اس شخص تک پہنچا دو۔''

''تسڈل تک......!'' فریدی نے پوچھا۔

''کرنل فریدی تک...... جسے دنیا نے اساطیری کردار بنا رکھا ہے۔'' پنڈو نے انتہائی نفرت انگیز لہجے میں کہا۔

''میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہوگا۔''

''کیا مطلب......؟''

''وہاں صرف اس کا حکم چلتا ہے۔ ویسے ممکن ہے کہ وہ تہہ خانوں ہی میں رہتا ہو......میں نے آج تک اسکی شکل نہیں دیکھی۔ لیکن ٹھہرو...... میں بھلا تمہیں وہاں کیسے لے جاسکوں گا۔''

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

''تم کیا سوچنے لگے؟'' پنڈو جھنجھلا کر بولا۔

''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر تمہیں ملٹری کی وردی میں لے بھی جاؤں تو تمہارا غیر ملکی ہونا کیونکر چھپ جائے گا۔''

''تم اس کی پرواہ مت کرو......میری رنگت گندمی بھی ہو سکتی ہے اور آنکھیں تو پہلے ہی سے سیاہ ہیں۔''

''اگر تم ایسا کر سکو تو تمہیں وہاں تک پہنچا دینا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوگا۔'' فریدی نے بڑے جوش کے ساتھ کہا اور پھر ایک پل کے لئے خاموش ہو کر بولا۔ ''تم نے اس کے ... کو کیوں پکڑ رکھا ہے۔ اس نے اپنے ایک حکم کے ذریعہ مجھے ریالٹو بھیجا تھا کہ میں اس ... کے سلسلے میں چھان بین کروں۔''

''تم اس کے بارے میں بھی کچھ نہ سوچو۔ بس مجھے وہاں پہنچا دو۔''



تسڈل کے بنگلے میں سناٹا تھا۔ فریدی اور پنڈو داخل ہوئے۔ بنگلے کے سناٹے پر پنڈو نے حیرت ظاہر کی تھی۔

''آدھے گھنٹے تک تمہیں ٹھہرنا پڑے گا۔'' فریدی نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیوں......؟''

''آدھے گھنٹے بعد تم اُن لوگوں کے لئے رات کا کھانا لے جاؤ گے۔ لیکن قاعدے کے ... تمہیں اپنا ریوالور یہیں چھوڑ جانا پڑے گا۔''

''مجھے منظور ہے۔'' پنڈو بولا۔ وہ اس وقت ایک دیسی فوجی معلوم ہو رہا تھا۔ کسی قسم کا ... استعمال کرنے سے اس کے چہرے گردن اور ہاتھوں کی رنگت گندمی ہو گئی تھی۔

فریدی نے اُسے مشورہ دیا کہ وہ ایک بار پھر تہہ خانوں کے نقشے کو اچھی طرح ذہن نشین کر لے۔

پنڈو نے نقشہ جیب سے نکال کر میز پر پھیلا دیا اور دونوں اس پر جھک پڑے۔

''یہ دیکھو......!'' فریدی ایک جگہ انگلی رکھ کر بولا۔ ''یہ طویل راہداری ہے۔ اس کمرے ... تم کھانا رکھو گے...... دونوں سپاہیوں کو کھانے کے قریب ہی چھوڑ کر تم اس جگہ آؤ گے۔

یہاں سوئچ بورڈ پر کئی رنگوں کے بٹنوں والے پش سوئچ ہیں۔تم سرخ رنگ کا بٹن دبانا
جیسے ہی دروازہ ظاہر ہو اندر چلے جانا۔یہی ایسا کمرہ ہے جہاں ٹیلی ویژن کیمرے یا مائیک
نہیں ہیں۔''

''ٹھیک ہے......میں سب دیکھ لوں گا۔تم مطمئن رہو۔'' پنڈو اس کے شانے پر ہاتھ رکھ
کر بولا۔

ساڑھے سات بجے ہیلی کوپٹر کی آواز دوبارہ سناٹے میں گونجی تھی اور تھوڑی دیر بعد
فوجی کھانے کے بڑے بڑے خوان اٹھائے ہوئے بنگلے میں داخل ہوئے تھے۔انہوں نے
پاسورڈ ''گن پاؤڈر'' دہراتے ہوئے خوان ایک طرف رکھ دیئے تھے اور فریدی کو سلیوٹ کیا تھا۔

فریدی نے پنڈو کو پھر ہدایات دیں۔اسے اور دونوں فوجیوں کو غیر مسلح کر کے تہ خانے
میں داخل کر دیا۔کچھ دور چلنے کے بعد پھر پہرہ ملا۔پنڈو پاسورڈ دہراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ہدایت
کے مطابق پہلے اُسے اس کمرے میں داخل ہونا پڑا جہاں ان دونوں فوجیوں کو کھانے سمیت
چھوڑ دینا تھا۔

باہر نکلا تو راہداری دور تک سنسان نظر آئی۔وہ بہت اطمینان سے آہستہ آہستہ آگے
بڑھتا رہا۔اس پر فریدی کو قتل کر دینے کا جنون اس بُری طرح طاری تھا کہ اپنے غیر مسلح ہونے
کی بھی پرواہ نہیں تھی۔

فریدی کے بتائے ہوئے مقام پر رک کر اُس نے سوئچ بورڈ پر سرخ رنگ کا بٹن دبایا اور
ظاہر ہونے والے دروازے میں بے دھڑک داخل ہو گیا۔لیکن پھر اُسے اس کی بھی سدھ نہ رہی
کہ دیوار خود بخود برابر ہو گئی ہے اور یہاں سے نکل جانے کے لئے اُسے کیا کرنا پڑے گا۔

وہ تو اس دیو پیکر عورت کو گھورے جا رہا تھا جو غالباً اُسے دیکھ کر ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی
ہوئی تھی۔اس قدر جثہ کا کوئی مرد بھی آج تک پنڈو کی نظر سے نہیں گزرا تھا چہ جائیکہ عورت۔

دفعتاً وہ عورت اس پر جھپٹ پڑی۔پنڈو بوکھلا کر ایک طرف ہٹ گیا۔

وہ گرتے گرتے سنبھلی اور جھکائی دے کر اس بار پنڈو کی کلائی پکڑ لی اور جھٹکا دے کر اپنی

طرف کھینچا۔لاکھ سنبھلنے کے باوجود پنڈو کے پاؤں زمین سے اکھڑ گئے اور وہ کسی ہلکے پھلکے بچے
کی طرح اس سے جا ٹکرایا۔اور پھر شدید غصے کے عالم میں ایک گھونسہ پوری قوت سے اس کے
چہرے پر جڑ دیا۔اس طرح اس کی بائیں کلائی اس دیونی کی گرفت سے آزاد ہو سکی۔

ٹھیک اسی وقت ایک آواز کمرے میں گونجی۔

''نہیں ولیم پنڈو......یہ زیادتی ہے۔خطرناک مہمات میں ایک عورت ضرور تمہارے
ساتھ ہوتی ہے۔یہاں میں نے اس کا انتظام کر دیا ہے تمہارے لئے۔''

اس آواز پر عورت جہاں تھی وہیں تھم گئی۔

''مکلارنس......یہ کیا مذاق ہے۔'' پنڈو مٹھیاں بھینچ کر دہاڑا۔

''یہاں میرے پاس پیکسی بھی موجود ہے ولیم پنڈو......یہ دیکھو۔''

آواز کی سمت دیوار پر ایک اسکرین روشن ہو گئی۔کرنل مکلارنس اور پیکسی اس پر کھڑے
نظر آئے۔عورت نے تصویریں دیکھ کر قہقہہ لگایا اور پھر پنڈو کو دیکھنے لگی جس نے بڑی سختی سے
ہونٹ پر دانت جما رکھے تھے۔

''میں پوچھتا ہوں یہ کیا مذاق ہے۔'' پنڈو پھر دہاڑا۔

''تم جیسے مسخروں سے میں مذاق ہی کرتا ہوں ولیم پنڈو......اب پیکسی تمہاری بے بسی کا
تماشا دیکھنا چاہتی ہے۔فرزانہ اس نے ابھی تمہارے منہ پر گھونسہ مارا تھا۔''

''ہاں مارا تو تھا......!'' دیونی بھی انگریزی میں بولی۔

''ولیم پنڈو......اب میں دیکھوں گا کہ تم کتنے طاقتور ہو۔میں تم جیسے ہرکولیس ٹائپ کو
ہاتھ لگائے بغیر ہی ختم کر سکتا ہوں۔''

''کیا مطلب......تم کون ہو۔'' پنڈو بوکھلا کر بولا۔

''کرنل فریدی......جس کی ہڈیاں توڑ دینے کا گیت گاتے تم اپنے ہیڈ کوارٹر سے چلے
تھے اب غالباً تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں نے گراہم کے وہ کاغذات بھی کوڈ کر لئے ہیں۔
تم نے میرے اسسٹنٹ کو پہلی بار محض اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ وہ مجھ سے کاغذات کے بارے

میں معلومات حاصل کرے۔ مجھے یقین تھا کہ تم اسے دوبارہ پکڑ واؤ گے۔ محض یہ معلوم کرنے کے لئے کہ میں کوڈ ورڈز میں ترتیب دی ہوئی فہرست کو ڈی کوڈ کر سکا ہوں یا نہیں۔"

پنڈو کی سانس تیزی سے چل رہی تھی۔ غصے کے مارے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

اسکرین کی روشنی غائب ہوگئی۔ ساتھ ہی عورت نے اُس پر پھر چھلانگ لگائی۔ اس بار پنڈو کو سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا۔ وہ پوری طرح اس کی گرفت میں تھا اور اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سارے جسم کی ہڈیاں کڑکڑا کر ٹوٹ جائیں گی۔



حمید کو تو اس وقت حالات کا اندازہ ہو سکا جب پولیس نے اس عمارت میں یلغار کر دی۔ ورنہ تو یہی سمجھ رہا تھا کہ فوج کی کوئی کالی بھیڑ پنڈو کو فریدی پر چڑھا لے گئی۔ کیونکہ وہاں سے رخصت ہوتے وقت پنڈو نے اسے آگاہ کر دیا تھا کہ کس طرح وہ فریدی پر چھلانگ لگانے جا رہا ہے۔ اس عمارت میں پائے جانے والے سارے افراد گرفتار کر لئے گئے اور حمید پھر ریالٹو واپس پہنچ گیا کیونکہ رمیش کی زبانی فریدی کی طرف سے یہی ہدایت ملی تھی۔

دوسرے دن اسے گیارہ آدمیوں کی ایک لسٹ ملی۔ فریدی کی ہدایت کے مطابق انہیں حراست میں لینا تھا۔ یہ سب فوجی عہدیدار تھے اور سب کے سب وہیں موجود نہیں تھے۔ ملک کے مختلف حصوں سے ان کی گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔

پورے ایک ہفتہ بعد حمید سرخاب ویلی میں واپس پہنچ سکا۔ اب اس کی منزل ڈاکٹر ٹنڈل کا پہاڑی بنگلہ تھا۔ لیکن بنگلے میں قدم رکھتے ہی اُس پر شدید ترین بوکھلاہٹ کا دورہ پڑ گیا۔

فریدی ایک آرام کرسی پر نیم دراز تھا اور ولیم پنڈو پیچھے کھڑا کسی مشاق مالشئے کی طرح اُس کے سر پر چمپی کر رہا تھا۔

فریدی نے نیم باز آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھا اور عجیب سے انداز میں مسکرانے لگا۔

"بیٹھ جاؤ حمید۔" اُس نے اُس سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

حمید تیزی سے اپنی گدی سہلاتا ہوا سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

ولیم پنڈو پہلے ہی کے سے بے نیازانہ انداز میں فریدی کے سر پر مالش کے ماہرانہ داؤں دکھاتا رہا۔

دفعتاً فریدی نے پھر آنکھیں کھولیں اور حمید سے پوچھا۔ "تم بھی مالش کراؤ گے؟"

"اگر میں خواب نہیں دیکھ رہا تو یقیناً پاگل ہوگیا ہوں۔" حمید اُن دونوں کو گھورتا ہوا بولا۔

"ولیم پنڈو......!" فریدی نے اُسے اس طرح آواز دی جیسے وہ بہرہ ہوگیا ہو۔ حمید نے اُسے چونکتے بھی نہ دیکھا۔ فریدی نے پھر آواز دی۔ لیکن ولیم پنڈو کچھ بولے بغیر بدستور اس کے سر میں مالش کرتا رہا۔ پھر حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے دوسرے کمرے کے فرش پر کوئی وزنی چیز ادھر گھسیٹی جا رہی ہو۔

دوسرے ہی لمحے میں ایک بڑا بدصورت اور بوڑھا آدمی کہنیوں کے بل گھسٹتا ہوا اس کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی دونوں ٹانگیں بالکل مفلوج تھیں اور وہ غالباً کہنیوں کے بل ہی اپنے ناکارہ جسم کو گھسیٹ سکتا تھا۔

اُس نے آنکھیں پھاڑ کر ولیم پنڈو کی طرف دیکھا اور انگریزی میں حلق پھاڑنے لگا۔

"میرا جسم...... میرا جسم...... میرا جسم واپس کردو...... حرامی...... سؤر کے بچے...... میرا جسم...... یہ میرا جسم ہے۔"

حمید اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ یہ ایسا زبردست ذہنی جھٹکا تھا کہ اس کا پورا جسم کانپنے لگا۔

ولیم پنڈو نے اس مفلوج بوڑھے کی طرف دیکھا اور فریدی سے ملتجیانہ انداز میں کہنے لگا۔ "حضور کرنل فریدی صاحب، خدا کے لئے اس نفرت انگیز جسم کو میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹایئے۔"

حمید کا سر چکرانے لگا اور پھر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس ذہنی کیفیت کے ساتھ کھڑے رہنا

دشوار تھا۔

فریدی نے مفلوج بوڑھے کو انگریزی میں کہا ''ولیم پنڈو میں تمہیں اس جسم سمیت تمہارے ہیڈ کوارٹر میں بھجوا دوں گا...... مطمئن رہو۔ تمہارا اصل جسم جس ذہن کو عطا کر دیا گیا ہے۔ وہ بڑا اچھا مالشیا ہے...... تھکے ہوئے ذہنوں کو سکون بخش سکتا ہے۔ اس لئے انسانیت کو اس کی ضرورت ہے۔''

بات پوری طرح حمید کی سمجھ میں آ چکی تھی۔ فریدی نے پنڈو کا مغز ایک مفلوج آدمی کی کھوپڑی میں رکھوا دیا تھا اور مفلوج آدمی کے ذہن کو پنڈو کے جسم میں منتقل کر دیا گیا۔

مفلوج نے چیختے چیختے ایک طرف گردن ڈال دی اور بے سدھ ہو کر پڑ گیا۔

حمید کا حلق خشک ہو گیا تھا اور وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیرے جا رہا تھا۔

دفعتاً فریدی نے اُس سے پوچھا۔ ''کیا رپورٹ ہے؟''

''وہ سب گرفتار کر لئے گئے...... لیکن یہ آپ نے کیا کیا ہے؟''

''پنڈو کے ہیڈ کوارٹر کے لئے تحفہ۔'' اس نے مفلوج بوڑھے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ایک مفلوج آدمی کو توانا جسم کی ضرورت تھی کہ اس سے یہ اپنی روزی کمائے گا۔

پھر اُس نے مالشئے سے کہا کہ اب وہ آرام کرے۔ وہ فریدی کے بانوں میں کنگھا کر کے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

پنڈو وہیں سر ڈالے پڑا رہا۔ ایسا لگتا تھا جیسے چیخ چیخ کر بیہوش ہو گیا ہو۔

فریدی بولا۔ ''وہ گیارہ ایسے افراد ہیں جن کے سروں میں غیر ملکی دماغ منتقل کیے گئے تھے اور گراہم نے اپنی یادداشت کے لئے ان کی فہرست کوڈ ورڈ میں تیار کی تھی۔ پھر غالباً اس کی ایک نقل اپنے ہیڈ کوارٹر کو بھی روانہ کر دی تھی۔ میرا خیال ہے کہ ان لوگوں سے رابطہ قائم کرنا بھی پنڈو کے مشن میں شامل تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان گیارہ آدمیوں کو قبل از وقت چھیڑوں...... ویسے ان کی نگرانی جاری تھی۔ بہر حال اب ٹسڈل نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے۔ ان ذہنوں اور جسموں کی تبدیلیاں عمل میں لائی جا چکی ہیں جو ایک دوسرے کے دعوے دار تھے۔''

اس کا یہ مطلب ہوا کہ ٹسڈل کا علاج بھی کامیاب رہا۔

''نہ ہوتا تو میں اسے اس پر آمادہ نہ کر سکتا۔'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔

حمید اُسے ایسی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا جیسے وہ الہ دین کے چراغ کا جن ہو۔

دفعتاً ڈاکٹر علوی کمرے میں داخل ہوا۔ وہ بہت زیادہ گھبرایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ آتے ہی وہ بولا۔ ''کرنل...... فوراً......!''

''کیا بات ہے۔''

''اس نے خودکشی کر لی۔''

''کس نے......؟'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

''ٹسڈل کی سیکریٹری ربیکا نے...... سر میں گولی مار لی۔''

''ٹسڈل کہاں ہے؟''

''اپنے ریٹائرنگ روم میں سو رہا ہے۔ اُسے اس کا علم نہیں۔''

فریدی تہہ خانے کی طرف جھپٹا۔ حمید اس کے پیچھے تھا۔ ڈاکٹر علوی نے اس جگہ تک ان کی رہنمائی کی جہاں اُس نے ربیکا کی لاش دیکھی تھی۔ بڑا متاثر کن منظر تھا۔ وہ فرش پر پڑی تھی۔ کنپٹی سے بہا ہوا لہو سر کے آس پاس پھیلا ہوا تھا۔ قریب ہی ریوالور پڑا نظر آیا۔

''یہ کیا ہوا......؟'' حمید نے پوچھا۔ لیکن فریدی خاموشی سے دروازے کی طرف مڑ گیا۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں پشیمانی دیکھی تھی۔

وہ دوسرے کمرے میں آئے۔ فریدی بڑبڑایا۔ میں مجبور تھا۔ کیا کرتا...... میں اسی وعدہ پر اسے دوبارہ آپریشن پر آمادہ کر سکا تھا کہ اس کی اعصابی کمزوری کا علاج طب یونانی کے ایک نسخے کے ذریعہ کر دوں گا۔ ربیکا نہیں چاہتی تھی کہ اس میں کوئی تبدیلی ہو۔ وہ اپنے ہمدردی کے جذبے کو ممتا کا نام دیتی تھی۔ بڑی ہی عجیب عورت تھی۔ میں اس کے لئے مغموم ہوں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔

کچھ دیر بعد ٹسڈل کو بھی اس حادثے کا علم ہو گیا۔ اس نے فریدی سے درخواست کی تھی

کہ اُسے اس کی لاش دکھائی جائے۔

فریدی نہیں چاہتا تھا لیکن دوسرے ڈاکٹروں کی سفارش پر اسے اجازت دینی پڑی یہ کچھ اچھا نہ ہوا۔ فریدی کی اسکیم تھی کہ اپنے ڈاکٹروں کو ٹسڈل سے اس آپریشن کی تہہ دلانے کی کوشش کرے گا۔ لیکن پھر ٹسڈل کسی کام کا نہ رہا۔ بے ہوش ہو کر ربیکا کی لاش پر اور دوبارہ ہوش میں آنے کے بعد ہوش مند نہیں کہلایا جاسکتا تھا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 102

خوفناک منصوبہ

(مکمل حصہ)

پیش رس

جاسوسی دنیا کا ایک سو دوسرا ناول ''خوفناک منصوبہ'' ملاحظہ فرمائیے۔ ''باعث تاخیر'' جو کچھ بھی تھا اُس سے آپ کو کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا بس تاخیر ہوگئی اور آپ تو میری اس 'عادت' کے عادی ہوگئے ہیں۔

''خوفناک منصوبہ'' جاسوسی دنیا کے سلسلے میں ایک نیا تجربہ ہے۔ اس سے پہلے ہر باب کا ایک عنوان ہوا کرتا تھا لیکن اس بار عمران سیریز کے ناولوں کی طرح یہ ناول بھی بغیر عنوانات کے ابواب پر مشتمل ہے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ اس طرح کہانی کا تسلسل کچھ اور اُبھر آیا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

پچھلی بار صرف گرانی کا رونا رونے کے بعد کتاب کی قیمت بڑھانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا لیکن فیصلہ نہیں کرسکا تھا کہ قیمت بڑھائی جائے یا نہ بڑھائی جائے۔ پھر اچانک یکم جولائی سے محصول ڈاک میں بھی پچاس فیصد کا اضافہ ہوگیا۔ لہٰذا اب نئی کتاب پچیس پیسے کا اضافہ قبول فرمائیے۔

اس بار تبصرے کے لئے بے شمار خطوط میری میز پر موجود ہیں۔ ان میں زیادہ تر نصیحت نامے ہیں۔ یا پھر کچھ اس قسم کے کہ ___ آپ کا نوٹس ملا یہ روز روز قیمت بڑھا دینے کی دھمکی کیوں؟ ارے بڑھا بھی چکئے کسی صورت۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کتاب ہر ماہ پابندی سے آنی چاہئے۔

ایک صاحب نے میری ایک بہت بڑی غلطی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مجھے خود بھی اُس غلطی کا احساس تھا لیکن یہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اس پر دھیان دیا۔ بہرحال مجھے اپنی غلطی تسلیم۔

فریدی کے والد صاحب کا نام نواب عزیز الدین خاں تھا۔ اگر ''فریدی اور لیونارڈ'' میں نواب عابد علی خاں درج ہے تو براہِ کرم اُسے قلمزد کر کے عزیز الدین خاں ہی لکھ دیجئے۔ نواب عابد علی خاں تو فریدی کے تایا زاد ماموں کے بھتیجے تھے۔ تھے کیا...... اب بھی ہیں۔ پاپوش نگر میں رہتے ہیں۔ پاپوش نگر کراچی کی ایک بستی ہے۔ سنا ہے اب اُس کا نام بھی بدل کر الطاف نگر کردیا گیا ہے۔

ابن صفی

۱۳/ جولائی ۱۹۶۸

وہ بہ آہستگی ایک ایک زینہ طے کرکے اوپری منزل کی طرف جارہا تھا۔ سرتا پا سیاہ پوش...... چہرے پر بھی سیاہ غلاف چڑھا ہوا تھا جس میں صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے۔

ہر چند کہ آشا بلڈنگ کے زینے اس وقت سنسان پڑے تھے لیکن پھر بھی اُس کا اطمینان قابل داد تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے اس ہیئت کذائی میں اپنے دیکھ لئے جانے کا خدشہ ہی نہ ہو۔

اس وقت اگر اچانک زینے پر کوئی تنہا آدمی اُسے دیکھ لیتا تو چیخ چیخ کر پوری عمارت سر پر اٹھالیتا۔ وہ طویل قامت اور چوڑے شانوں والا تھا۔ زینے طے کرنے کے انداز سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پوری قوت سے زمین پر پیر رکھنے کا عادی ہو۔

اوپری منزل کی راہداری بھی سنسان پڑی تھی۔ وہ ایک فلیٹ کے سامنے رکا۔ چند لمحے

بےحرکت کھڑا رہا پھر راہداری کی روشنی کا سوئچ آف کردیا۔

پوری راہداری تاریکی میں ڈوب گئی تھی۔

فلیٹ کے دروازے کے قریب پہنچ کر قفل کے سوراخ کو انگلی سے ٹٹولتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اُس میں ایک کنجی لگائی۔ قفل بہ آسانی کھل گیا۔

ہینڈل گھما کر دروازے کو بہ آہستگی کھولا اور کمرے میں داخل ہوگیا۔

اب وہ دروازہ بند کرکے اُسے اندر سے مقفل کررہا تھا۔

کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ چند لمحے وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا پھر جیب سے ٹارچ نکالی۔ روشنی کا دائرہ دوسرے دروازے پر پڑا۔ یہ بھی بند تھا۔

سیاہ پوش نے دوسری کنجی نکالی۔ وہ دروازہ بھی کھلا اور تاریکی میں گہری سبز روشنی کا مستطیل کچھ عجیب سا تاثر پیش کرنے لگا۔

یہ کسی کی خواب گاہ تھی۔ وہ اندر داخل ہوا بائیں جانب مسہری پر ایک دیوقامت آدمی سورہا تھا۔ سیاہ پوش وہیں رک گیا اور اس دیوقامت سونے والے کو گھورتا رہا۔

خود اُس کا وجود اُسکے سامنے صفر ہوکر رہ گیا تھا۔ محاورۃً گویا اونٹ پہاڑ کے مقابل آیا تھا۔

اب وہ پستول کو بائیں ہاتھ میں سنبھال کر داہنی جیب سے چمڑے کا چابک نکالنے لگا جو ...لے کی شکل میں لپٹا ہوا تھا۔

"شائیں۔" اُس نے چابک سے دیوقامت آدمی پر وار کیا اور وہ پہلی ہی ضرب پر دہاڑتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

"ہوش میں آؤ۔" سیاہ پوش غرایا۔

اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ دیوقامت سچ مچ ہوش میں آگیا ہو۔

پھاڑ کھانے کا سا انداز رکھنے والی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا تھا۔

"کک...... کیا بات ہے۔ بب باس......!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں ہکلایا۔ اس کی نظر چابک کی بجائے پستول پر جمی ہوئی تھی۔

"تیرے لئے ایک کام ہے۔" سیاہ پوش نے سرد لہجے میں کہا۔

"کک......کام......!" وہ سر سے پیر تک کانپ گیا۔

"کیوں کیا بات ہے۔ تو کانپ رہا ہے۔"

"انجکشن باس......وہ انجکشن ہی سب سے بڑا کام ہے۔ میں بے موت مرجاتا ہوں باس۔ مجھ سے کہو میں کسی ریلوے انجن سے ٹکر لے لوں۔ لیکن وہ انجکشن......!"

"ہاں......وہ انجکشن ضروری ہے۔"

"میں جان کنی میں مبتلا ہو جاتا ہوں باس۔ رگیں کھنچتی ہیں۔ ہڈیاں چٹختی ہیں جسم کا ریشہ ریشہ پھوڑا بن جاتا ہے۔"

"تو انکار کر رہا ہے؟" دفعتاً سیاہ پوش کی آواز بلند ہو گئی۔

"نن نہیں تو باس...... میں نمک حرام نہیں ہوں۔ اس پہاڑ سے جسم کے لئے تم ہی تو غذا مہیا کرتے ہو۔"

"تو پھر تیار ہو جا۔"

"ذرا مجھے ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی لینے دو باس۔ کیونکہ میں جہنم میں چھلانگ لگانے جارہا ہوں۔ میرے خدا......وہ انجکشن......!"

"لیکن تو یہ نہیں دیکھتا کہ اسکے بعد ایک بلڈ ہاؤنڈ سے بھی زیادہ ذکی الحس ہو جاتا ہے۔"

"بعد کی باتیں ہیں باس...... پہلے تو......!"

"بس اب خاموش رہ۔" سیاہ پوش کی آواز پھر بلند ہو گئی۔ "میں بہت جلد اس میں ایسی تبدیلیاں کرنے والا ہوں کہ یہ اتنا تکلیف دہ نہ رہ جائے گا۔"

"مگر......ابھی تو......!"

"شٹ اپ......اٹھو اور وہاں چلو جہاں سے تمہیں پانی پینا ہے۔"

دیو قامت آدمی کراہتا ہوا اٹھا۔ سیاہ پوش ایک طرف ہٹ گیا تھا۔

لیکن پستول کا رخ دیو قامت ہی کی طرف رہا اور اس کی خوفزدہ آنکھیں بھی پستول کا

ہوئی تھیں۔

اُس نے بائیں جانب والا دروازہ کھولا۔ سیاہ پوش اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

ڈرائینگ روم کے ایک گوشے میں ریفریجریٹر دکھائی دیا۔ دیو قامت آدمی نے اُس میں سے پانی کی بوتل نکال کر ہونٹوں سے لگائی۔

بڑے بڑے گھونٹوں کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔ بوتل خالی کر کے فریج پر رکھتے ہوئے اس نے قمیض کی آستین سے ہونٹ خشک کئے اور سیاہ پوش کی طرف مڑا۔

"باس......!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "کتنی خواہش ہے کہ کبھی میرا ہاتھ تمہاری گردن تک بھی پہنچ سکے۔"

"میرے لئے بھی وہ دن دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔" سیاہ پوش کا لہجہ سرد تھا۔

"ہوں......!" دیو پیکر آدمی کی غراہٹ سے کمرہ گونج اٹھا۔ پھر اس کے بھاری جبڑے کھل گئے۔ دہانہ کسی قدر کھلا اور ایک پل کے لئے دانتوں کی بہیمانہ چمک دکھائی دی۔

"خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔" سیاہ پوش نے پستول کی نال سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

اس پر دیو قامت آدمی اس طرح چونکا تھا جیسے اس دوران میں وہ پستول اُس کے ذہن سے محو ہو گیا ہو۔ آنکھوں میں خوفزدگی کے آثار پھر نظر آنے لگے۔

وہ چپ چاپ اُس کرسی پر جا بیٹھا جس کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ لیکن چہرے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اُس سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔

سیاہ پوش نے جیب سے ایک پیکٹ نکالا اور اُسے میز پر رکھ کر کئی قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ "سیرنج میں موجود ہے۔"

"مم......مگر باس۔"

"بکو جلدی سے......میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"مم......میں سارا سامان...... یہاں سے ہٹا دوں۔ پچھلی بار میری پیشانی زخمی ہو گئی تھی۔"

"ہوں......اچھا......اجازت ہے۔ لیکن میں اس کے لئے دس منٹ سے زیادہ نہیں

دے سکتا۔ پانچ منٹ میں سامان ہٹاؤ اور پانچ منٹ کے دوران خون کو دوبارہ معمول پر لانے کے لئے کافی ہوں گے۔ بس اب جلدی کرو۔"

سیاہ پوش دروازہ چھوڑ کر ایک طرف ہٹ گیا اور دیو قامت نے اس کمرے کا سامان دوسرے کمرے میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔ وہ بہت بھاری بھرکم تھا لیکن حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اس نے سارا کام صرف تین منٹ میں نپٹا دیا۔

"اسے بھی ہٹاؤ گے۔" سیاہ پوش نے فریج کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"نہیں۔" دیو پیکر آدمی نے سختی سے کہا۔ اُس کے چہرے پر پھر جھلاہٹ کے آثار آنے لگے تھے۔

"اچھا تو سرنج اٹھاؤ۔" سیاہ پوش نے پستول والے ہاتھ کو جنبش دے کر کہا۔

دیو پیکر نے میز پر رکھے ہوئے پیکٹ سے سرنج نکالی جس میں کسی قسم کا سیال بھرا ہوا تھا۔

"جب تک تم میری گرفت میں نہیں آتے...... پھر دیکھنا۔" وہ سیاہ پوش کی طرف انگلی اٹھا کر غرایا۔

"چلو......!" پستول کو پھر جنبش ہوئی اور دیو پیکر کی توجہ سیاہ پوش سے ہٹ کر صرف پستول کی طرف مبذول ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے پھر خوف جھانکنے لگا۔

"جلدی کرو۔" اس بار پستول کی جنبش دھمکی سے بھرپور تھی۔

دیو قامت آدمی نے بائیں بازو میں سرنج کی سوئی چبھائی اور آہستہ آہستہ پسٹن دباتا رہا۔ حتیٰ کہ سرنج بالکل خالی ہو گئی۔

اب وہ سرنج کو پھینک کر آہستہ آہستہ الٹے پاؤں پشت والی دیوار کی طرف جا رہا تھا۔

سیاہ پوش نے جھک کر فرش سے سرنج اٹھائی اور اُسے دوبارہ پیکٹ میں رکھ کر جیب میں ڈال لیا۔

دیو قامت آدمی دیوار سے لگا کھڑا اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے کسی بہت بڑے وزن کے ساتھ سینکڑوں میل پیدل طے کئے ہوں۔ پھیلی ہوئی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ یک

اس کے حلق سے ایک بے ہنگم سی چیخ نکلی اور وہ دھڑام سے فرش پر آ گرا۔

سیاہ پوش اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے دیو قامت آدمی نے اُس پر چھلانگ لگائی ہو اور وہ اپنے بچاؤ کے لئے پیچھے ہٹ گیا ہو۔

وہ دونوں ہاتھوں کے بل فرش پر گرا تھا اور دوبارہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ پھر چیخا اچھل کر دوسری طرف جا پڑا۔ اس کے بعد تو وہ چیخیں دورے کی شکل اختیار کر گئی تھیں اور ہر اس کے پہاڑ جیسے جسم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اچھال دیتی۔

سیاہ پوش بھی اس دوران میں کسی ایک جگہ نہیں کھڑا رہا تھا۔ کرب میں مبتلا دیو قامت آدمی کی پوزیشن کے ساتھ ہی اس کی پوزیشن بھی تبدیل ہوتی رہی تھی اور وہ تھوڑی دیر بعد گھڑی بھی دیکھنے لگتا تھا۔

پندرہ منٹ بعد اُس دیو قامت آدمی پر وہ تشنجی دورہ ختم ہو گیا اور اب وہ فرش پر سجدے کی سی حالت میں پڑا ہوا تھا اور اُس کے حلق سے نکلنے والی آواز ایک مسلسل غراہٹ میں تبدیل ہو گئی تھی۔ خوفناک آواز تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اپنے جھنڈ سے بچھڑا ہوا کوئی غضبناک بھیڑیا غرا رہا ہو۔

سیاہ پوش نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب آ پہنچا۔

پھر دیو قامت آدمی کی پیشانی آہستہ آہستہ فرش سے اٹھتی ہوئی نظر آئی۔ ساتھ ہی غراہٹ بھی مدھم پڑتی جا رہی تھی۔ اسی انداز میں بالآخر کمرے کی محدود فضا خاموشی میں ڈوب گئی۔

سیاہ پوش نے اپنے اوور کوٹ کی جیب سے کاغذ کا ایک چھوٹا سا بنڈل نکالا اور اُسے دیو قامت آدمی کے سامنے ڈالتا ہوا بولا۔

"اسے کھولو......!"

دیو قامت آدمی جو اب دوزانو بیٹھا ہوا تھا اُسے کھولنے لگا۔ کاغذ کی تہہ کے نیچے سے سیاہ رنگ کا ایک مفلر برآمد ہوا تھا۔ وہ اُسے بالکل کتوں کے سے انداز میں سونگھنے لگا۔

"تمہیں اس کی گردن توڑ دینی ہے۔" سیاہ پوش نے آہستہ سے کہا۔

دیو قامت اُسے بدستور سونگھے جا رہا تھا۔

"تمہیں اُس کی گردن توڑ دینی ہے۔" سیاہ پوش نے پھر سرگوشی کی۔

دیو قامت نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔

"تمہیں اُس کی گردن توڑ دینی ہے۔" سیاہ پوش کی سرگوشی جاری رہی۔

"تمہیں اس کی گردن توڑ دینی ہے۔"



وہ عجیب لڑکی تھی۔ ہائی سرکل کلب میں اُس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ غصے کی حالت میں غیر متوقع حرکتیں کر بیٹھتی ہے۔ لیکن کیپٹن حمید نے اُسے آج تک غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

بڑی خوبصورت مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر ہر وقت کھیلتی رہتی۔ اکثر وہ اپنے میز پر تنہا بھی نظر آتی۔ لیکن اُس وقت بھی خواہ مخواہ مسکراتی رہتی۔ کسی طرف متوجہ ہوئے بغیر۔

اُس کی ٹھوڑی کا گڑھا حمید کو بہت پسند تھا۔ وہ اکثر سوچتا کہ اُسے چاہِ زنخداں کیوں کہتے ہیں۔ یہ لفظ تو کچھ گالی سا لگتا ہے۔ کوئی خوبصورت سا نام ہونا چاہئے تھا۔

اُس نے اُسے ہمیشہ مسکراتے دیکھا تھا لیکن آج وہ اُسے عجیب عالم میں نظر آئی۔

ہال میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اُس پر نظر پڑی تھی کیوں نہ پڑتی جب کہ وہ ایک میز پر سر کے بل کھڑی بے تحاشہ چیخے جا رہی تھی۔ نسلاً انگریز تھی۔ اس لئے جو کچھ بھی اُس کی زبان سے نکل رہا تھا آسانی سے سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا۔ پھر بھی حمید نے اندازہ کر لیا کہ وہ غصے ہی میں ہو سکتی ہے۔

اس کے باوجود بھی ہال میں کسی قسم کی ابتری نہ دکھائی دی۔ لوگ اپنی جگہوں پر بیٹھے

ہنس رہے تھے یا اُسے تنفر آمیز نظروں سے گھور رہے تھے۔ حمید نے سوچا کہ اس وقت تو یہ جین پینٹ میں ملبوس ہے اگر کبھی اسکرٹ میں غصہ آ گیا تو کیا ہوگا۔

ہائی سرکل کلب کا ننھا سا منیجر اپنے آفس کے دروازے پر کھڑا اس طرح خلاء میں گھورے جا رہا تھا جیسے بحالت بیداری کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔

حمید نے اُس کے قریب پہنچ کر اُسے ٹہوکا دیا اور وہ بوکھلا کر اس کی طرف پلٹ پڑا۔

"اوہ......!" اُس کے منہ سے ایسے انداز میں نکلا جیسے اب جان میں جان آئی ہو۔ پھر احمقانہ ہنسی کے ساتھ بولا۔ "دیکھئے...... ذرا دیکھئے کپتان صاحب! ایسے غصے پر پیار آ جائے کسی شاعر کو تو خدا کی قسم اپنی بیاض پھاڑ دوں۔"

"لیکن اس غصے میں کس پیار کی شامت پوشیدہ ہے۔" حمید نے لڑکی کی طرف ہاتھ اٹھا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں جناب...... کچھ خاص بات نہیں۔ بس غلطی سے ویٹر نے میز پر نمک گرا دیا تھا۔"

"مجھے تو اُس کا نام تک نہیں معلوم۔" حمید نے کہا اور منیجر نے اُسے اس طرح نیچے سے اوپر تک دیکھ ڈالا جیسے حمید نے اپنے چغد ہونے کا اعلان کیا ہو۔

"یقین کرو! میں نہیں جانتا۔" حمید بولا۔

"جناب...... نام ہی روزا اپ سائیڈ ڈاؤن ہے۔"

"نیچے سے اُسے یہ دنیا کیسی نظر آتی ہوگی۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر مغموم لہجے میں کہا۔

منیجر کچھ نہ بولا۔ وہ پھر اُس لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

دفعتاً ایک اور آدمی بھی اُن کے قریب آ کھڑا ہوا۔ ادھیڑ عمر کا ایک غیر معمولی طور پر خوبصورت آدمی تھا۔ لباس کے رکھ رکھاؤ میں نفاست پسندی کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ جامہ زیب اور وجیہہ بھی تھا۔

اُس نے منیجر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں نے تمہیں سمجھا دیا تھا۔"

منیجر شاید اُس کی موجودگی سے بے خبر تھا جیسے ہی اُس نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا وہ اچھل پڑا تھا۔

"جج...... جناب عالی میں بے بس ہوں۔"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ اُسے غصہ نہ آنے پائے۔"

"درست ہے...... درست ہے...... لیکن بقول شاعر۔"

"نہیں تم نے احتیاط نہیں برتی۔"

"چلیئے میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن اب تو انہیں کسی طرح سیدھا کیجئے۔ ورنہ ان کے گرد بھیڑ اکٹھا ہو جائے گی۔"

"میں کچھ نہیں کرسکتا۔" نووارد ہاتھ ملتا ہوا مایوسانہ لہجے میں بولا۔

"معاف کیجئے گا غلطی آپ سے ہوئی ہے۔" منیجر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"کیا مطلب......؟"

"میں غلط نہیں کہہ رہا۔ آپ کو انہیں یورپ سے یہاں نہ لانا چاہئے تھا۔ یہاں کی عورتیں غصے میں خود سر کے بل کھڑی نہیں ہوتیں بلکہ دوسروں کو کر دیتی ہیں۔ لہٰذا ہماری سوسائٹی میں محترمہ عجوبہ بن کر رہ گئی ہیں۔ کچھ تعجب نہیں کہ یہاں کے مرد انہیں دیوی سمجھ کر پوجنے لگیں۔"

"چھوڑو...... ختم کرو...... یہ بتاؤ اس وقت کیا کیا جائے۔"

"میں کیا عرض کرسکتا ہوں۔" منیجر نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "میں تو محض آپ کی مروت میں سب کچھ برداشت کر رہا ہوں۔ ارے جناب...... ابھی کل ہی کی بات ہے الا... پر ہنسی کا دورہ پڑا تھا۔ مسلسل دو گھنٹے تک ہنستی رہی تھی۔ چلیئے ہنسنے کی بات ایسی نہیں کہ کسی کو اعتراض ہو سکے۔"

"تو اس پر کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔" دفعتاً حمید بگڑ کر بولا۔

"جی......!" بیک وقت دونوں کی زبانوں سے نکلا۔

"جی ہاں......!" حمید باقاعدہ طور پر چڑھ دوڑا۔ "اگر وہ اپنی میز پر سر کے بل کھڑی

ہوتی ہے تو کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں جناب۔" منیجر گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

"وہ دیکھو۔" حمید ایک طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "دیوار پر وہ فریم جس میں تحریر ہے آہستہ گفتگو کیجئے۔"

"میں دیکھ رہا ہوں۔" منیجر بولا۔

"کیا تم دوسرے فریم کا انتظام نہیں کرسکتے تھے جس میں تحریر ہوتا کہ یہاں سر کے بل کھڑا ہونا منع ہے۔"

"کیا بات کرتے ہیں جناب آپ بھی۔" منیجر جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"یہ بات آپ اپنے کلب کے قوانین میں شامل کرسکتے ہیں۔ اُس کے بعد اگر کوئی ایسی حرکت کرے تو آپ کو احتجاج کا حق پہنچتا ہے۔ دوسری صورت میں قطعی نہیں۔"

"آپ کی تعریف جناب۔" دفعتاً نووارد حمید کی طرف مصافحے کیلئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

"میرا نام ساجد حمید ہے اور میں محکمہ داخلہ سے تعلق رکھتا ہوں۔" حمید نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "اور دخل در نامعقولات میرے فرائض میں داخل ہے۔ یقین کیجئے ملکی قوانین میں کوئی ایسی دفعہ نہیں جو کسی شہری کو سر کے بل کھڑے ہونے سے روک سکے۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر جناب۔" نووارد سنجیدگی سے بولا۔

"لہٰذا اب مجھے اجازت دیجئے۔" منیجر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور اپنے آفس میں چلا گیا۔

اُن دونوں نے مڑ کر اُسے جاتے دیکھا تھا لیکن اس کے بارے میں کچھ کہا نہیں تھا۔

نووارد نے حمید کو سگریٹ پیش کیے۔

"شکریہ...... میں پائپ پیتا ہوں۔"

"یہ لڑکی میرے لئے مصیبت بن گئی ہے۔" نووارد بولا۔

"آپ سے کیا تعلق اس کا۔" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"صرف مجھ سے متعلق ہے یہاں اور کسی سے بھی نہیں۔"

"آپ کی باتیں بھی دلچسپ ہیں۔" حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک میز کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ لڑکی اب بھی اُسی طرح میز پر سر کے بل کھڑی تھی۔

وہ دونوں بیٹھ گئے۔ نووارد حمید سے کہہ رہا تھا۔ "میں نے اکثر آپ کو یہاں دیکھا ہے لیکن آپ سے تعارف حاصل نہیں تھا۔"

"تعارف ہوتے کتنی دیر لگتی ہے جناب۔" حمید پاؤچ سے تمباکو نکال کر پائپ میں بھرتا ہوا بولا۔ "تعارف حاصل کرنے کے ایسے گھٹیا طریقے تو اختیار نہیں کر سکتا۔"

دوسرا جملہ اُس نے لڑکی کی طرف ہاتھ اٹھا کر ادا کیا تھا۔

"اوہ...... نہیں...... ایسا نہ کہئے۔ یہ بچی مظلوم ہے۔" نووارد نے مغموم لہجے میں کہا۔

حمید اُسے استفہامیہ انداز میں دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد نووارد پھر بولا۔ "وہ بیمار تھی۔ تبدیلی آب و ہوا کے لئے انگلینڈ سے یہاں لایا ہوں۔"

"دوست ہیں آپ کی؟"

"میرے ایک دوست کی بیٹی ہے۔" نووارد نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "مرض چونکہ شرقی تھا اس لئے میں اُسے یہاں لایا ہوں۔"

"شرقی......!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "میں نہیں سمجھا۔"

"بھئی...... یہ بچپن ہی سے ایسی کہانیوں کی دلدادہ رہی تھی جو مشرق سے متعلق ہوں۔ بعض انگریز مصنفوں نے مشرق کے بارے میں بڑی پُر اسرار کہانیاں لکھی ہیں۔ انہیں پڑھ پڑھ کر یہ مشرق کے جنون میں مبتلا ہو گئی۔ حالانکہ اُن بیچارے مصنفین کی معلومات کا یہ عالم ہے کہ ایک صاحب نے اپنے ناول میں ایک مشرقی شہزادے کی آن بان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہاتھی پر حقہ کس دیا گیا اور شہزادہ اپنے قیمتی لباس کو سنبھالتا ہوا حقے پر جا بیٹھا۔"

"حقے پر......!" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"جی ہاں...... مصنف صاحب کو ہودے کی بجائے حقہ ہی یاد آیا تھا لکھتے وقت۔"

حمید ہنس پڑا۔ لیکن نووارد کی تیوریاں بدستور چڑھی رہیں۔

"صاحب ان مصنفین نے بہتیروں کو طرح طرح کے ذہنی امراض میں مبتلا کر رکھا ہے۔ وہ خود کو مہارانی کہنے لگی تھی۔ مہاراجہ ڈونگا بونگا کی دھرم پتنی۔ بدقت تمام ایک ماہر نفسیات نے اُسے بتایا کہ وہ صرف روز اپسیڈاؤن ہے۔"

"لیکن منیجر نے تو روز اپ سائڈ ڈاؤن نام بتایا تھا۔"

"مرض سے صحت پانے کے بعد وہ خود کو یہی کہنے لگی ہے۔ ویسے وہ اپسیڈاؤن خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ مشرق کے متعلق اس کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ یوگا پر اتھارٹی سمجھئے۔"

"لیکن اب یہ سیدھی کس طرح ہو گی۔"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"ان کی ذمہ داری آپ پر ہے۔ کچھ سوچئے۔" حمید نے کہا۔

"آپ ہی کچھ سوچ کر بتائیے۔"

دفعتاً منیجر دکھائی دیا۔ وہ تیزی سے انہیں کی طرف آ رہا تھا۔

"آپ کا فون ہے جناب۔" اُس نے میز کے قریب پہنچ کر حمید سے کہا۔

حمید اٹھ کر اُس کے ساتھ دفتر کی طرف جاتا ہوا بولا۔ "دنیا کے کسی گوشے میں بھی مجھے سکون نصیب نہیں ہو سکتا۔ تم نے کہہ کیوں نہیں دیا کہ میں یہاں موجود نہیں ہوں۔"

لیکن دفتر میں داخل ہوتے ہی منیجر آہستہ سے بولا۔ "میں نے تو اسی بہانے آپ کو وہاں سے اٹھایا تھا۔"

"کیا مطلب......؟"

"فون کے بہانے۔ کیا آپ اُس آدمی سے واقف ہیں۔"

"نہیں۔" حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"کیا اُس نے آپ کو اپنا نام نہیں بتایا۔"

"میں نے پوچھا ہی نہیں۔"

"ناصر مرزا......!"

"طاہر مرزا بھی ہوسکتا ہے۔ تو پھر......!"

"خدا کی پناہ۔ کیا یہ نام آپ کے لئے چونکا دینے والا نہیں ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"وہ آدمی ہے کہ پل بھر میں آپ کا عہدہ وغیرہ سب خاک میں ملا سکتا ہے۔ ملک کی بہت اونچی اونچی شخصیتوں سے اُس کے مراسم ہیں۔"

"یہ تم مجھے اس کے سامنے بھی بتا سکتے تھے۔"

"آپ تو پتہ نہیں کس قماش کے آدمی ہیں۔" منیجر جھنجھلا کر بولا۔

"بقول شاعر...... نیکی برباد...... گناہ لازم۔"

"تم مجھے وہاں سے کیوں اٹھا لائے ہو۔" حمید نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"صاحب تشریف لے جایئے۔ جان چھوڑیئے میری۔" منیجر اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔

"تمہیں بتانا پڑے گا۔"

"ارے جناب میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ اُس پر آپ کے محکمے یا عہدے کا رُعب نہیں پڑ سکتا۔ جب چاہے آپ کے ڈی آئی جی صاحب ہی کا بستر گول کرا سکتا ہے۔ آپ یہ نہ سمجھئے گا"

اُس نے بات پوری نہیں کی تھی کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

منیجر نے ریسیور اٹھا لیا اور حیرت سے منہ پھاڑے کچھ سنتا رہا۔ پھر پھٹی پھٹی سی آواز میں بولا۔ "تم کون ہو...... ہیلو...... ہیلو......!"

یک بیک وہ اچھل پڑا اور مجنونانہ انداز میں حمید سے بولا۔ "کوئی اُسے مارے ڈال رہا ہے۔ اُس کا گلا گھونٹ رہا ہے۔"

حمید نے ریسیور اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور اب وہ بھی ایسی ہی آواز سن رہا تھا جیسی کسی گھٹتے ہوئے گلے سے نکلتی ہے۔

پھر وہ آواز آنی بند ہوگئی۔ لیکن سلسلہ منقطع نہیں ہوا تھا۔ حمید نے ریسیور کریڈل پر رکھنے کی بجائے میز پر ڈال دیا۔ منیجر اب بھی حیرت سے آنکھیں پھاڑے ہکا بکا کھڑا تھا۔

"کون ہوسکتا ہے۔" حمید نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں...... لل لیکن...... میرا دعویٰ ہے کہ کوئی بڑا حادثہ ہوا ہے۔"

"ریسیور کو میز ہی پر پڑا رہنے دو۔ میں ابھی آیا۔" حمید نے کہا اور آفس سے باہر نکل آیا۔ اب وہ بڑی تیزی سے اُس گوشے کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں گاہکوں کے استعمال کے لئے ٹیلی فون بوتھ واقع تھا۔

فون پر اُس نے ایکس چینج کے نمبر ڈائیل کئے اور اپنے محکمے کے حوالے سے گفتگو کرتا ہوا بولا۔ "فوری طور پر بتاؤ کہ فون نمبر تین دو پانچ چھ کس نمبر سے ملا ہوا ہے۔"

"بہت بہتر جناب۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہولڈ آن کیجئے۔"

اور پھر کچھ دیر بعد نمبر بھی بتا دیا گیا۔ اس کے بعد حمید نے اُس نمبر کے پتے کا مطالبہ کیا۔

"تھری سیون تھری...... جہانگیر روڈ۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

حمید سلسلہ منقطع کر کے پھر منیجر کے آفس میں واپس آیا۔ وہ اب بھی وہیں کھڑا فون کے ریسیور کو گھورے جا رہا تھا۔

"سیون فائیو ٹو ایٹ پر کون ہے۔" حمید نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"جی......!" وہ اچھل پڑا۔

حمید نے پھر اپنا سوال دہرایا اور منیجر میز پر جھک کر ایک ڈائری کی ورق گردانی کرنے لگا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ تو...... وہ تو...... ایک غیر ملکی ہے۔"

"نام بتاؤ۔" حمید غرایا۔ "پتہ بھی چاہئے۔"

"تھری سیون تھری جہانگیر روڈ...... نام آرتھر چیمپئن......!"

حمید نے پھر ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف سے اب بھی رابطہ قائم تھا۔ ٹیلی فون ہی کی "ٹوں ٹوں" کے علاوہ اور کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔

"بھلا اس آرتھر چیمپئن نے اس وقت تمہیں فون کیوں کیا۔"

"میں...... میں...... وہ دراصل...... عجیب چکر ہے۔"

"جلدی بتاؤ...... کسی تمہید کی ضرورت نہیں۔"

"وہ روزانہ فون کر کے اس لڑکی کے بارے میں پوچھتا ہے۔"

"کس لڑکی کے بارے میں۔"

"وہی جو میز پر سر کے بل کھڑی ہے۔"

"تم نے اُس کا پتہ کیوں لکھ رکھا ہے اپنی ڈائری میں۔"

"وہ مجھ سے دوستی کا خواہاں ہے۔ زبردستی نوٹ کرایا تھا اپنا پتہ۔"

حمید پھر ہال میں واپس آ گیا تھا۔ لیکن اب اُسے نہ وہ لڑکی نظر آئی اور نہ اُس کا میزبان ناصر مرزا۔

وہ صدر دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر برآمدے میں قدم رکھا ہی تھا کہ ٹھٹک جانا پڑا۔ وہ دونوں برآمدے میں کھڑے ناخوشگوار لہجہ میں گفتگو کر رہے تھے۔

لڑکی کہہ رہی تھی۔ "تمہارے مہمان ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمہاری پابند ہو کر رہوں سمجھے"

"دیکھو سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں یہاں تمہارا مربی ہوں۔ تمہارے باپ سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ ہر طرح تمہاری دیکھ بھال کروں گا۔"

"بس میں نے آخری بات کہہ دی۔ میرے پیچھے نہ آؤ۔"

ناصر مرزا نے مایوسانہ انداز میں سر کو جنبش دی اور لڑکی آگے بڑھ گئی۔ ناصر مرزا نے پھر کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن پھر سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

لڑکی اب برآمدے سے اُتر کر پارکنگ شیڈ کی طرف جا رہی تھی۔

ناصر مرزا جہاں تھا وہیں کھڑا رہا اور حمید اُس کے پاس سے نکلا چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اُس لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا۔ لڑکی ایک چھوٹی سی کار ڈرائیو کر رہی تھی اور حمید لنکن میں تھا۔

دفعتاً اُسے پھر فون کا خیال آیا اور وہ سوچنے لگا کہ آخر اُسے اس سے کیا سروکار۔ کسی نے منیجر سے فون پر رابطہ قائم کیا تھا لہٰذا وہ منیجر کا ذاتی معاملہ ٹھہرا۔ اسے کیا پڑی ہے کہ اس کے

پھرے۔ البتہ یہ لڑکی اس کی زندگی میں چند خوشگوار لمحات کا اضافہ کر سکے گی۔

تعاقب جاری رہا۔ وہ لڑکی سے متعارف ہونا چاہتا تھا۔ عرصہ سے زندگی یکسانیت کا شکار تھی۔ کہیں بھی تو کوئی ناولٹی نہیں۔ زندگی گویا ہڈیوں کا پنجر ہو کر رہ گئی تھی۔

اگر اس لڑکی سے متعارف ہو گیا تو شائد کچھ دنوں کے لئے انواع اقسام کی بوریتوں سے مل جائے۔ کیا چیز ہے؟ غصہ آیا تو سر کے بل کھڑی ہو گئی۔ اس کی پرواہ کئے بغیر کہ وہ ایک بھرے پُرے کلب میں موجود ہے۔

لڑکی تیز رفتاری سے راستہ طے کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ وہ بتدریج گاڑی کی رفتار کم کرتی جا رہی ہے۔ پھر اُس نے اُسے چوراہے سے جہانگیر روڈ پر مڑتے اور ایک طویل سانس لی۔

تعاقب جاری رہا۔ لیکن زیادہ دیر تک نہیں۔ لڑکی نے اپنی گاڑی ایک چھوٹی سی عمارت سامنے روکی تھی۔ حمید اپنی گاڑی آگے لیتا چلا گیا اور کچھ دور جا کر یوٹرن لیتا ہوا پھر اُسی چلا آیا۔ سڑک کی دوسری جانب ٹھیک لڑکی کی گاڑی کے سامنے لنکن پارک کرنے کے بعد پشت گاہ سے ٹک کر بجھا ہوا پائپ سلگانے لگا۔

لڑکی کی گاڑی خالی تھی۔

دفعتاً وہ چونک پڑا۔ یہ جہانگیر روڈ تھی۔ منیجر نے فون کال کے سلسلے میں جہانگیر روڈ کی نمبر تین سو تہتر ہی کا تو تذکرہ کیا تھا اور یہ...... یہ عمارت...... اوہ...... نمبر اتنے فاصلے بھی صاف پڑھے جا سکتے تھے۔ پھاٹک کے ایک ستون پر تین سو تہتر تحریر تھا۔

حمید نے متحیرانہ انداز میں ہونٹ سکوڑے اور لنکن سے نیچے اُتر آیا۔ اب وہ نیم پلیٹ بھی تا تھا جس پر آرتھر چیمپئن لکھا ہوا تھا۔ وہ پھاٹک کی طرف بڑھا۔ اُس کے پاس اُس مکان خل ہو جانے کے لئے جواز موجود تھا۔ کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔

پھاٹک دوسری طرف سے بولٹ نہیں تھا۔ دھکا دینے پر کھلتا چلا گیا۔ پھاٹک کے بعد فٹ چوڑا لان تھا جس کا اختتام اصل عمارت کے قریب ہوا تھا۔

صدر دروازہ کھلا ہی ہوا ملا۔ ابھی وہ داخل بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ روزا سامنے سے
دوڑتی آئی اور اس سے ٹکرا گئی۔ اُسے گرنے سے بچانے کے سلسلے میں وہ خود بھی گرتے گرتے بچا تھا۔
روزا بُری طرح ہانپتی ہوئی گھٹی گھٹی سی آواز میں بولی۔ ''قتل...... قتل...... پولیس......''
اور پھر وہ بیہوش ہو کر حمید کے ہاتھوں میں جھول گئی۔

پل بھر کیلئے حمید کی قوت فیصلہ جواب دے گئی۔ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ پھر خیال آیا کہ
مکان میں روزا کے علاوہ اور کوئی بھی اس وقت موجود نہیں ورنہ وہ بھی اس کے پیچھے ہی نظر آتا
تو وہاں کسی کی لاش تھی۔

اُسے دیکھنا چاہئے۔ لیکن روزا...... وہ اب بھی اُس کے ہاتھوں پر تھی۔

اُسے ایک کمرے میں صوفے پر لٹا کر وہ دوسرے کمروں کی تلاشی لینے لگا۔

لاش ڈرائنگ روم میں ملی تھی۔ ٹیلی فون والی میز کے قریب۔ جسم پر کہیں بھی کوئی زخم نہ
تھا البتہ ایسا لگتا تھا جیسے گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ مرنے والا جوان العمر تھا۔ زندگی میں اس
کے خدوخال کافی دلکش رہے ہوں گے۔ کسی سفید فام نسل کا فرد تھا۔

ٹیلی فون کا ریسیور میز کے نیچے جھولتا نظر آیا۔ میز کے قریب والا صوفہ الٹا پڑا تھا۔ اس
کے علاوہ اور کسی قسم کی بدنظمی کمرے میں نہیں پائی جاتی تھی اور اب حمید سوچ رہا تھا کہ اگر
لڑکی بھی اس کیس میں ملوث ہوگئی تو اس کی تفریحات کا کیا ہوگا۔

لہٰذا اس نے فوری طور پر ایک فیصلہ کیا اور اس کمرے کی طرف چل پڑا جہاں لڑکی کو لٹا
آیا تھا۔

اُس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ کوشش کر رہا تھا کہ اسے جلد از جلد ہوش آ جائے۔
ناکامی نہیں ہوئی۔ ہوش آتے ہی لڑکی نے پھر ''قتل قتل'' کی رٹ لگا دی۔

''خاموش رہو۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میری بات غور سے سنو۔ میں ایک ذمہ دار
پولیس آفیسر ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم کون ہو۔ میرا مشورہ ہے کہ چپ چاپ یہاں سے
چلی جاؤ۔''

''لیکن...... لیکن......!''

''ہاں...... کیا کہنا چاہتی ہو۔'' حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''وہ...... وہ میرا دوست تھا۔''

''تمہیں کیسے اطلاع ملی تھی کہ وہ قتل کر دیا گیا؟''

''مجھے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ میں تو بس اس سے ملنے آئی تھی۔''

''ٹھیک ہے...... اب تم جاؤ...... اور اس سلسلے میں قطعی طور پر اپنی زبان بند رکھو گی۔ کسی
سے بھی تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''کیوں...... آخر کیوں؟''

''میں تمہیں ایک زحمت سے بچانا چاہتا ہوں۔ اگر تم نے کسی سے تذکرہ کیا تو قانون کی
نظر میں تم خود بھی شبہے سے بالاتر نہیں ہوگی۔''

''مم...... میں کیوں؟''

''تم یہی بیان دو گی نا کہ تم اُس سے ملنے آئی تھیں۔ لاش دیکھ کر پولیس کو اطلاع دینے
کے لئے بھاگیں۔''

''یقیناً میں یہی بیان دوں گی۔''

''لیکن اس پر کون یقین کرے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تم یہاں کسی اور کے ساتھ آئی ہو
اور ان میں لڑائی ہوئی ہو۔ ایک مارا گیا۔ مارنے والا بھاگ نکلا اور تم۔ تم نے اس کے بعد سوچا
کہ یہ تو بہت بُرا ہوا۔ لہٰذا اب تمہیں پولیس کو اطلاع دے دینی چاہئے اور تم وہی کچھ کہتی ہو جو
ابھی کہا ہے۔ یعنی تم قاتل کو پولیس کی دسترس سے بچانا چاہتی ہو۔''

روزا نے متحیرانہ انداز میں جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں اور بولی۔ ''لیکن تم نے میرے
بیان پر کیوں یقین کر لیا۔''

''اس لئے کہ میں نے کچھ دیر پہلے تمہیں ہائی سرکل میں دیکھا تھا اور وہیں سے تمہارا
تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں۔''

"تم نے میرا تعاقب کیوں کیا تھا۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"میری دانست میں تو اُن سبھوں کو تمہارا تعاقب کرنا چاہئے تھا جو اس وقت ہال میں موجود تھے۔"

"ہوں۔" وہ ناخوشگوار لہجے میں بولی۔ "اکثر لوگ میرے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ اچھا شکریہ۔ آفیسر...... میں جارہی ہوں۔"



وہ ایک غیر ملکی کے قتل کا معاملہ تھا اور اس کی اطلاع حمید سے ملی تھی اس لئے فریدی جائے واردات پر تنہا نہیں تھا۔ اُس کے محکمے کا سپرنٹنڈنٹ بھی وہاں موجود تھا۔ حمید نے فریدی کو فون پر اطلاع دی تھی اور فریدی نے بڑے خشک لہجے میں اس سے کہا تھا کہ وہ براہِ راست سپرنٹنڈنٹ کو رپورٹ دے۔ پھر مزید کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سپرنٹنڈنٹ سے دوبارہ اس کی اطلاع ملنے پر ہی وہ جائے واردات کی طرف روانہ ہوا تھا۔ وہیں سپرنٹنڈنٹ سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ فریدی اچھی طرح جانتا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ نے موقع واردات پر پہنچنے کے بعد ہی اُسے طلب کیا ہوگا اور حمید کے متعلق تو سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ اُس نے سپرنٹنڈنٹ سے اس قسم کی گفتگو کی ہو جس سے وہ اندازہ کر سکے کہ سب سے پہلے اُس نے فریدی کو اطلاع دی ہوگی۔

حمید اپنا بیان پہلے ہی درج کرا چکا تھا۔ لیکن اُس میں لڑکی کا تذکرہ نہیں تھا۔ لڑکی کے بارے میں تو اُس نے فریدی کو بھی نہیں بتایا تھا۔

محکمہ کے فوٹوگرافر مختلف جگہوں کی تصویریں لیتے رہے۔ فنگر پرنٹس کی تلاش جاری تھی۔

"کیا خیال ہے۔" سپرنٹنڈنٹ نے فریدی کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا عرض کروں...... یہ آدمی بہت تندرست تھا لہٰذا گردن کا اس طرح ٹوٹنا م

... میں ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔"

"تو پھر......!"

"فوری طور پر اظہار خیال بھی ممکن نہیں۔"

سپرنٹنڈنٹ خاموش ہو گیا۔ پتہ نہیں کیوں وہ ان دنوں فریدی سے الجھ نہیں رہا تھا۔ جائے واردات پر بھی زیادہ دیر تک نہیں ٹھہرا۔ فریدی کو بڑے مربیانہ انداز میں کیس سے متعلق کچھ ہدایات دیتا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔

فنگر پرنٹ والوں کے ساتھ ہی حمید نے بھی وہاں سے کھسک جانا چاہا لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم ٹھہرو گے۔"

حمید نے ایک طویل سانس لی اور جہاں تھا وہیں رک گیا۔

لاش بھی اٹھوائی جا چکی تھی اور اب وہاں اُن دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

"میں نے ہائی سرکل کے منیجر کو یہیں بلوایا ہے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"کیوں......؟"

"اس لئے کہ میں خود وہاں نہیں جانا چاہتا۔"

"کوئی خاص وجہ۔"

"وقت بچانا چاہتا ہوں۔"

"کیا خیال ہے؟ اُس کی گردن کس طرح ٹوٹی ہوگی۔"

"ازروئے رمل بتاؤں یا جوتش کے مطابق۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

اتنے میں کسی نے باہر سے گھنٹی بجائی اور فریدی خود ہی صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ آنے والا ہائی سرکل کلب کا منیجر تھا۔ اس نے بڑے ادب سے فریدی کو سلام کیا۔

"کیا آپ اس سے پہلے یہاں آچکے ہیں۔" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"نہیں جناب عالی! پہلی بار...... آپ کے طلب کرنے پر حاضر ہوا ہوں۔" منیجر نے ... کی طرف دیکھ کر کہا۔

''میں آپ ہی کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

''بس جناب وہ زبردستی مجھ سے جان پہچان پیدا کر بیٹھا تھا۔''

''کسی خاص مقصد کے تحت......!'' فریدی اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''جی ہاں......وہ روزاپ سائیڈ ڈاؤن کے بارے میں پوچھا کرتا تھا۔''

''یہ کیا بلا ہے؟''

منیجر نے حمید کی طرف دیکھا اور حمید بے نیازانہ انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''وہ دراصل......!'' منیجر کھنکار کر بولا۔ ''وہ......وہ جناب عالی ایک لڑکی ہے۔ مسٹر ناصر مرزا کی مہمان۔ مرنے والا کلب میں اس کی موجودگی کے بارے میں پوچھا کرتا تھا۔ بس یوں سمجھئے کہ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ناصر مرزا بھی اُس کے ساتھ ہے یا وہ تنہا کلب آئی ہے۔ ناصر مرزا کو آپ جانتے ہی ہوں گے۔''

''جانتا ہوں۔'' فریدی نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آج کی پوزیشن بتایئے۔''

اس سوال پر حمید اس طرح کھکھارا جیسے منیجر کو وارننگ دے رہا ہو۔

''آج......جی ہاں......وہ دونوں ہی کلب میں موجود تھے۔ فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھایا۔ پہلے تو ٹھیک ہی آواز آئی تھی پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی اُس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔''

''تو آپ نے اُس کی آواز پہچان لی تھی۔''

''نہیں جناب......اُس وقت کپتان صاحب میرے پاس ہی کھڑے تھے۔ میں نے ریسیور اُن کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔''

''کیا آپ نے حمید سے پہلے بھی اُس لڑکی کا تذکرہ کیا تھا۔''

''جناب تذکرہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ تو خود ہی ایک قسم کا چلتا پھرتا اشتہار ہے۔''

''کیا مطلب......؟''

''جس وقت میں وہ منحوس کال ریسیو کررہا تھا وہ ڈرائنگ ہال میں ایک میز پر سر کے بل کھڑی ہوئی تھی۔''

''کیا مطلب......؟'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

منیجر کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ اُسے بتانے لگا کہ لڑکی اکثر کس قسم کی بے تکی حرکتیں کیا کرتی ہے۔ وہ اُس کے بارے میں بتاتا رہا اور فریدی حمید کو گھورتا رہا۔ منیجر کے خاموش ہوتے ہی اُس نے حمید کو مخاطب کیا۔

''تم یہاں کس طرح پہنچے تھے؟''

''ایکس چینج سے یہاں کے نمبر معلوم کئے تھے اور ان نمبروں کی بناء پر منیجر سے مکان نمبر معلوم ہو سکے۔''

''اب آپ جا سکتے ہیں جناب۔'' فریدی نے منیجر سے کہا۔ ''بہت بہت شکریہ۔ ہوسکتا ہے آپ کو پھر تکلیف دی جائے۔''

''میں ہر وقت حاضر ہوں جناب۔'' منیجر نے بڑے ادب سے کہا اور سلام کے لئے ہاتھ اٹھایا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

اس کے جانے کے بعد چند لمحات خاموشی سے گزرے پھر فریدی بولا۔ ''تو تم اُس لڑکی کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے۔''

''حد ہوگئی۔'' حمید نے جھنجھلاہٹ کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔ ''ارے جناب میں نے ایکسچینج سے نمبر معلوم کئے تھے۔''

''اگر اُس لڑکی کی ذات بھی ملوث نہ ہوگئی ہوتی تو تم ہرگز ایکس چینج سے نمبر نہ معلوم کرتے۔''

''ہوسکتا ہے۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

''اعتراف کرلو کہ تم لڑکی کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے۔''

''خواہ مخواہ۔''

''تم محض اُس فون کال کی وجہ سے یہاں تک نہیں آسکتے تھے۔''

''اتنے وثوق کے ساتھ کوئی بات نہ کہا کیجئے۔''

''وہ بیہوش ہوگئی تھی۔'' فریدی حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''اور تم نے اُسے اٹھا

کر اس صوفہ پر لٹا دیا تھا۔"

حمید بوکھلا کر اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ پھر بڑی ڈھٹائی سے بولا۔ "غالباً اب میں یہ سمجھوں کہ آپ پہلے ہی سے ان لوگوں کی نگرانی کرتے رہے ہیں۔"

"جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" فریدی کا لہجہ خشک تھا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ حمید کے چہرے پر غبار سا چھا گیا تھا۔

دفعتاً فریدی بولا۔ "آخر اس لڑکی کا تذکرہ نہ کرنے میں کیا مصلحت تھی حمید صاحب۔"

"میں نے مناسب نہیں سمجھا تھا۔"

"آخر کیوں میرے شرلاک۔"

"فی الحال میں یہ بھی نہیں بتانا چاہتا۔"

"احمقانہ باتیں نہ کرو۔ اگر اُس نے تمہاری نادانستگی میں کوئی بیان دے دیا تو۔"

"کیا مطلب؟" حمید بوکھلا کر سیدھا ہو گیا۔

"فرض کرو وہ اس بیان کے ساتھ کسی بھی تھانے پر جا پہنچی ہے کہ وہ اپنے دوست کی لاش دیکھ لینے کے بعد پولیس کو اطلاع دینا چاہتی تھی لیکن ایک اجنبی نے خود کو پولیس آفیسر ظاہر کرتے ہوئے اُسے کسی قسم کا بیان دینے سے روک دیا۔"

"نہیں......نہیں......ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"ہوں......تو تم نے اُسے بیان دینے سے بھی روکا تھا۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

حمید کچھ نہ بولا۔

"تمہاری حماقتوں سے میں تنگ آ گیا ہوں۔ کیا اُس نے کہا تھا کہ وہ پولیس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔"

"اُس نے کوئی ایسی بات نہیں کہی تھی۔ میں ہی اُسے مزید پریشانیوں سے بچانا چاہتا تھا۔"

"کیوں......؟"

"میں نے کہا اتنی خوبصورت لڑکی بیچاری کہاں پریشان ہوتی پھرے گی۔"

"شش! چپ......!" فریدی نے کہا اور اُس صوفہ کی طرف متوجہ ہو گیا جس کی طرف کچھ پہلے اشارہ کیا تھا۔

حمید خاموشی سے اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ وہ صوفہ کے قریب پہنچ کر جھکا اور اُس پر سے کوئی ایسی چیز اٹھائی جو اتنی دور سے حمید کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اُس کے پاس آیا اور اپنا ہاتھ اُس کے چہرے کے برابر لا کر بولا۔ "ملاحظہ فرمائیے۔"

سنہرے رنگ کے تین چار لمبے لمبے بال اُس کی چٹکی میں دبے ہوئے تھے۔

حمید ہنس پڑا۔ "واقعی آپ بہت اونچے جا رہے ہیں۔"

انداز مضحکہ اڑانے کا سا تھا۔

"بکواس مت کرو۔ یہ اُسی لڑکی کے بال ہیں جسے تم نے گود میں اٹھا کر اس صوفے پر لٹایا تھا۔"

"یہی سرے سے غلط ہے کہ میں نے کسی لڑکی کو اس صوفے پر لٹایا تھا۔"

"اگر تم نے اسے بیہوشی کی حالت میں صوفے پر نہیں لٹایا تھا تو پھر تم کسی کمینگی کے مرتکب ہوئے ہو۔" فریدی غرایا۔

"آپ کس بناء پر یہ ساری باتیں اتنے وثوق سے کہہ رہے ہیں۔"

"اپنے ٹائی پن کو غور سے دیکھو۔"

حمید نے بوکھلا کر سر جھکا لیا اور پھر احمقانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کے ٹائی پن سے بھی اُسی قسم کے کئی بال الجھے ہوئے نظر آئے تھے۔

پھر اُسے سب کچھ اگل دینا پڑا۔

"تم آخر اتنے ڈفر کیوں ہوتے جا رہے ہو۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"میں خود بھی نہیں جانتا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر دردناک لہجے میں کہا۔

"وہ اس وقت کہاں ملے گی۔" فریدی نے اُسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا! آج تو پہلی ہی ملاقات تھی۔ جو ایسے حالات میں ہوئی۔"

دفعتاً باہر سے کسی نے گھنٹی بجائی۔ فریدی چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" اُس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

صدر دروازہ کھولتے وقت تیز خوشبو کی لپٹ ہوا کے جھونکے کے ساتھ اندر آئی۔

چست لباس میں ایک سفید فام لڑکی باہر کھڑی تھی۔ فریدی کو دیکھ کر اُس نے متحیرانہ انداز میں جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں اور بولی۔ "کیا آرتھر موجود ہے۔"

"آیئے......!" فریدی نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

وہ اندر آ گئی۔ فریدی اُسے وہیں لایا جہاں حمید کو چھوڑ کر گیا تھا۔

"آرتھر کہاں ہے۔" لڑکی نے اُن دونوں کو باری باری سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"آرتھر......!" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "مجھے افسوس ہے محترمہ۔ کسی نے انہیں مار ڈالا۔"

"کیا......؟" وہ تقریباً چیخ پڑی۔

"یا پھر ہوسکتا ہے کہ کسی حادثے ہی کی بناء پر اُن کی گردن ٹوٹ گئی ہو۔ ہمارا تعلق مقامی پولیس سے ہے۔"

"مم......مار......ڈالا......!" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس پر غشی سی طاری ہو رہی ہو۔ آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہوتی جا رہی تھیں۔

فریدی جہاں تھا وہیں کھڑا بغور اُس کی حالت کا جائزہ لیتا رہا۔

دفعتاً حمید بولا۔ "وہ گئی......ارے سنبھالئے۔"

لیکن فریدی اُسے فرش پر گرتے بھی دیکھتا رہا

"ہو گئی بیہوش......!" حمید ہنس کر بولا۔ "اب اسے آپ گود میں اٹھایئے اور جس صوفے پر دل چاہے لٹا دیجئے۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"اوہ......تو کیا یہ......!"

"جی نہیں......البتہ اس کے بالوں کی رنگت بھی ویسی ہی ہے۔"

فریدی بیہوش ہو جانے والی لڑکی کو پر تفکر نظروں سے دیکھتا رہا۔

"اگر خود ہمت نہ کر سکتے ہوں تو مجھے اجازت دیجئے۔"

"اوں......!" فریدی چونک پڑا۔

"اٹھاؤں۔"

"بکومت۔" فریدی نے کسی قدر تلخی کے ساتھ کہا اور پھر لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

حمید پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا اور اُس کی نظریں فریدی کے چہرے پر تھیں۔

دفعتاً کسی نے پھر گھنٹی بجائی۔

"اب تم دیکھو......!" فریدی نے حمید کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"میں آپکو اس مصیبت میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔" حمید نے شریری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"جاؤ......!" فریدی نے سخت لہجے میں کہا اور حمید وہاں سے چلا گیا۔

ادھر بیہوش لڑکی کے جسم میں کسی قدر جنبش پیدا ہو چلی تھی۔ فریدی اُسے بغور دیکھتا رہا۔

پھر جیسے ہی حمید نے اُس کمرے میں قدم رکھا وہ اس طرح اٹھ بیٹھی جیسے یونہی تفریحاً شی کی ایکٹنگ کرتی رہی ہو۔

حمید کے ساتھ ایک غیر ملکی بھی تھا۔ لڑکی اُسے دیکھتے ہی چیخ پڑی۔ "ڈیڈی......وہ مار ڈالا گیا۔" ساتھ ہی وہ اُس کی طرف جھپٹی بھی تھی۔

اور اب وہ اس کے سینے پر سر رکھے ہوئے کسی ننھی سی بچی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر ئے جا رہی تھی۔ وہ ویسے بھی اُس کے سامنے ایک ننھی سی بچی معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ طویل ت اور خاصے پھیلاؤ والے جسم کا مالک تھا۔ سن رسیدہ ہونے کے باوجود بھی مضبوط قویٰ ھنے والا معلوم ہوتا تھا۔

"یہ کیسے ہوا......کب ہوا......؟" نووارد غیر ملکی نے لڑکی کی پیٹھ تھپکتے ہوئے فریدی سے پوچھا۔

"موت کے وقت کا تعین تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہی کر سکے گی۔" فریدی نے اُسے

پر تجسس نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''یہ میری لڑکی ہے۔ اسے گہرا صدمہ پہنچا ہے۔ بے بی...... بے بی۔''

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم کون ہو اور مرنے والے سے تمہارا کیا تعلق تھا۔''

وہ کچھ نہ بولی۔ فریدی اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھتا رہا اور لڑکی بدستور اُس کے سینے سے لگی ہوئی سسکیاں لیتی رہی۔

فریدی نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

وہ لڑکی کو الگ کرتا ہوا بولا۔ ''میرا تعلق ایک غیر ملکی سفارت خانے سے ہے اور میں اپنے سفیر کے علم میں لائے بغیر تم سے اس سلسلے میں کسی قسم کی گفتگو نہیں کر سکتا۔''

''بات قاعدے کی ہے۔'' فریدی بولا۔ ''اچھی بات ہے۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔''



حمید کو اُس نے روزا پر نظر رکھنے کی ہدایت دی تھی اور خود اُن دونوں کے ساتھ چلا گیا تھا اور حمید کو مرنے والے کی قسمت پر رشک کرنے ہی سے فرصت نہیں مل رہی تھی۔ کیونکہ اُس کے لئے ایک نہیں بلکہ دو لڑکیاں بیہوش ہوئی تھیں۔

دو کیا اگر آدھی لڑکی بھی خود اُس کے لئے بیہوش ہونے پر تیار ہو سکتی تو کھڑے کھڑے جان دینے پر آمادہ ہو جاتا۔ وجہ یہ تھی کہ عام طور پر لڑکیاں اُس سے فلرٹ کرتی تھیں۔ کسی نے بھی کبھی سنجیدگی سے چاہنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

پیار کا بھوکا...... ازلی بھوکا۔

ناصر مرزا کی رہائش گاہ کی طرف جاتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ مقدر ہی میں بوریت

لکھی ہوئی ہے۔ جہاں دلچسپی کے امکانات نظر آئے راہ میں کوئی دیوار بھی حائل ہو گئی۔ بھلا یہ
ضروری تھا کہ آرتھر آج ہی مار ڈالا جاتا اور پھر وہی لڑکی اُس سے کسی نہ کسی طرح متعلق
ہوتی جس نے کچھ دیر پہلے حمید کی توجہ اپنی طرف منعطف کرائی تھی۔

ناصر مرزا اپنی کوٹھی میں موجود تھا۔ حمید کو اُس تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

''اوہ جناب......!'' وہ پرتپاک انداز میں اُس کا استقبال کرتا ہوا بولا۔ ''آپ نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ کتنا تلاش کیا تھا میں نے۔ آیئے...... آیئے خوش آمدید۔''

''شکریہ جناب...... آپ کا اخلاق ہی مجھے یہاں تک کھینچ لایا ہے۔''

''تشریف رکھئے۔ آپ دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ دوستی کے لئے بڑھا ہوا میرا ہاتھ قبول کیجئے۔''

حمید نے دوبارہ بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔

''کیا پئیں گے آپ......؟'' ناصر مرزا نے پوچھا۔

''شکریہ۔ فی الحال کچھ بھی نہیں۔''

''میرے لائق اور کوئی خدمت۔''

''دراصل آپ کی مہمان کی کہانی بڑی دلچسپ تھی۔'' حمید بولا اور اُس نے محسوس کیا کہ ناصر مرزا یک بیک سنجیدہ نظر آنے لگا ہے۔

''اُس میں کون سی دلچسپی محسوس کی ہے آپ نے۔'' اس نے بے حد خشک لہجے میں پوچھا۔

''وہی یوگا وغیرہ کا چکر۔''

''سب بکواس ہے۔ وہ صرف مجھے بور کرنے کے لئے یہ سب کچھ کرتی ہے۔''

''میں نہیں سمجھا جناب۔''

''وہ چاہتی ہے کہ میں اس کے پیچھے نہ لگا رہوں۔ مثال کے طور پر آج جب اُس نے ہالی سرکل کے ہال میں مجھے دیکھا تو سر کے بل کھڑی ہو گئی۔ مقصد یہ تھا کہ میں بوکھلا کر وہاں سے چلا جاؤں۔''

"بات تو ٹھیک ہے۔ آپ کی جگہ اگر میں بھی ہوتا تو ایسی صورت میں یہی چاہتا کہ وہاں میرا اس سے کسی قسم کا تعلق نہ ظاہر ہونے پائے۔"

"لیکن اب میں اس کی پرواہ نہیں کرتا۔" ناصر مرزا نے کسی قدر غصیلے لہجے میں کہا۔ "آپ نے دیکھا ہی ہے کہ میں وہاں سے ٹلا نہیں تھا اور آپ سے اس کے بارے میں گفتگو بھی کی تھی۔"

"جی ہاں...... مجھے یاد ہے۔ لیکن آخر وہ ایسا کیوں چاہتی ہیں۔"

"سنئے جناب...... میں ایک ذمہ دار آدمی ہوں اور کوئی بھی ذمہ دار آدمی کسی نیم دیوانے کو اس کے حال پر نہیں چھوڑ سکتا۔"

"میں نہیں سمجھا جناب۔"

"وہ لڑکی نیم دیوانی ہے۔ اس لئے باہر بھی مجھے اس کی نگرانی کرنی پڑتی ہے اور کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اس کے پیچھے کیوں گئے تھے؟"

"میں......!" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں...... آپ۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی جناب۔"

"بتاؤ" ناصر مرزا چیخ کر کھڑا ہوگیا۔ "تمہارے ڈی آئی جی تک کے کان کھینچ سکتا ہوں۔ تم کیا چیز ہو۔"

"کان آپ صرف اوپری والوں کے کھینچ سکتے ہوں گے۔ ہم بیچارے اس قابل کہاں۔"

"میں پوچھ رہا ہوں تم نے روزا کے ساتھ کیا کیا ہے۔"

"یقیناً آپ کسی بڑی غلطی فہمی کا شکار ہوئے ہیں مرزا صاحب۔"

"کیا مجھے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔" ناصر مرزا کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔

"دیکھئے...... یہ طریقہ نہیں ہے بات کرنے کا۔" حمید اس کے غصے کی پرواہ کئے بغیر نرم لہجے میں بولا۔ "پہلے کھل کر الزام لگایئے۔ پھر میں دیکھوں گا کہ اُس میں کہاں تک صداقت ہے۔"

"کیپٹن حمید میں بہت بُرا آدمی ہوں۔"

"میں اپنی زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

پھر آہستہ آہستہ اُس کے بگڑے ہوئے خط و خال معمول پر آتے گئے اور تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "واپسی پر وہ بہت خائف نظر آتی تھی اور ابھی تک اپنے کمرے میں بند ہے۔ لاکھ کوششوں کے باوجود بھی اُس نے دروازہ نہیں کھولا۔"

حمید نے طویل سانس لی اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا۔

"میں یہیں موجود ہوں۔ انہیں بلا لایئے۔ اگر وہ کہہ دیں کہ مجھے پہچانتی ہیں تو پھر آپ کو اختیار ہے۔ کھینچ لیجئے گا میرے ڈی آئی جی کے کان۔"

"تم نیک نام نہیں ہو۔"

"کچھ ایسا زیادہ بدنام بھی نہیں ہوں۔ دنیا میں شائد ہی کوئی ایسی لڑکی مل سکے جس نے کبھی میری وجہ سے اپنے کمرے میں اس طرح بند ہونا پسند کیا ہو۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔"

"مرزا صاحب میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"اس وقت یہاں کیوں آئے ہو۔"

"روزا اپ سیڈاؤن کی کہانی نامکمل رہ گئی تھی۔ اشتیاق تھا کہ ان کے بارے میں کچھ اور معلوم کروں۔"

"تم نے اُس کا تعاقب کیوں کیا تھا۔"

"انہیں سے پوچھ لیجئے۔"

"وہ دروازہ ہی نہیں کھولتی۔"

"کبھی تو کھولیں گی اور میں کوئی ایسا غیر معروف آدمی بھی نہیں ہوں کہ دوبارہ ہاتھ نہ لگوں۔ لیکن جب آپ اُن کی نگرانی کیا ہی کرتے ہیں تو اُس وقت کیوں چوک گئے۔ جب میں اُن کے پیچھے جا رہا تھا۔"

”پتہ نہیں کیوں مجھے اُس پر غصہ آ گیا تھا اور میں نے کہا تھا جہنم میں جائے۔“

”کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہر وقت اُن کی نگرانی کرتے رہیں۔“

”کیوں نہیں...... اُس کی ذمہ داری ہے مجھ پر۔“

”لیکن یہ آپ کے لئے ممکن نہیں...... ظاہر ہے کہ بے حد مصروف آدمی ہیں۔“

”ہاں...... یہی بات ہے۔“

”اچھی بات ہے۔ اب آپ بے فکر ہو جایئے۔“

”کیا مطلب......؟“

”میں آپ کے لئے اُن کی نگرانی کروں گا۔“

”تم......؟“

”ہاں...... ہاں...... آپ کو حیرت کیوں ہے؟“

”نہیں نہیں۔ میں خالہ بلی سے گوشت کی رکھوالی نہیں کرا سکتا۔“

”افسوس......!“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”دنیا نے مجھے بالکل نہیں سمجھا ہے۔“

ناصر مرزا کچھ نہ بولا۔ کسی گہری سوچ میں معلوم ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر آہستہ سے بولا۔ ”مجھے منظور ہے۔ لیکن تم صرف نگرانی کرو گے۔ اُس کے تحفظ کے نکتہ نظر سے۔ اُس سے مل بیٹھنے کی کوشش نہیں کرو گے۔“

”لاحول ولا قوۃ...... بھلا مل کر کیا کروں گا۔“

ناصر مرزا نے اُسے گھور کر دیکھا لیکن وہ احمقانہ انداز میں اس طرح اُس کی طرف دیکھے جا رہا تھا جیسے اپنے سوال کا جواب چاہتا ہو۔

ناصر مرزا نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”نہیں تم رہنے دو۔ میں اس سلسلے میں کرنل فریدی سے گفتگو کروں گا۔“

حمید نے طویل سانس لی۔

”لیکن......!“ وہ سنجیدگی اختیار کرتا ہوا بولا۔ ”آپ اس لڑکی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔“

”...ا مطلب......؟“

”...پ جانتے ہی ہوں گے کہ کرنل نے ابھی تک شادی نہیں کی۔“

”...پھر......؟“

”...نہیں ایک ایسی عورت کی تلاش ہے جو عام عورتوں سے مختلف ہو۔“ حمید کئی ٹھنڈی ...ے کر بولا۔ ”اور آپ کی روزا اپ سیڈ اوَن تو مختلف ترین ہیں۔“

”...یرا مذاق اڑانا چاہتے ہو۔“ ناصر مرزا پھر بھڑک گیا۔

”...ی نہیں...... میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں مجھ سے زیادہ قابل ...نہیں ہو سکتے۔“

”...فضول باتیں ختم کرو۔“ ناصر مرزا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آخر وہ اتنی خوفزدہ کیوں ہے۔“

”...یرا خیال ہے کہ آپ وقت ضائع کر رہے ہیں۔“ حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

”...کیا مطلب......؟“

”...جتنی جلد ممکن ہو سکے اُن سے اس کی وجہ معلوم کیجئے۔“

”...وہ دروازہ ہی نہیں کھولتی۔“ ناصر مرزا کے لہجے میں بے بسی تھی۔

”...میں کوشش کروں۔“ حمید نے لہک کر پوچھا۔

”...چلو اٹھو...... مجھے بڑی تشویش ہے۔“

...روزا کی خواب گاہ کے قریب پہنچ کر رک گئے۔

...ید نے دروازے پر دستک دی۔ لیکن اندر سے جواب نہ ملا۔

...ل کے سوراخ سے جھانک کر دیکھا۔ وہ سامنے مسہری پر چاروں خانے چت پڑی تھی۔ ...تکئے سے ڈھلک گئی تھی۔

”...ذرا دیکھئے۔“ حمید ایک طرف ہٹ کر قفل کے سوراخ کی جانب انگلی اٹھا کر بولا۔

...مرزا نے بھی جھانک کر دیکھا اور حمید کو اُس کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار نظر آئے۔

...ب ناصر مرزا زور سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔ حمید نے پھر قفل کے سوراخ سے آنکھ لگا دی۔

اس شور وغل کے باوجود بھی روزا کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

''یہ کیا مصیبت ہے۔'' ناصر مرزا بالآخر بے بسی سے بولا۔

''دروازہ کھولنے کی فکر کیجئے جناب...... حالات غیر معمولی ہیں۔ گہری سے گہری
سلسلہ بھی اس شور قیامت سے ٹوٹ جاتا۔''

''یعنی...... تت...... تت...... تو کیا......؟''

''کوئی رائے قائم کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔ دروازہ کھلوایئے۔''

''کوئی دوسری کنجی نہیں۔''

''اچھا تو ٹھہریئے۔'' حمید نے کہا اور کوٹ کی اندرونی جیب سے پرس نکالا۔ اس کے
خانے میں کئی نوکیلے اور باریک اوزار نظر آرہے تھے۔ حمید نے ایک اوزار منتخب کرتے
پوچھا۔ ''اجازت ہے؟''

''ہاں ہاں...... میاں جلدی کرو۔ خدا کرے کھل جائے۔''

حمید نے ذرا ہی سی دیر میں قفل کھول لیا۔

ناصر مرزا بڑے بیتابانہ انداز میں اندر داخل ہوا تھا۔ روزا اب بھی جوں کی توں پڑی نظر
قریب پہنچ کر ناصر نے اُسے جھنجھوڑا اور پھر آوازیں دیں۔ لیکن اس کی آنکھوں
پپوٹوں میں جنبش تک نہ ہوئی۔ سانس چل رہی تھی اور ہاتھ پیر ڈھیلے تھے۔

''کیپٹن حمید...... اب کیا کریں۔'' ناصر مرزا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''فوراً کسی اچھے ڈاکٹر کو طلب کیجئے۔'' حمید نے کہا اور متجسسانہ نظروں سے
طرف دیکھنے لگا۔

دفعتاً اُس نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑے اور روزا کے سرہانے جھک
تکیئے کے نیچے سرخ رنگ کی ایک شیشی جھانک رہی تھی۔ اُس نے اُسے نکال کر
لیبل پڑھا اور ناصر مرزا کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''یہ شیشی بالکل خالی ہے۔ اگر
نے اسے خالی کیا ہے تو جلدی کیجئے...... ورنہ اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کرنا چاہئے۔''

پھر بڑی بوکھلاہٹ کے عالم میں انہوں نے اُس کو ایک گاڑی میں ڈالا تھا اور قریبی
ہسپتال کی طرف روانہ ہوگئے تھے۔

''کیپٹن حمید پلیز......!'' ناصر مرزا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''اب میری عزت
تمہارے ہاتھ ہے۔''

''میں نہیں سمجھا جناب۔''

''یہ اقدام خودکشی کا کیس نہ بننے پائے۔''

''پھر آپ ڈاکٹر کو کس طرح مطمئن کریں گے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ سب کچھ تمہیں کرنا ہے۔''

''آپ نے مجھے دشواری میں ڈال دیا ہے۔'' حمید پرتشویش لہجے میں بولا۔



کرنل فریدی حمید کی کہانی بغور سنتا رہا۔ جب وہ لڑکی کو ہسپتال لے جانے والے حصے پر
پہنچا تو اُس نے اُسے ٹھہرنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''بس اب صرف اتنا بتا دو کہ وہ زندہ
ہے یا مرگئی۔''

''زندہ ہے...... لیکن ابھی تک ہوش میں نہیں آئی۔''

''بھلا تم ناصر مرزا کی مدد کیسے کرو گے۔''

''ہمتِ مرداں مددِ خدا۔''

''اوہ...... تو تم اسے اقدام خودکشی کا کیس نہیں بننے دو گے۔''

"ناصر مرزا بُری طرح گڑگڑا رہا تھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ وہ بہت اچھے موڈ میں ہے۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم فکر نہ کرو...... میں ڈاکٹر سعید کو اس پر آمادہ کرلوں گا کہ وہ اسے مرگی کے کیس کی حیثیت سے رجسٹر کرلے۔"

"تھینک یو باس......!" حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور پھر بولا۔ "آپ اتنے مہربان کیوں ہیں۔"

"ناصر مرزا کے گھرانے سے ہمارے قدیم تعلقات ہیں۔"

"آپ نے اُن دونوں کے بارے میں کیا معلوم کیا۔"

"باپ بیٹی۔ سفارت خانے کا آفیسر ہے۔ لڑکی اردو پڑھنے کی بے حد شائق ہے۔ مقتول آرتھر چیمپئن اُس کا کلاس فیلو رہ چکا ہے۔ دونوں میں گہری دوستی تھی۔"

"کیا اردو پڑھنے کے شوق کا تذکرہ بھی کوئی اہمیت رکھتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اردو میں تم مجھ سے زیادہ قابل ہو۔ ٹیوٹر کی حیثیت سے تمہارا تذکرہ کردیا ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"تم اُسے اردو پڑھاؤ گے۔"

"لیکن میں تو روزا......!"

"فکر نہ کرو......اگر وہ بچ بھی گئی تو کافی عرصہ تک بستر سے اٹھ بھی نہ سکے گی۔"

"کیوں......؟"

"جس خواب آور دوا کا تذکرہ تم نے کیا تھا وہ ایسی ہی ہے۔"

"کیا آپ کسی نتیجے پر پہنچے ہیں۔"

"ابھی تک تو ایسی کوئی بات نہیں۔"

"آپ کسی خاص نتیجے پر پہنچے بغیر......!"

"ختم بھی کرو۔" وہ اُس کی بات کاٹ کر بولا۔ "اب ہمیں سونا چاہئے۔ کتنی رات گزر گئی۔"

حمید نے بھی اس سارے کارنامے کو اپنے ذہن سے نکال دینے کی کوشش شروع کردی لیکن یہ اتنا آسان نہیں تھا کیونکہ اس کہانی میں ایک لڑکی کا مزید اضافہ ہوگیا تھا اور وہ اردو پڑھنے کی شائق تھی۔ اگر حمید نے اُسے دیکھا نہ ہوتا تو شائد اردو پڑھانے کا خود بھی اتنا شائق نظر نہ آتا کہ دیکھنے والے اُسے بے خوابی کا مریض سمجھ بیٹھتے۔ وہ اپنی خواب گاہ میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔

اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر ایک بار ڈائیل گھمایا۔

دوسری طرف سے ریسیور اٹھانے کی آواز آئی۔

"میر تقی میر نے پریشان کر رکھا ہے۔" حمید نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "میں اس وقت اردو پڑھانا چاہتا ہوں۔"

"سو جاؤ......" دوسری طرف سے فریدی کی بھرائی ہوئی آواز آئی۔ "بور مت کرو۔"

اور پھر سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سنائی دی۔ حمید نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور بستر پر بیٹھ کر سوچنے لگا۔ پتہ نہیں روزا کن حالات سے گزر رہی ہوگی۔

اُس نے ہسپتال فون کرکے اُس کے بارے میں معلوم کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

لیکن اب سوچ رہا تھا کہ کم از کم ناصر مرزا سے فون پر ضرور رابطہ قائم کرنا چاہئے۔

اُس نے گھر کی لائنوں کا پلگ فون سے نکال کر ڈائریکٹ لائن کا پلگ لگا دیا اور ناصر مرزا کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا تھا لیکن جواب دینے والے نے ناصر مرزا سے رابطہ قائم کرنے کے لئے کوئی اور نمبر بتایا تھا۔

حمید نے وہ نمبر بھی ڈائیل کئے اور ناصر مرزا کا نام لیا۔ کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔ "کون ہے۔"

"مسٹر ناصر مرزا۔"

"ہاں ہاں...... میں ہی بول رہا ہوں......تم کون ہو۔"

"کیپٹن حمید۔"

"اوہ..... زندہ باد پیارے..... زندہ باد..... میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں یہ سب کچھ نشے میں بک رہا ہوں۔ تم بہت پیارے آدمی ہو۔"

"روزا کا کیا حال ہے۔"

"وہ ہوش میں آ گئی ہے۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ اُسے پندرہ بیس دن تک آرام کرنا چاہئے۔ بستر سے بھی نہ ہلے اور سنو..... معاملہ مرگی کے دورے پر ٹل گیا ہے۔ واقعی تم حیرت انگیز ہو۔ ڈاکٹر نے مجھ سے کہا مرزا صاحب آپ فکر نہ کیجئے۔ اکثر مرگی کے دورے خطرناک بھی معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہوتا۔ کیپٹن حمید میں تمہارا شکر گزار ہوں۔"

"کرنل صاحب سے بھی آپ لوگوں کے بہت اچھے تعلقات ہیں۔"

"میں کمال سے نہیں کہنا چاہتا تھا..... پتہ نہیں کیوں اُس کے سامنے کسی معاملے میں بھی زبان نہیں کھلتی حالانکہ مجھ سے عمر میں بہت چھوٹا ہے۔"

"میرے لائق اور کوئی خدمت.....!"

"گھر پڑے کیا کر رہے ہو۔ یہاں آ جاؤ..... اس وقت میں اپنی بہشت میں ہوں۔ یہ جنت میرے والد حضور نے تعمیر کرائی تھی۔"

"پتہ بتایئے۔"

"رافیلہ منزل۔"

"وہ..... وہ..... آپ کی ہے..... اوہو..... عرصہ سے خواہش تھی، بڑے تذکرے سنے ہیں اُس کے۔"

"یہ جنت میرے والد حضور نے اپنی محبوبہ کے لئے تعمیر کرائی تھی۔ اُس وقت اس کا نام گل نسرین تھا۔ نسرین دراصل اُن کی محبوبہ کا نام تھا۔"

"آپ نے نام کیوں بدل دیا۔"

"بھئی نہ وہ خود رہے اور نہ وہ نسرین صاحبہ۔ میں نے کہا میں اب کیوں نہ اسے اپنی

نام سے منسوب کر دوں۔"

"تو یہ رافیلہ..... آپ کی۔"

"ہاں یہ میری محبوبہ ہے۔"

"بڑا عجیب سا نام ہے۔"

"نام ہی کی طرح وہ خود بھی عجیب ہے۔ تم باتوں میں وقت ضائع کر رہے ہو۔ آنا ہو تو آج کا پاسورڈ فرزین ہے۔"

"پاسورڈ.....!"

"ہاں..... ہاں..... تمہیں حیرت کیوں ہے۔ یہ جرم تو نہیں ہے کیپٹن حمید۔ میں نہیں یہاں ہر قسم کے لوگ پہنچ سکیں۔ لہٰذا میں نے داخلے کے لئے پاسورڈ سسٹم رکھا ہے اور یہاں تمہیں بہت اونچے اونچے لوگ ملیں گے اور تمہیں آگاہ کیا جاتا ہے کہ تم اُن سے کا سلوک کرو گے۔ رافیلہ منزل میں سب برابر ہیں۔"

"میں ابھی آیا۔" حمید نے کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

گھڑی ایک بجا رہی تھی۔ اُس نے بڑی تیزی سے لباس تبدیل کیا اور کمرے سے نکل راج کی طرف چل پڑا۔

کیڈی باہر ہی کھڑی ہوئی ملی۔ جیسے ہی اُس کے قریب پہنچا اندر سے آواز آئی۔

"ف رکھئے جناب۔"

حمید بھنا کر رہ گیا۔

"آپ میری کالیں ٹیپ کرتے ہیں۔" وہ پھاڑ کھانے کے انداز میں بولا۔

"میری خوش قسمتی ہے کہ آج کا پاسورڈ اس طرح معلوم ہو گیا۔" فریدی نے پرسکون لہجے ہا۔ "آپ ہی کی طرح مجھے بھی رافیلہ منزل دیکھنے کا عرصہ سے اشتیاق تھا۔ بیٹھ بیٹھ جایئے۔"

"اب تو ہرگز نہ جاؤں گا۔"

''ضد نہ کرو...... وہاں تنہا جانے کا میرے پاس کوئی جواز نہیں۔ ورنہ......!''

حمید نے اس کے برابر بیٹھنے کی بجائے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور دھم سے بیٹھ گیا۔

گاڑی پھاٹک سے گزرتی چلی گئی۔ حمید کا غصہ ابھی تک فرو نہیں ہوا تھا۔ بس یہ سوچے جا رہا تھا کہ فریدی نے اُس کی پرائیویٹ کال کیوں سنی۔

''دماغ ٹھنڈا ہوا یا نہیں۔'' اگلی سیٹ سے فریدی کی آواز آئی۔

''آخر اس کا مطلب کیا ہے۔''

''کوئی نہ کوئی مطلب تو ضرور رہا ہوگا۔ کیونکہ میں تمہاری طرح وقت ضائع کرنے کا عادی نہیں۔''

اس بار فریدی کے لہجے کی سنجیدگی نے اُسے آہستہ آہستہ ٹھنڈا کر دیا لیکن وہ سختی سے ہونٹ پر ہونٹ جمائے خاموش بیٹھا رہا۔

''بولتے رہو...... ورنہ مضمحل ہو جاؤ گے۔'' فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''بُرا ماننے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہاری کم از کم ایک کال ضرور ٹیپ کرنا چاہتا تھا اور وہ کال ناصر مرزا کیلئے ہوتی۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی بھی خاموش ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے کہا۔ ''آپ صرف پاسورڈ معلوم کرنا چاہتے تھے۔''

''ہاں......!''

''کیا آپ براہِ راست ناصر مرزا سے نہیں معلوم کر سکتے۔ کیا آپ اُس سے خواہش نہیں ظاہر کر سکتے تھے کہ آپ اُس جنت کو دیکھنا چاہتے ہیں جو اُسکے باپ نے اپنی محبوبہ کیلئے بنوائی تھی۔''

''نشے میں بکواس کر رہا تھا یہ عمارت اُسی نے بنوائی ہے۔''

''بہر حال آپ اُس کی اجازت سے وہاں جا سکتے تھے۔''

''بکواس مت کرو۔ جو میں مناسب سمجھتا ہوں کرتا ہوں۔''

رافیلہ منزل ایک بہت بڑی عمارت تھی۔ کئی ایکڑ کے رقبے میں ایسی ہی چہار دیواری سے گھری ہوئی عمارت جیسی قدیم زمانے کے قلعوں کے گرد تعمیر کی جاتی تھیں۔

داخلے کا پھاٹک بھی خاصے تزک و احتشام کا مظہر تھا۔ دو باوردی اور مسلح سنتری ہر وقت پہرے پر رہا کرتے۔

فریدی نے پھاٹک کے سامنے گاڑی روکی۔ ایک سنتری اُن کے قریب آیا۔

حمید نے کھڑکی سے منہ نکال کر پاسورڈ دہرایا۔

''کیپٹن حمید سر......!'' سنتری نے پوچھا۔

''کرنل فریدی اینڈ کیپٹن حمید۔'' حمید بولا۔

''صرف کیپٹن حمید جناب۔ ہمیں آپ کے لئے ہدایت ملی ہے۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔'' حمید کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

دفعتاً فریدی اُس کی طرف مڑ کر بولا۔ ''نہیں ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ میں یہاں تمہارا انتظار کروں گا۔''

حمید نے اُسکے لہجے میں کوئی خاص بات محسوس کی لیکن فوری طور پر اُسے معنی نہ پہنا سکا۔ وہ چپ چاپ گاڑی سے اُتر گیا۔ پھر اُسی سنتری کی رہنمائی میں وہ پھاٹک سے گزر رہا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے مغل طرز کے کسی باغ میں قدم رکھا ہو۔

سنتری کی حد ختم ہو چکی تھی اور اب ایک مرصع لباس خادم اس کی رہنمائی کر رہا تھا۔ حمید کا خیال تھا کہ ناصر مرزا نے اُس کی آسانی کے لئے اُس خادم کو وہاں بھیجا ہوگا۔

اس طویل و عریض چہار دیواری کے اندر جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی خوبصورت عمارتیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ روشنی کا ایسا اچھا انتظام تھا کہ شائد ہی وہاں کا کوئی گوشہ تاریک رہا ہو۔

چاروں طرف سرسبز قطعات کے درمیان سرخ بجری والی روشوں کے جال بچھے نظر آ رہے تھے۔ خادم اُسے درختوں کے ایک جھنڈ سے گزارتا ہوا ایسی جگہ لایا کہ اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

یہ ایک چھوٹی سی مصنوعی جھیل تھی۔ جس میں کئی خوبصورت کشتیاں تیر رہی تھیں۔ پوری جھیل پر ایسی روشنی تھی کہ دن کا گمان گزرتا تھا۔

خادم اُسے کنارے سے لگی ہوئی ایک کشتی کے قریب لایا۔ اُس کشتی میں ناصر مرزا تنہا تھا۔ اُس کے قریب سرخ رنگ کی ایک بڑی سی بلی بیٹھی ہوئی تھی۔

''آؤ...... آؤ...... میرے دوست...... میں تمہارا منتظر تھا۔'' ناصر مرزا نے اپنی نشے میں ڈوبی ہوئی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

حمید کشتی میں اُتر گیا۔ وہ اُس کے بوجھ سے ڈولی تھی۔ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے حمید نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

خادم اب مؤدبانہ انداز میں خشکی پر کھڑا تھا۔

''چلو......!'' ناصر مرزا نے اس کی طرف ہاتھ ہلا کر کہا اور وہ کشتی میں آ کر بیٹھا۔ چپو سنبھال لئے۔ کشتی آہستہ آہستہ گہرے پانی میں تیر گئی۔

حمید نے ناصر مرزا کو بتایا کہ فریدی باہر موجود ہے۔

''بن بلائے مہمانوں کو برداشت کرنا میرے بس سے باہر ہے کیپٹن حمید۔'' ناصر مرزا کا لہجہ خشک تھا۔

ایسی بے مروتی کی توقع حمید کو نہیں تھی۔ وہ تو سمجھا تھا کہ فریدی کا نام سنتے ہی ناصر مرزا خود ہی استقبال کے لئے دوڑا جائے گا۔

کشتی آہستہ آہستہ تیرتی رہی۔ دوسری کشتیوں پر بھی لوگ نظر آ رہے تھے۔ اُن میں سے بیشتر حمید کے لئے اجنبی نہیں تھے۔ کوئی کسی وزارت کا سیکریٹری تھا کوئی کسی محکمہ کا ڈائریکٹر جنرل۔ کچھ غیر ملکی بھی دکھائی دیئے۔

''تم کون سی پیتے ہو کیپٹن......!'' ناصر مرزا نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا اور حمید کے جواب پر حیرت زدہ نظر آنے لگا۔ کچھ اس طرح اُسے دیکھے جا رہا تھا جیسے اچانک اُس کے دم نکل آئی ہو۔

دفعتاً چاروں طرف تیز قسم کی موسیقی گونجنے لگی۔ الیکٹرک گیٹار پر بڑی خوشگوار دھن چھیڑ دی گئی تھی۔

ناصر مرزا اپنی سرخ رنگ کی بلی کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''اس رنگ کی بلی میرے لئے عجوبہ ہے۔'' حمید بولا۔

''یہ رافیلہ ہے۔''

''رافیلہ...... یعنی کہ......!''

''ہاں اسی کے نام سے منسوب ہے یہ جگہ۔''

''لیکن آپ نے تو......!''

ناصر مرزا کے قہقہے نے اُسے جملہ پورا نہ کرنے دیا۔

''کیپٹن حمید...... یہی ہے میری محبوبہ۔''

''کہیں کوئی سبز رنگ کی ملے تو مجھے بھی دلوا دیجئے۔''

''اس کی عادت ہے کہ وقت ضرورت اپنی کھال بدل دیتی ہے۔ ہوسکتا ہے کبھی تم اسے ز رنگ میں بھی دیکھو۔''

حمید محسوس کر رہا تھا کہ اس وقت وہ ایک بے فکرے کے سے انداز میں گفتگو کر رہا ہے۔ بد نے روزا کا ذکر چھیڑنا چاہا لیکن ناصر مرزا ہاتھ اٹھا کر بولا ''غیر ضروری باتیں نہیں۔ اس ن میں سب کچھ بھلا دیا جاتا ہے۔ تم بھی یہ نہ سوچو کہ فریدی اس وقت پھاٹک پر کھڑا احمقوں طرح سر کھجا رہا ہوگا۔''

''آپ کی کشتی میں کوئی لڑکی نہیں ہے۔ حالانکہ دوسری کشتیوں میں نظر آ رہی ہیں۔''

''میری محبوبہ کسی عورت کا وجود برداشت نہیں کر سکتی۔''

''تو آپ اپنی کشتی پر تنہا ہوتے ہیں۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ میں تنہا کب تھا۔ رافیلہ تھی میرے ساتھ۔''

''فلمی گانوں کی نقل اتار سکتی ہے یا نہیں۔''

''کیا تم میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''چھلانگ لگا دوں گا کشتی سے اگر آپ نے میری نیت پر شبہ کیا۔ میں نے اتنی محبت آج

تک اور کسی سے نہیں محسوس کی جتنی آپ سے کر رہا ہوں۔''

ناصر مرزا نے اس طرح اس کی طرف دیکھا جیسے اپنے کانوں پر یقین نہ ہو۔

موسیقی کی دھن بدل گئی تھی۔ غالباً چا چا قسم کی کوئی پرشور موسیقی تھی اور اب اس میں مزید کئی ساز شامل ہو گئے تھے۔

''آپ کا آرکسٹرا بھی شاندار ہے۔'' حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

''سب کچھ شاندار ہے لیکن کسی طرح بھی سکون قلب حاصل نہیں۔''

''آپ بلی بدل دیجئے۔ کتنے عرصہ سے ہے آپ کے پاس۔''

''تم سے مطلب......!'' ناصر مرزا جھنجھلا گیا۔

''آپ کے بھلے کو کہہ رہا تھا۔ آپ بگڑ گئے۔''

''بور مت کرو کیپٹن حمید۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کی نظر قریب سے گزرنے والی ایک کشتی پر پڑ گئی تھی اور اس نے متحیرانہ انداز میں اپنے ہونٹ سکوڑے تھے۔ اُسے اس کشتی میں وہی لڑکی دکھائی دی تھی جس کے متعلق فریدی نے اُسے بتایا تھا کہ وہ اردو پڑھنا چاہتی ہے۔

اُس نے سوچا کیا آرتھر کی موت میں ناصر مرزا ہی کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ ناصر مرزا روزا کی نگرانی کرتا تھا اور روزا اُس سے پیچھا چھڑانے کے لئے پبلک مقامات پر بھی ایسی حرکتیں کر گزرتی تھی جو اُس کے شایان شان نہیں تھیں۔

آرتھر سے غالباً وہ اُس کی لاعلمی میں ملتی تھی اور آرتھر ہائی سرکل کے منیجر سے اُس کے بارے میں معلومات حاصل کرتا تھا۔

''وہ لڑکی مجھے گھور رہی ہے۔'' دفعتاً حمید نے خوفزدہ لہجے میں ناصر مرزا سے کہا۔

''کون لڑکی......!'' ناصر مرزا چونک پڑا۔

حمید نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہ......وہ......کلارا ہے۔''

''بڑی واہیات کلارا ہے۔ پچھلے سال میں نے ایک کلارا دیکھی تھی وہ تو ایسی نہیں تھی۔''

ناصر مرزا اپنی بلی کو گھورے جا رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اُس پر کلارا کے تذکرے کا اثر دیکھنا چاہتا ہو۔

اتنے میں وہ کشتی قریب آ گئی حمید نے اُس غیر ملکی کو بھی پہچانا جو اُس لڑکی کے بعد آرتھر کے کیبن میں داخل ہوا تھا۔

''ہلو مرزا......!'' غیر ملکی نے ناصر مرزا کو مخاطب کیا۔

''ہیلو......ڈیل۔''

''تم کچھ بجھے بجھے سے نظر آ رہے ہو۔''

''نہیں ایسا تو نہیں۔ ایک بہت زندہ دل آدمی میرے پاس موجود ہے۔''

بوڑھا بھی حمید کی طرف دیکھنے لگا پھر بولا۔ ''کچھ جانی پہچانی سی شکل ہے۔''

''یہی تو خاص بات ہے اس شکل میں۔'' حمید نے مسکرا کر کہا اور جیب سے تمباکو کی پاؤچ نکال کر پائپ بھرنے لگا۔

دونوں کشتیاں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ دفعتاً لڑکی نے ناصر مرزا سے کہا۔ ''اس زندہ دل آدمی کو ہمارے پاس بھیج دو۔ ہم بور ہو رہے ہیں۔''

''اگر اس شریف آدمی کو کوئی اعتراض نہ ہو۔'' ناصر مرزا حمید کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ حمید پائپ سلگا رہا تھا۔

''مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ مرزا صاحب۔'' حمید نے ہونٹوں سے پائپ نکال کر کہا۔ ''خوشی ہوگی اگر آپ کے مہمانوں کو انٹرٹین کر سکوں۔''

ناصر مرزا کے اشارے پر خادم نے کشتی دوسری کشتی سے ملا دی اور حمید اُس پر اُتر گیا۔

''خوش آمدید۔'' لڑکی مسکرائی۔

''شکریہ۔'' حمید نے معمر آدمی کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کیپٹن ساجد حمید۔''

"روپن ڈیل......اور یہ کلارا ڈیل ہے......میری بیٹی۔ ہم غالباً پہلے بھی مل چکے ہیں۔"

"ہاں......!" حمید نے ناصر مرزا کی کشتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جواب اُن سے کافی فاصلے پر تھی۔

"لیکن یہ یاد نہیں آرہا کہ کہاں دیکھا تھا۔"

"دن کی بات ہے۔ ہم آرتھر چیمپئن کے مکان پر ملے تھے لیکن اُس وقت وہاں اُس کی لاش موجود نہیں تھی۔"

"اوہ......خدا کی پناہ......یہ ذکر کیوں نکل آیا۔" ڈیل نے کلارا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کوئی بات نہیں ڈیڈی۔" کلارا نے ٹھنڈی سانس لی۔ "وہ میرا بڑا اچھا دوست تھا۔ وقتاً فوقتاً یاد آتا ہی رہے گا۔"

"مجھے بے حد افسوس ہے۔" حمید نے اپنے چہرے پر غمناک تاثر پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"اُوہ......نہیں......بھول جاؤ۔ میں ہنسنا چاہتی ہوں۔" لڑکی جلدی سے بولی۔

"تمہارے ساتھ جو آفیسر تھا۔"

"وہ میرا چیف تھا۔"

"بہت نرم دل اور مہربان آدمی ہے۔ بڑا عجیب تھا وہ......!"

حمید کباب ہو کر رہ گیا۔ کچھ بولا نہیں۔

دفعتاً بوڑھے نے کہا۔ "میں تو اب تھک گیا ہوں۔"

"میں ابھی کچھ دیر اور جھیل میں رہنا چاہتی ہوں۔" کلارا نے کہا۔

"میں بار میں بیٹھوں گا......تم وہیں آجانا۔"

کشتی کنارے جا لگی۔ بوڑھا اُتر گیا۔ اب حمید اور لڑکی تنہا رہ گئے۔ کشتی کھینے والا تو ایسا لگ رہا تھا جیسے گونگا اور بہرا ہو۔

"یہاں کی پولیس بڑی شائستہ ہے۔ تمہارے چیف نے مجھ سے کچھ بھی تو نہیں پوچھا۔" کلارا بولی۔

"میں نے بھی تو کچھ نہیں پوچھا۔"

"ہاں......تم نے بھی نہیں پوچھا۔"

"پھر تم چیف ہی کی تعریفیں کیوں کئے جا رہی ہو۔"

"تمہیں تو میں ابھی جانتی ہی نہیں۔"

"اور اُسے کتنے سال سے جانتی ہو۔"

"اوہ کیا بتاؤں......بڑی عجیب شخصیت تھی۔ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُسے سالہا سال سے جانتی ہوں۔ زندگی کے ہر موڑ پر وہ مجھے نظر آیا ہو۔"

"پلیز......مس ڈیل......بس......!"

"کیا مطلب......؟"

"جہاں اُس شخص کا تذکرہ ہوتا ہے وہیں آدھمکتا ہے اور میں اس وقت اُس کی موجودگی قطعی پسند نہ کروں گا۔"

"آخر کیوں......؟"

"وہ عورتوں سے ڈرتا ہے اور مجھے بھی ڈراتا رہتا ہے۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"ارے ابھی پچھلے ہی سال کی بات ہے ایک عورت نے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ تو سے گرے اور بیہوش ہو گئے۔ تین دن ہسپتال میں پڑے رہے تھے۔"

کلارا ہنس پڑی اور پھر اُسے منہ چڑھا کر بولی۔ "اوہ تم بڑے جیالے ہو۔"

"اس میں کوئی شبہ نہیں۔ دیکھو تم سے کتنے مزے سے گفتگو کر رہا ہوں۔ ہکلایا ہوں ایک بار بھی؟"

"اوہ تو کیا تمہارا چیف......!"

"عورتوں سے گفتگو کرتے وقت بُری طرح ہکلاتا ہے اور تم سمجھ رہی ہو کہ از راہ مہربانی تم سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔"

"اچھا بس ختم کرو۔ اب میں تمہارے بارے میں گفتگو کروں گی۔"

نہ جانے کیوں حمید کو جھرجھری سی آئی۔ وہ یک بیک سنجیدہ ہوگیا۔ اُس نے سوچا کیوں نہ کام کی باتیں کی جائیں۔

روزا اُس کے ذہن میں کھٹک رہی تھی۔ اُس نے سوچا ممکن ہے کہ یہ لڑکی اس کے بارے میں کچھ بتا سکے۔

"مرزا کے دوست عجیب وغریب ہیں۔" کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔

"کیوں؟ ہم میں کون سی عجیب بات نظر آئی۔" لڑکی چونک کر بولی۔

"تمہاری بات نہیں۔ مرزا کے ساتھ میں نے ایک عجیب وغریب لڑکی دیکھی ہے۔"

"اوہ سمجھی...... وہ اپ سائیڈ اون......!"

"ہے نا عجیب...... ادھر غصہ آیا اور اُدھر وہ سر کے بل کھڑی ہوگئی۔ اکثر لوگوں کی زبانی اس کے حسن کی بھی تعریف سنی ہے۔ لیکن کیا تم اُسے حسین کہہ سکتی ہو۔"

"پتہ نہیں...... میں نے اُسے کم ہی دیکھا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اُس سے کہیں زیادہ حسین ہو۔ جب تم ہنستی ہو تو تمہارے گالوں میں خفیف سے گڑھے پڑ جاتے ہیں۔ بالکل ایسا لگتا ہے جیسے کوئی فاختہ پُھر سے اڑ گئی ہو۔"

"بڑی عجیب تشبیہ ہے۔"

"تشبیہات کا بادشاہ ہوں۔ لیکن کیا وہ لڑکی پاگل نہیں ہے۔"

"تم نے اس لڑکی کا ذکر کیوں نکالا ہے۔"

"مرزا اُس کی وجہ سے بہت نروس رہتا ہے۔"

"اُس کے کسی دوست کی لڑکی ہے۔" کلارا بولی۔

"آج میں نے اُسے ہائی سرکل میں سر کے بل کھڑے دیکھا تھا۔"

"میں کہتی ہوں کیا تم اُسی کے تذکرے کے لئے اس کشتی پر آئے تھے۔"

"میں معافی چاہتا ہوں مس ڈیل۔ دراصل ہماری زندگیاں بوریتوں ہی میں بسر ہوتی

نمبر 34

میں ڈر رہا تھا کہ کہیں آرتھر چیمپین کا ذکر نہ نکل آئے۔ اسی لئے ادھر اُدھر کی ہانک رہا
جب تک چیمپین کا قاتل ہاتھ نہ آجائے ہمارے ذہن الجھے رہیں گے۔"

"اوہو...... کیا وہ ہارٹ فیلیور کا کیس نہیں ہوسکتا۔"

"نہیں مس ڈیل...... پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق اُس کی گردن کی ہڈی توڑی گئی
کسی اچانک حادثہ کی بناء پر اُس کی موت واقع نہیں ہوئی۔"

"یہ بڑی حیرت انگیز بات ہے کیپٹن۔ میں اُسے بچپن ہی سے جانتی تھی۔ وہ ایسا تو نہیں
کہ کوئی اُس کی گردن آسانی سے توڑ سکتا۔"

"تم اُس کے کسی دشمن سے واقف ہو۔"

"نہیں قطعی نہیں۔ وہ طاقت ور ضرور تھا لیکن جھگڑالو نہیں۔"

"یہاں وہ کب سے مقیم تھا۔"

"غالباً تین چار سال سے۔ مجھے تو معلوم بھی نہیں تھا کہ وہ یہاں ہے۔ ہم لوگ تو چار ماہ
ل یہاں پہنچے ہیں۔ بس اچانک ایک جگہ اُس سے ملاقات ہوگئی تھی۔"

"وہ کیا کرتا تھا۔"

"ٹیوب ویل لگانے والی ایک کمپنی میں انجینئر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ میں اُس کی
ت پر بے حد مغموم ہوں۔ بہت اچھا دوست تھا۔ ڈیڈی کو بھی گہرا صدمہ پہنچا ہے۔"



فریدی نے لنکن جہاں پارک کی تھی وہیں کھڑی رکھی۔ خود بھی اندر ہی بیٹھا سگار پیتا رہا۔
بلاک کے پہرے داروں کا رویہ غیر متعلقانہ تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اُس کی کار کی موجودگی اُن
کے لئے کوئی معنی نہ رکھتی ہو۔

گھڑی کی چھوٹی سوئی تین پر تھی اور بڑی سوئی بارہ پر۔ فریدی نے اُس پر اچٹتی ہوئی سی نظر ڈالی اور پھر پھاٹک کی طرف دیکھنے لگا۔

ٹھیک اُسی وقت ایک گاڑی پھاٹک سے برآمد ہو کر لنکن کی طرف بڑھتی چلی آئی اور قریب پہنچ کر اُس کے بریک چڑچڑائے۔ اُس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی پہلے ہی فریدی کے چہرے پر پڑی تھی اور اُس نے منہ پھیر لیا تھا۔

''کمال میاں۔'' گاڑی سے ناصر مرزا کی بھرائی ہوئی سی آواز آئی میں نے یہ جنت بے فکروں کیلئے تعمیر کی ہے۔ تم جیسے بااصول آدمیوں کیلئے نہیں۔ ویسے اگر اب تم اندر جانا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ تمہارا اسسٹنٹ اس وقت ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ جھیل میں تیر رہا ہے۔''

''عنایات کا شکریہ۔'' فریدی نے نرم لہجہ میں کہا۔ ''میں ضرور جاؤں گا۔''

''اور ہاں سنو...... کسی بڑی شخصیت سے مرعوب نہ ہونا۔ سینہ تان کر چلنا۔ میری جنت میں کوئی کسی سے افضل نہیں ہے۔ پاسورڈ دہراتے ہوئے گاڑی سمیت اندر چلے جاؤ۔''

اس کے بعد اُس کی گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی ایک طرف نکلی چلی گئی تھی۔

فریدی حسب ہدایت چہار دیواری کے اندر پہنچا۔ ایک جگہ بہت سی کاریں پارک تھیں۔ لنکن بھی وہیں کھڑی کر کے وہ ایک ایسی عمارت کی طرف بڑھا جہاں سب سے زیادہ روشنی نظر آ رہی تھی۔ قریب پہنچنے پر ٹوئسٹ کی موسیقی سنائی دی۔

یہ ایک بہت بڑا ہال تھا۔ یہاں متعدد جوڑے ٹوئسٹ کر رہے تھے۔

ہال کے ایک گوشے میں بار تھی جہاں کئی معمر لوگ اسٹولوں پر بیٹھے شراب پی رہے تھے۔

فریدی کو یہاں زیادہ تر جانی پہچانی صورتیں نظر آئیں۔ لیکن وہ خصوصیت سے کسی طرف متوجہ نہیں تھا۔

رقص کی موسیقی بتدریج تیز ہوتی جا رہی تھی اور رقاص جوڑے گویا آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ برقی قوت سے چلنے والی مشینوں میں تبدیل ہو گئے ہوں۔

ٹھیک اُسی وقت کیپٹن حمید بھی کلارا کے ساتھ ہال میں داخل ہوا اور وہ دونوں بھی رقاصوں

میں شامل ہو گئے اور اُسی رفتار سے شامل ہوئے جس رفتار سے اس وقت رقص جاری تھا۔

فریدی کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ نظر آئی۔

پھر موسیقی نقطہ عروج پر پہنچ کر تھم گئی۔ بالکل ایسا ہی محسوس ہوا جیسے زمین کی گردش رک گئی ہو۔ ایک پل کے لئے قبرستان کا سا سناٹا چھا گیا۔

پھر آہستہ آہستہ لوگ اونچی آوازوں میں گفتگو کرنے لگے۔

اور ٹھیک اسی وقت لاؤڈ سپیکر سے آواز آئی۔ ''کرنل فریدی پلیز...... آپ کی فون کال ہے۔''

فریدی بار کے کاؤنٹر کی طرف دیکھنے لگا۔ فون وہیں رکھا تھا اور غالباً مائیک بھی کاؤنٹر کے پیچھے تھا۔ ریسیور کاؤنٹر پر پڑا نظر آیا۔ فریدی جچے تلے قدموں سے چلتا ہوا کاؤنٹر کے قریب

''ہیلو...... فریدی اسپیکنگ......!'' اُس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

''میں ناصر مرزا ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''فرمایئے۔''

''یہ ناممکن ہے کہ کیپٹن حمید نے تمہیں روزا کے بارے میں نہ بتایا ہو۔''

''آپ کا خیال درست ہے۔''

''روزا ہسپتال میں نہیں ہے۔''

''اس کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں۔''

''ڈاکٹر نے کہا تھا کہ وہ کم از کم پندرہ دن تک بستر سے ہلے بھی نہیں۔''

''مجھے تفصیلات کا علم نہیں۔''

''ہسپتال میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں گئی۔''

''تو پھر......!''

''کیا کیپٹن حمید وہاں موجود ہے۔''

''جی ہاں۔''

”ذرا اُسے فون پر بلاؤ۔ میں اچھوں کے لئے اچھا ہوں اور بُروں کے لئے بُرا۔“

فریدی کی پیشانی پر شکنیں نظر آئیں اور اُس نے اچھا کہہ کر ریسیور کاؤنٹر پر ڈال دیا۔ پھر اُس آدمی سے حمید کو کال کرنے کے لئے کہا جو مائیک کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

حمید نے حیرت سے فریدی کو دیکھ کر کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی نے فون کی طرف اشارہ کیا۔ اُس کے چہرے پر پائے جانے والے آثار خوشگوار نہیں تھے۔

حمید نے کال ریسیور کی اور زیادہ تر حیرت کا اظہار کرتا رہا پھر غصیلے لہجے میں بولا۔ ”مرزا صاحب! میں کسی ایسی لڑکی پر نظر ڈالنا بھی اپنی توہین سمجھتا ہوں جس کا کوئی دعویدار پہلے سے موجود ہو۔“ اور اسی جملے کے اختتام پر اُس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

”خواہ مخواہ سر ہو رہا ہے یہ شخص۔“ وہ فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

فریدی دوسری طرف منہ پھیر کر سگار سلگانے لگا۔

”آپ سے کیا کہا تھا اُس نے؟“ اُس نے فریدی کو پھر مخاطب کیا۔

”اُس کے علاوہ اور بھی کچھ کہہ دیا تھا کہ اُسکے غائب ہو جانے کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔“

”ہاں مردود کہتا ہے کہ تم نے اُسے بلیک میل کر کے کہیں اور پہنچا دیا ہے۔“

”بس تو پھر صفائی پیش کرنے کی تیاری کرو۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

”صفائی......ضرور......اُس کے سر پر جو تھوڑے سے بال باقی بچے ہیں اُن کے لئے بار بر تک کہلانے کو تیار ہوں۔“

”بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ ذرا اپنے آس پاس کی بھیڑ کا بھی جائزہ لینے کی کوشش کرو۔ یہ کون لوگ ہیں۔“

”بہت اونچے اونچے لوگ۔“ حمید حقارت آمیز لہجے میں بولا۔ ”آپ بھی بہت بڑے آدمی ہیں۔ لیکن میں کیا اور کیا میری بساط۔ جس کے سر پر کہئے پانچ جوتے رسید کر کے پھانسی پر چڑھ جاؤں۔“

”اب چلو یہاں سے۔“ فریدی اُس کا بازو پکڑ کر دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

تھوڑے ہی فاصلے پر کلارا نے اُن کا راستہ روک لیا۔

”اوہو......آپ بھی ہیں یہاں۔“ اُس نے فریدی کو مخاطب کر کے اس اچانک ملاقات پر اظہار مسرت کیا۔ فریدی بھی چند رسمی جملے ادا کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

حمید کا بازو اب بھی اُس کی گرفت میں تھا۔ وہ عمارت سے نکل آئے۔

”آپ نے بداخلاقی کا ثبوت دیا ہے۔“ حمید بڑبڑایا۔

”چلتے رہو خاموشی سے......اگر وہ ہسپتال سے غائب ہو گئی ہے تو اُس کی زندگی خطرے میں ہو گی۔“

”جہنم میں جائے۔“

”لیکن تم تو نکلو اس جنت سے۔“

”آپ اندر آئے کیسے؟“

”ناصر مرزا کی اجازت سے۔“

”مجھ سے تو صاف انکار کر دیا تھا کہہ رہا تھا کہ بن بلائے مہمان اُس کے لئے ناقابل برداشت ہوتے ہیں۔ آخر یہ کس قسم کے خاندانی تعلقات ہیں۔“

”مجرم اور قانون کے محافظ ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔“

”نئی اطلاع ہے۔“ حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

”دونوں ہی آدم کی اولاد ہیں......بیٹے۔“

”تو کیا آپ کا خیال ہے کہ آرتھر کے کیس میں مرزا ہی کا ہاتھ ہے۔“

”ہوسکتا ہے......کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اُسے دونوں کا چھپ کر ملنا پسند نہ رہا ہو اور ہوسکتا ہے کہ خود وہی روزا کی گمشدگی کا بھی ذمہ دار ہو۔“

وہ لنکن میں آ بیٹھے۔ حمید کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ جب لنکن چہار دیواری کے پھاٹک سے گزر رہی تھی وہ چونک کر بولا۔ ”کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ ہی نے اُسے غائب کرا دیا ہو۔“

”بہت دور کی کوڑی لائے ہو لیکن غلط۔“ فریدی نے ونڈ اسکرین پر نظر جمائے ہوئے

کہا۔''میں نے صرف اتنا کیا ہے کہ تمہاری طرح غافل نہیں رہا۔''

''کیا مطلب......؟''

''وہ جہاں بھی لے جائی گئی ہوگی کچھ دیر بعد مجھے اس کا علم ہو جائے گا۔''

''اُوہ......تو آپ اس کی نگرانی کراتے رہے ہیں۔''

''یقیناً...... مجھے سوچنا پڑا تھا کہ اُس نے خودکشی کی کوشش کیوں کی؟''

''اکثر محبت کرنے والے محبوب کی موت نہیں برداشت کر سکتے۔''

''کہانیاں ہیں فرزند...... جب ایک ماں جوان بیٹے کی موت کے بعد بھی زندہ رہ سکتی ہے تو یہ سب کچھ قطعی بکواس ہے۔''

''بہتیرے واقعات ہیں۔''

''موت کے واقعات ہوں گے وہ صرف جدائی کے قصے ہوتے ہیں۔ اگر تمہاری محبوبہ تم سے جدا ہوکر کسی اور کے پہلو میں پہنچ جائے تو تم یقیناً خودکشی کرلو گے۔ لیکن وہ محبت نہیں ہوگی۔ وہ تو تمہیں لگے گی تمہاری مردانگی.....کو تمہاری انا مجروح ہوگی اور غیرت خودکشی پر آمادہ کردے گی۔''

''میں اس وقت لیکچر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''تو پھر ایسی غیر سائنٹیفک بکواس نہ کرو۔''

''مجھے نیند آرہی ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ لنکن سنسان سڑکوں پر تیز رفتاری کے مظاہرے کرتی ہوئی بالآخر ایک عمارت کے سامنے آکر رکی اور فریدی نے حمید کو جھنجھوڑا۔

''آپ...... آپ...... اپنی خواب گاہ میں تشریف لے جایئے۔'' حمید نے چونک کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔''میں گاڑی ہی میں سو جاؤں گا۔''

''آنکھیں کھولو......ہم گھر میں نہیں ہیں......دودھ پیتے بچے؟''

حمید بوکھلا کر سیدھا ہوگیا۔ چند لمحے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتا رہا پھر

آواز میں بولا۔''واقعی میں بہت احمق ہوں۔''

''چلو اعتراف تو کیا تم نے......اُترو......!''

''اب صرف یہ بتا دیجئے کہ آپ نے میری کال کیسے ٹیپ کی تھی۔ جب کہ میں نے لائن کا پلگ انسٹرومنٹ سے نکال دیا تھا۔''

''بہت دیر سے چونکے۔'' وہ اُسے نیچے اُترنے کے لئے دھکیلتا ہوا بولا۔''ساری ہی بتانے کی نہیں ہوا کرتیں۔ اگر ایسا نہ کروں تو تم پتہ نہیں کب اور کہاں غرق ہو جاؤ۔''

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے گاڑی سے اُتر گیا۔

''سامنے والی عمارت کے برآمدے میں جاؤ۔'' فریدی کہہ رہا تھا۔''دروازے کی چوکھٹ گھنٹیوں کے پش سوئچ ہیں جن کے پش بٹن مختلف رنگوں کے ہیں۔ سرخ رنگ والے پش کو تین بار دبا کر انتظار کرنا۔''

''مجھے وہاں چھوڑ کر کھسک تو نہیں جائیں گے۔''

''اندر سے کوئی آئے گا تم صرف ''ہارڈ اسٹون'' کہہ کر واپس چلے آنا۔''

''اگر وہ کوئی کتا ہوا اور اُس نے میری ٹانگ پکڑ لی تو کیا ہوگا۔''

''وقت نہ ضائع کرو۔''

حمید عمارت کے برآمدے میں آیا۔ سرخ رنگ کے پش سوئچ کو تین بار استعمال کرنے بعد اندر سے کسی کی آمد کا منتظر رہا۔

جلد ہی دروازہ کھلا اور حمید نے دروازہ کھولنے والے کی شکل دیکھے بغیر بھرائی ہوئی آواز کہا۔''ہارڈ اسٹون'' اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

گاڑی پر بیٹھتے وقت اُس نے محسوس کیا کہ کوئی اور بھی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہے لیکن نہ نے کیوں اُس کا رویہ کچھ ایسا ہو رہا تھا کہ جیسے مڑ کر دیکھے گا تو پتھر کا ہوکر رہ جائے گا۔

فریدی نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔''کیا خبر ہے۔''

پچھلی سیٹ سے کھنکارنے کی آواز آئی۔ لیکن حمید نے اب بھی مڑ کر نہ دیکھا۔

"جناب عالی......!" پچھلی سیٹ سے کسی نے کہنا شروع کیا۔ "انہوں نے نگراں نرس کو
بھاری رشوت دی تھی۔ لہٰذا نرس کی مدد سے وہ اُسے نکال لے گئے اور جناب عالی اُسی عمارت
میں جس کی نگرانی ہم دو ماہ سے کرتے رہے ہیں۔"

"اوہ......!" فریدی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

کار کی رفتار تیز نہیں تھی۔ حمید نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"فی الحال اُس عمارت میں کتنے آدمی ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"تین......لڑکی سمیت چار۔"

"کوئی عورت بھی ہے۔"

"جی ہاں دو عورتیں......ایک مرد......اور وہ لڑکی۔"

"غیر ملکی ہیں؟"

"عورتیں غیر ملکی ہیں۔ مرد دیسی۔ لیکن جناب عالی وہ پورا دیو ہے۔ ایسی جسامت کا
آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اُن کی رکھوالی کے لئے وہاں
رکھا گیا ہے۔ اور......اور......!"

"ہوں......کہو خاموش کیوں ہوگئے۔"

"وہ کسی شکاری کتے کی سی قوت شامہ رکھتا ہے۔"

"تم نے پہلے ایسے کسی آدمی کی اطلاع نہیں دی۔" فریدی بولا۔

"جناب عالی......وہ پچھلی دوپہر کو پہلی بار وہاں دیکھا ہے۔"

"کیا خیال ہے۔ لڑکی کی زندگی خطرے میں ہے۔" فریدی نے سوال کیا۔

"کچھ کہا نہیں جاسکتا جناب عالی۔ لڑکی کے وہاں پہنچنے کے بعد سے ہم اپنے بنائے
ہوئے راستے کے ذریعہ عمارت تک نہیں پہنچ سکے۔"

"کیوں؟"

"وہی دیوزاد جناب۔ اس طرح عمارت سے باہر آتا تھا جیسے ہماری بو سونگھ لی ہو۔ عجب

بت ناک آنکھیں ہیں۔"

فریدی چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "صبح ہونے سے پہلے اُس لڑکی کو عمارت سے برآمد
کرلینا ہے۔"

پچھلی نشست پر بیٹھا ہوا آدمی کچھ نہ بولا۔

شائد حمید کی نیند غائب ہوچکی تھی۔ لیکن اُس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ رکھے تھے۔
غالباً زبان ہلانے کی ضرورت نہیں محسوس کررہا تھا۔ ہورہے گا جو کچھ ہونا ہے۔ اُسکی بلا سے۔

کچھ دیر بعد فریدی نے اُسے ٹھوکا۔ "کیا سوگئے۔"

"جی نہیں......صبح سات بجے سو کر کیا کروں گا۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"ویسے کیا آپ کو یقین ہے کہ ان لوگوں نے اُسے زندہ چھوڑا ہوگا۔ اگر وہ اُسے کسی راز
کی پردہ پوشی کی خاطر لے گئے ہیں تو میری دانست میں اس کا امکان نہیں۔"

"سب کچھ ممکن ہے۔"

"تو میں یہ عرض کروں گا کہ آپ کی غفلت پر اُس کی موت کی ذمہ داری ہوگی۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

"سوچتے ہی رہیں گے یا کچھ کرنے کا بھی ارادہ ہے۔"

"شائد تم پھر اونگھنے لگے۔"

"بائیں جانب موڑیئے جناب۔" پچھلی سیٹ سے آواز آئی۔

فریدی نے گاڑی بائیں طرف موڑ دی۔

"ہم کہاں جارہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"پھر اونگھنے لگے تم......کیا روزا کی لاش برآمد نہیں کروگے اُس عمارت سے۔"

حمید بھنا کر رہ گیا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ کسی لڑکی کے بارے میں ایسا بے دردانہ اظہار
خیال اُسے اچھا نہیں لگا تھا۔

"حلقے کے تھانے میں ہسپتال سے اُس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرادی گئی ہے یا

نہیں۔'' فریدی نے پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے اجنبی کو مخاطب کیا۔

''جی ہاں......آپ کی تشریف آوری سے صرف بیس منٹ پہلے مجھے اطلاع ملی تھی کہ ناصر مرزا نے ہسپتال سے اُس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی تھی۔''

''ٹھیک......میں ابھی اس کی تصدیق کئے لیتا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور ایک دوا فروش کی دوکان کے سامنے گاڑی روک دی۔

آس پاس کے چھوٹے موٹے چائے خانے کھل گئے تھے اور میڈیکل اسٹور تو رات بھر ہی کھلے رہتے تھے۔ اُس نے میڈیکل اسٹور سے فون کر کے متعلقہ تھانے سے ناصر مرزا کی رپورٹ کے بارے میں تصدیق کی اور پھر گاڑی میں آ بیٹھا۔

اس بار گاڑی دیر تک نہیں چلتی رہی تھی۔ موڈل کالونی کی سڑک پر اُسے روکا گیا۔

''یہیں رکنا مناسب تھا۔'' پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے اجنبی نے کہا۔

فریدی نے پھر حمید کو ٹہوکا دیا ''اترو......!''

گاڑی وہیں چھوڑ کر وہ ایک طرف چل پڑے۔ اجنبی آگے چل رہا تھا۔ یہاں حمید نے اچھی طرح اس کی شکل دیکھی۔ لیکن یہ یاد نہ آیا کہ پہلے بھی کبھی اُسے دیکھا ہو۔

اُس نے سوچا ممکن ہے بلیک فورس کا کوئی ممبر ہو۔

وہ کالونی کے اُس حصے میں آ پہنچے جہاں عمارتیں ایک دوسری سے کسی قدر فاصلے پر واقع تھیں اور بہت زیادہ دولت مند لوگ ان میں آباد تھے۔

''اب ادھر بائیں جانب سے نکل چلئے جناب۔'' اجنبی بولا۔ ''میں آپ کو اُسی طرف لے چلوں گا جدھر سے عمارت میں داخلہ ممکن ہے۔''

''کیا تم نے ''البرٹو'' کے اندر سے کوئی راستہ بتایا ہے۔''

''جی ہاں۔''

''البرٹو نام کے شبانہ کلب سے حمید بھی واقف تھا۔ لیکن کبھی وہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔''

وہ اُس کے گیٹ میں داخل ہو ہی رہے تھے کہ فریدی نے دونوں ہاتھ پھیلا کر انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔

''پیچھے ہٹو......روشنی سے بچ کر۔''

وہ ایک طرف تاریکی میں سرک گئے۔

''کیا بات ہے۔'' حمید نے کسی قدر جھنجھلاہٹ کے ساتھ پوچھا۔ اُس کے ذہن پر پھر نیند کا غلبہ ہوا تھا۔

''کلارا ڈیل......!''

''کہاں......؟''

''برآمدے میں......ہم سے پہلے ہی پہنچ گئے یہ لوگ یہاں۔''

''تو کیا......؟''

''غیر ضروری باتیں نہیں۔'' فریدی آہستہ سے غرایا۔ پھر ہمراہی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ ''تمہیں یقین ہے کہ خود تمہارا تعاقب نہیں کیا جاتا رہا۔''

''ہم پوری طرح محتاط رہے ہیں جناب عالی اور اس وقت بھی میں نے خاص طور پر اس طرف دھیان دیا تھا۔''

''ہاں......مجھے علم ہے۔ اس وقت ہمارا تعاقب نہیں کیا گیا۔'' فریدی بولا۔

''ضرورت ہی نہ سمجھی گئی ہوگی تعاقب کی۔'' حمید نے نیند سے بچاؤ کے لئے بار بار آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔ ''کیا وہ ناصر مرزا کی کال نہیں ٹیپ کر سکتے جب انہوں نے سنا ہوگا کہ ہمیں روزا کی گمشدگی کی اطلاع مل گئی ہے تو یقیناً سمجھ گئے ہوں گے۔''

''کیا سمجھ گئے ہوں گے۔''

''مجھے سوچنے دیجئے۔ نیند سے سارا مواد گڈ مڈ ہو گیا۔ ہاں تو وہ سمجھ گئے ہوں گے کہ ہم اس اطلاع پر کدھر کا رخ کریں گے اور اگر ناصر مرزا بذات خود ان حرکات کی پشت پر ہے تو پھر یہ کام اور زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔''

"خارج از بحث تو نہیں ہے وہ بھی۔" فریدی پر تفکر لہجے میں بولا۔ "لیکن یہاں کب تک کھڑے رہیں گے۔" حمید نے کہا "کہیے تو میں اندر جا کر حالات کا جائزہ لوں۔ میرا ریڈی میڈ میک اپ ہر وقت جیب میں پڑا رہتا ہے۔"

"ٹھہرو......!" فریدی نے کہا اور ہمراہی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اب تم یہ بتاؤ البرٹو کی عمارت سے ہم کس طرح وہاں تک پہنچ سکیں گے۔"

"لیوٹری والے کاریڈر کا اختتام ایک دروازے پر ہوتا ہے جو عمارت کی پشت پر کھلتا ہے۔ دروازے کے قریب ہی باہر کھلے ہوئے زینے ہیں جو البرٹو کی چھت پر جاتے ہیں۔ ساتواں زینہ دوسری عمارت کی چہار دیواری ہی کے لیول پر ہے اور چہار دیواری کا اُس سے فاصلہ ایک گز سے زیادہ نہ ہوگا۔"

چند لمحے خاموشی رہی پھر فریدی نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم اندر جاؤ...... اور اُسے باتوں میں الجھانے کی کوشش کرو۔"



البرٹو کے ہال میں خاصی رونق تھی۔ فلور شو ہو رہا تھا۔ بیک وقت تین لڑکیاں میزوں کے درمیان تھرکتی پھر رہی تھیں۔ حمید نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ کلارا ڈیل ایک میز پر تنہا تھی۔ اُس کا باپ کہیں نہ دکھائی دیا۔ حمید اُس میز کی جانب بڑھتا رہا۔ دفعتاً کلارا سے نظریں ملیں اور لڑکی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔" اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور حمید مسکراتا ہوا اُس کے مقابل بیٹھ گیا۔

اور اب وہ نیم وا آنکھوں سے اُسے دیوانہ وار دیکھے جا رہا تھا۔

"تت......تم یہاں......!" وہ ہکلائی۔ "اُس کی سانسیں تیزی سے چل رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بہت زیادہ ڈر گئی ہو۔"

"اگر کوئی لڑکی پسند آ جائے تو میں قبرستان میں بھی پایا جا سکتا ہوں۔"

"کیا مطلب......؟"

"اب مطلب بھی میں ہی سمجھاؤں۔"

"میں سمجھی۔" دفعتاً اُس نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "ہماری نگرانی کی جا رہی ہے شائد۔ کیا پولیس والے ہو تم لوگ۔"

"لوگ نہیں......صرف میں......اور میں تمہیں اس سال کی خوبصورت ترین لڑکی سمجھتا ہوں۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"تمہارے ڈیڈی تو آس پاس موجود نہیں۔"

"کیوں......؟"

"اُن سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔"

"تم نشے میں تو نہیں ہو۔"

"میرا چیف کہہ رہا تھا کہ تم اردو پڑھنا چاہتی ہو۔"

"ہاں تو پھر......!"

"میں تمہیں میر تقی میر سے میرا جی تک سب کچھ پڑھا دوں گا۔"

"یہ کون ہیں۔"

"اردو کے دو بہت بڑے شاعر۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ تمہیں ہم پر چیمپئن کے قتل کے سلسلے میں شبہ ہے۔"

"کیا پولیس والوں کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کو چاہ سکیں۔"

"اوہ......!" اُس نے متحیرانہ انداز میں ہونٹ سکوڑے اور پھر ہنس پڑی۔

"تم ہنس رہی ہو۔" حمید کا لہجہ دردناک تھا۔

"تو پھر کیا مجھے رونا چاہئے۔ ہمارے یہاں کے پولیس والے تو اپنی بیویوں تک کو چاہنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔"

"کیوں......؟"

"پولیس والے ہی جانیں۔ میں بھلا کیا بتا سکوں گی؟" اس نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

اور حمید نے اُس کا دل رکھنے کے لئے اتنے زور سے قہقہہ لگایا کہ آس پاس کے لوگ چونک پڑے۔

"کیا اس شہر میں کوئی سکون کی جگہ نہیں ہے۔" کلارا نے کچھ دیر بعد کہا۔

"سکون ہی سکون۔" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ "میں ایسی جگہوں سے بھی واقف ہوں جہاں سکون ہی سکون ہے۔"

"کیا تم مجھے وہاں لے چلو گے۔"

"اپنے ڈیڈی سے اجازت لے لو۔ ہم مشرقی لوگ والدین کی مرضی کو مقدم جاننے کے عادی ہیں۔"

"ڈونٹ بی سلی! میں بچی نہیں ہوں۔"

"اچھا......!" حمید نے کہا اور ویٹر کو اشارے سے بلا کر سینڈوچز طلب کیے۔

"کیا تم بھوکے ہو۔" کلارا نے پوچھا۔

"پیدائشی بھوکا ہوں...... جب میں پیدا ہوا تھا تو میری ماں روزے سے تھی۔"

"بہت مذہبی تھی تمہاری ماں۔"

"ہمارے یہاں ہر ماں مذہبی ہوتی ہے۔ خواہ مذہب کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتی ہو۔"



فریدی اور اُس کا ہمراہی دیوار سے لگے کھڑے تھے۔ اس حصے میں گہری تاریکی تھی۔

فریدی نے اُس سے کہا۔ "اب تم جاؤ اور لیوٹری کے سرے والے دروازے کا جائزہ لے کر مجھے بتاؤ کہ وہ مقفل تو نہیں ہے۔"

"بہت بہتر جناب۔" اُس نے کہا اور آہستگی سے آگے بڑھ گیا۔

فریدی وہیں دیوار سے لگا کھڑا رہا۔ دفعتاً پشت سے کسی نے اُس پر چھلانگ لگائی اور وہ پ کر ایک طرف ہٹ گیا۔ چھلانگ لگانے والا زمین پر آرہا تھا۔

بجلی کی سی سرعت کے ساتھ فریدی نے بغلی ہولسٹر سے ریوالور کھینچا اور حملہ آور کے سر پر کر آہستہ سے بولا۔ "ریوالور بے آواز ہے۔"

ریوالور کی نال حملہ آور کی گردن سے جا لگی تھی۔ حملہ آور بے حس و حرکت پڑا رہا۔ جلد ہی ی کو کسی غیر فطری پن کا احساس ہوا۔ اُس نے بائیں ہاتھ سے اس کی پیشانی چھوئی ہی تھی ونک پڑا۔ انگلیاں گھنیرے بالوں سے الجھی تھیں۔

وہ عورت نکلی اور غالباً بیہوش تھی۔ اتنے میں فریدی کا ہمراہی بھی واپس آ گیا۔

"آپ کہاں ہیں جناب۔" اُس نے دیوار کے قریب پہنچ کر آہستہ سے کہا۔

"ادھر......!" فریدی بولا اور پنسل ٹارچ کی روشنی عورت کے چہرے پر ڈالی۔

"اوہ......!" ہمراہی کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ "یہ تو وہی ہے جس کیلئے ہم......!"

"تمہیں یقین ہے۔" فریدی نے ٹارچ کچھ اور قریب کرتے ہوئے کہا۔

روشنی پوری طرح بیہوش عورت کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

"جی ہاں...... یہ وہی ہے جسے ہسپتال سے اغواء کیا گیا تھا۔"

فریدی نے طویل سانس لے کر ٹارچ بجھا دی اور مڑ کر اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔

پھر اُس نے ہمراہی کو وہیں چھوڑا تھا اور خود اُسی سمت بڑھ گیا تھا جدھر سے اُس عورت نے اُس پر چھلانگ لگائی تھی۔

کچھ دور چل کر رک گیا۔ وہ اُس عمارت کے پھاٹک پر تھا جس کے بارے میں اُسے اطلاع ملی تھی کہ روزا وہیں لے جائی گئی۔ سلاخوں دار پھاٹک بند تھا اور کمپاؤنڈ تاریک پڑی تھی۔ کسی کھڑکی یا روشندان میں بھی روشنی نہیں دکھائی دیتی تھی۔

چند لمحے وہاں رک کر وہ پھر اُسی طرف پلٹ آیا جہاں اُن دونوں کو چھوڑا تھا۔

"اُسے گاڑی تک لے چلنے کی فکر کرو۔"

"اب یہ ہوش میں ہے جناب۔ لیکن خائف معلوم ہوتی ہے۔"

ہمراہی نے سہارا دے کر روزا کو زمین سے اٹھایا۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ فریدی نے بھی اس کا ایک بازو پکڑ لیا۔

"ایسے راستوں سے چلو جو زیادہ روشن نہ ہوں۔" فریدی نے کہا۔ پھر رک کر بولا۔

"نہیں یہ نہیں چل سکے گی۔ کنجی لو اور گاڑی یہیں لے آؤ۔"

گاڑی وہاں تک پہنچنے میں تین چار منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوئے تھے اور اس دوران میں فریدی روزا کو اپنے بازو میں سنبھالے رہا تھا۔

"اس عمارت کی نگرانی بدستور جاری رہے گی۔" اُس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے ہمراہی سے کہا۔

پھر ہمراہی وہیں رہ گیا تھا اور گاڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی تھی۔ روزا فریدی کے برابر اگلی ہی سیٹ پر نیم دراز تھی۔

"کیا تم جاگ رہی ہو۔" فریدی نے کچھ دیر بعد اسے مخاطب کیا۔

"میں جاگ رہی ہوں۔" اُس نے نحیف سی آواز میں جواب دیا۔

"تم نے مجھ پر حملہ کیوں کیا تھا۔"

"حملہ...... نہیں تو...... میں بے تحاشہ دوڑ رہی تھی۔ اندھیرے میں تم سے ٹکرا گئی۔"

"کیا تم دوڑ سکتی ہو۔"

"کیوں نہیں۔"

"لیکن ڈاکٹر تو تمہاری نقاہت کی حیرت انگیز کہانی سناتے ہیں۔"

"ڈاکٹر...... میں نہیں سمجھی۔"

"تمہاری جان بچالی گئی تھی۔ لیکن ڈاکٹر کا خیال تھا کہ تمہیں کم از کم پندرہ دن تک بستر نا ہی نہ چاہئے۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔"

"کیا تم روزا اپ سیڈاؤن نہیں ہو۔"

"میں روزا اپ سیڈاؤن نہیں ہوں۔"

"پھر تم کون ہو۔"

"میں کون ہوں؟ ہاں مجھے سوچنا چاہئے کہ میں کون ہوں۔"

"تم پر اقدام خودکشی کا بھی الزام ہے اس لئے جو کچھ بھی کہو سوچ سمجھ کر کہو اور تم اس ایک پولیس آفیسر سے ہم کلام ہو۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہیں تمہاری باتیں۔"

"کیا تمہیں ناصر مرزا کے پاس پہنچا دیا جائے۔"

"ناصر مرزا...... ناصر مرزا کیا چیز ہے۔"

"کیا تم مسٹر ناصر مرزا کی مہمان نہیں تھیں۔"

"میرے خدا...... میں کسی ناصر مرزا کو نہیں جانتی۔"

"خوب......!" فریدی مسکرایا۔ "تو تم آرتھر چیمپئن کو بھی نہ جانتی ہو گی جس کی لاش دیکھ

کر تم نے خودکشی کی ٹھانی تھی۔"

"تم پتہ نہیں کیسی باتیں کرر ہے ہو۔ یہ سارے نام میرے لئے نئے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔تم یہی بتا دو کہ اس وقت کہاں سے آئی تھیں۔"

"اسکے علاوہ اور کچھ نہیں جانتی کہ اس وقت میں تیزی سے دوڑ رہی تھی۔تم سے ٹکرا گئی۔"

"پھر آگاہ کرتا ہوں کہ تم ایک پولیس آفیسر سے مخاطب ہو۔"

"مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کرو۔ میں تمہاری ہر بات مان لوں گی۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"ہر عورت کے لئے ایک مرد ضروری ہے۔ حالانکہ میں نے ابھی تک تمہاری شکل نہیں دیکھی۔لیکن تم رحم دل آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

"لیکن ہر مرد کے لئے عورت ضروری نہیں ہے۔"

"پھر وہ خود بھی عورت ہی ہوگا۔" لڑکی نے قہقہہ لگایا۔

"اچھی بات ہے۔" فریدی نے کہا اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

دفعتاً عقب نما آئینے پر نظر پڑی۔ پیچھے کئی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس نظر آرہے تھے اور پھر اُس نے پولیس کی گاڑی کا سائرن بھی سنا۔

دونوں ہونٹ سختی سے بھینچ کر اُس نے سر کو جنبش دی اور ایکسلریٹر پر دباؤ کم کر دیا۔

"اب دیکھنا......تمہاری وجہ سے کن دشواریوں میں پڑتا ہوں۔"

"میں اُسے مرد ہی نہیں سمجھتی جو کسی عورت کے لئے دشواری میں پڑنے سے ڈرتا ہو۔"

"میں ایسا مرد نہیں ہوں جس کے لئے عورت ضروری ہو۔"

"لیکن تم ایک رحم دل آدمی ضرور ہو۔"

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سائرن بجاتی ہوئی پولیس کار اُس کی گاڑی سے آگے نکل کر کسی قدر ترچھی ہوئی اور اُس کے بریک چرچرائے۔ اگر فریدی نے بھی پورے بریک نہ لگائے ہوتے تو ٹکراؤ یقینی تھا۔ دونوں گاڑیوں کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ دو فٹ رہا ہوگا۔

پھر دو گاڑیاں اور بھی لنکن کی دونوں جانب آرکیں۔

فریدی نے اپنی گاڑی کا انجن بند کر دیا۔

اگلی گاڑی میں دو بہت زیادہ جانے پہچانے چہرے نظر آئے تھے۔ان میں سے ایک خود ے محکمے کا آئی جی تھا اور دوسرا ناصر مرزا۔

"جی ہاں......وہ ہے......موجود ہے گاڑی میں۔" ناصر مرزا کی آواز سنائی دی۔ ساتھ گاڑی کا دروازہ کھلا اور وہ دونوں نیچے اُتر آئے۔

لنکن کے قریب بھی پہنچ گئے لیکن فریدی جوں کا توں بیٹھا رہا۔ ویسے اُس نے گاڑی کے پہلے ہی روشنی کر دی تھی۔

"ملاحظہ فرمائیے۔" ناصر مرزا نے ڈی آئی جی کو مخاطب کر کے طنزیہ لہجے میں کہا۔

لنکن کی دونوں جانب والی گاڑیوں میں مسلح پولیس کے جوان نظر آرہے تھے۔

فریدی نے کنکھیوں سے دونوں جانب دیکھا اور پھر ناصر مرزا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"یہ کیا قصہ ہے انسپکٹر۔" ڈی آئی جی غرایا۔

وہ ہمیشہ فریدی کو انسپکٹر ہی کہہ کر مخاطب کرتا تھا اور اُس کے لہجے میں احساس کمتری کی جھلکیاں ملتی تھیں۔

"میں اس وقت اسپیشل ڈیوٹی پر ہوں۔ براہِ کرم گاڑی سامنے سے ہٹوا دیجئے۔" فریدی نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔

لیکن ڈی آئی جی کا پارہ پہلے ہی سے چڑھا ہوا تھا کیونکہ فریدی نے گاڑی سے اتر کر تعظیم نہ دی تھی۔

"فضول باتیں نہیں۔" ڈی آئی جی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "تم اس وقت ریڈ ہینڈڈ پکڑے گئے ہو۔"

"کس سلسلے میں جناب۔" فریدی کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

"یہ لڑکی کون ہے؟"

"فی الحال یہ اپنے متعلق کچھ بھی نہیں بتا سکی۔"

"روزا۔ اب تم محفوظ ہو نیچے اُتر آؤ۔" ناصر مرزا بھرائی ہوئی آواز میں بولا لیکن اُس نے اُس کی طرف دیکھا تک نہیں۔

"اسے گاڑی میں بٹھاؤ۔" ڈی آئی جی نے پولیس کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فریدی سے کہا۔

"میں پھر گوش گزار کروں گا کہ میں اس وقت اسپیشل ڈیوٹی پر ہوں اور یہ مجھے خاص حالات میں محکمہ خارجہ کی طرف سے تفویض ہوتی ہے۔"

"تمہارا کوئی ہتھکنڈا کام نہیں آئے گا۔" ناصر مرزا بول پڑا۔

"مسٹر مرزا۔" فریدی کے لہجے میں دھمکی تھی۔

دفعتاً ناصر مرزا نے روزا کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "نیچے اُتر آؤ۔"

"ناصر مرزا.....!" فریدی غرایا اور ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر اسے اس زور سے دھکا دیا کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

ڈی آئی جی کی غضب ناکی بالآخر پھٹ پڑی۔

"احمد کمال فریدی۔ میں تمہیں معطل کرتا ہوں۔" وہ دہاڑا۔

"ہر چند کہ میں اس وقت صدر مملکت کے علاوہ کسی اور کو جوابدہ نہیں پھر بھی گوش گزار کروں گا کہ آپ اتھارٹی ٹی سی تھرٹین کے بارے میں سیکریٹری برائے اُمور خارجہ سے ضرور معلومات حاصل کرلیں۔"

اُس نے بڑی پھرتی سے اپنی گاڑی ریورس گیئر میں ڈالی تھی اور گاڑی بہت تیزی سے پیچھے ہٹتی چلی گئی تھی۔

اتفاق ہی تھا کہ سڑک سنسان پڑی تھی اور وہ اسی رفتار سے سہ راہے تک آ گئی تھی۔

فریدی نے تیزی سے اُسے بائیں جانب موڑ دیا۔

اب لنکن تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہی تھی۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" روزا منمنائی۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہاری وجہ سے دشواریوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

"یہ لوگ کون تھے اور مجھ سے کیا چاہتے تھے۔"

"جس نے تمہارا ہاتھ پکڑا تھا وہ کون تھا۔"

"میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں کہ میرے لئے اجنبی تھا۔ لیکن گفتگو اس طرح کر رہا تھا جیسے خاصی جان پہچان ہو۔"

"ہوں.....!" فریدی کے ہونٹ پھر سختی سے بھینچ گئے تھے۔

اُس نے ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے وائرلیس ٹیلی فون کا ریسیور نکالا اور اُسے کان سے لگالیا اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "ہیلو..... ہیلو..... فلائینگ اسکوارڈن آپریشن۔"

"ہیلو.....!" کوئی بولا۔ "ہواز دیٹ.....؟"

"فریدی اسپیکنگ..... ٹو ڈی آئی جی..... پلیز.....!"

چند لمحوں بعد ڈی آئی جی کی غصیلی آواز سنائی دی۔

فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "میرے تعاقب کا سلسلہ ختم کیا جائے ورنہ آپ دشواری میں پڑیں گے۔ آخری بار استدعا کر رہا ہوں۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں کبھی کوئی غیر قانونی قدم نہیں اٹھاتا۔"

ڈی آئی جی کی آواز آئی۔ "میں نے چاہا تھا کہ یہ معاملہ مجھ سے آگے نہ بڑھے۔ لیکن کیا تم ناصر مرزا سے واقف نہیں۔"

"پشت ہا پشت سے واقفیت چلی آرہی ہے۔ آپ اس کی فکر نہ کریں۔ میں ایک بار پھر عرض کر رہا ہوں کہ اتھارٹی ٹی سی تھرٹین کے متعلق آپ وزارت خارجہ سے دریافت فرمالیں۔ حالانکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ میری کارکردگی کے اس پہلو سے بھی آگاہ ہوں لیکن میں نہیں چاہتا کہ میرے کسی آفیسر کے دل میں میری طرف سے ملال پیدا ہو۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا مجھے۔ اس وقت کی آویزش پر افسوس ہے۔"

فریدی نے سوئچ آف کر کے ریسیور پھر ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ دیا۔

لنکن یکساں رفتار سے بھاگی جارہی تھی اور اُس کا رخ ایگل بیچ کی طرف تھا۔ عقبی آئینے پر بار بار فریدی کی نظر جاتی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ ساحلی علاقے میں داخل ہورہے تھے چاروں طرف ملگجا سا اُجالا پھیل گیا تھا اور مشرقی افق میں گہرے سرخ لہریئے نظر آرہے تھے۔

"ہم کہاں جارہے ہیں۔" روزا نے پوچھا۔ وہ مسلسل فریدی کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے تھی۔

"تمہارے لئے ایک چھت فراہم کرنی ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں تمہارا کوئی نہیں۔"

"شکریہ......تم نے مجھے سمجھنے کی کوشش تو کی۔"

"لیکن یہ بہت بُری بات ہے کہ تمہارا کوئی نہیں ہے۔"

"مجھے خود پریشانی ہے...... پتہ نہیں کب سے اپنا نام یاد کرنے کی کوشش کررہی ہوں۔"

"چھوڑو......آج سے تمہارا نام کورنیلیا ہے۔"

"بہت اچھا نام ہے۔ ہاں یہ نام میرے لئے مناسب رہے گا۔"

لنکن ایگل بیچ میں پہنچ کر فریدی کے ہٹ کے سامنے رکی۔

"اوہو...... یہاں کون ہے۔" اُس کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ کیونکہ ساری کھڑکیاں روشن نظر آرہی تھیں۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" اُس نے روزا سے کہا اور خود گاڑی سے اُتر کر دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد اندر قدموں کی چاپ گونجی اور ساتھ ہی کسی نے پوچھا۔ "کون ہے؟"

"اوہ......دروازہ کھولو۔"

دروازہ کھلا اور......

"ارے آپ......!" یہ حمید کی آواز تھی۔

"تم یہاں کیا کررہے ہو۔"

"وہ......وہ......وہ بھی ہے۔"

"کون......؟"

"کلارا......کلارا......!" حمید پر بدحواسی طاری تھی۔

"کیا مطلب......؟"

"وہ میرے ساتھ یہاں چلی آئی ہے۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔"

"آپ نے کہا تھا کہ اُسے باتوں میں الجھاؤں اور وہ اس طرح الجھی کہ یہاں تک ساتھ چلی آئی۔ لیکن آپ یہاں اس وقت کیسے؟"

"میری گاڑی میں روزا ہے۔"

"وہ مارا......اب تو آپ کو کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے۔"

"بکواس مت کرو۔" فریدی نے کہا اور پھر چند لمحوں کے لئے حمید نے یہی محسوس کیا ہوگا جیسے وہ ذہنی طور پر غیر حاضر ہوگیا ہو۔ اس کے بعد وہ اسی طرح چونکا تھا جیسے غنودگی طاری رہی ہو۔

اُجالا اچھی طرح پھیل گیا تھا۔ وہ حمید کو وہیں چھوڑ کر لنکن کی طرف پلٹا۔ روزا اُسی طرح بیٹھی رہی۔

"آؤ......اُتر آؤ......دیکھو یہ کتنا پر فضا مقام ہے۔ اب تم کچھ دن یہیں قیام کرو گی۔" اُس نے کہا۔

روزا کسی ننھی سی بچی کی طرح خوش نظر آرہی تھی۔

"واقعی بڑی خوبصورت جگہ ہے اور تم......تم بھی بہت خوبصورت ہو۔ ایسا دوسرا کوئی مرد آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔"

وہ دونوں ہٹ کے دروازے میں داخل ہوئے۔ حمید پیچھے ہٹ گیا۔

"یہ کون ہیں۔" روزا نے بیگانہ انداز میں حمید کے بارے میں سوال کیا۔

''خوب.....اتنی جلد بھول گئیں۔'' حمید پُر معنی انداز میں مسکرایا۔

لیکن فریدی نے روزا کی آنکھوں میں الجھن کے آثار دیکھے۔

''نہیں.....تم انہیں نہیں جانتے۔'' فریدی اس کا بازو پکڑ کر آگے بڑھتا ہوا بولا۔

دوسرے کمرے میں کلارا موجود تھی۔ اُس کی پلکیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں لیکن پر نظر پڑتے ہی وہ اس طرح چونکی جیسے اس کی محرک کوئی گرج دار آواز ہو۔

''یہ.....یہ تو روزا ہے۔'' وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولی۔

''کیوں.....کیا تمہیں اسے یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی ہے۔'' فریدی نے اُسے ٹو والی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نن.....نہیں تو۔''

''میں کورنیلیا ہوں۔'' روزا غصیلے لہجے میں بولی۔

کلارا نے حمید کی طرف دیکھا۔ لیکن نہ جانے کیوں حمید اُس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ اُس پر بھی کسی قسم کی بوکھلاہٹ طاری تھی۔

''اب تم آرام کرو.....!'' فریدی نے روزا سے کہا۔ ''آؤ میں تمہیں تمہارا ک دکھاؤں۔''



حمید اور کلارا اُس کمرے میں تنہا ہو گئے۔

''یہ تمہارا چیف کیسا آدمی ہے۔'' کلارا نے اُس کے قریب آ کر آہستہ سے پوچھا۔

''یہی معلوم کرنے کے لئے تو اس محکمے میں جھک مار رہا ہوں کہ میرا چیف کیسا آدمی ہے۔ ورنہ جاسوسی ناول نگاری کا پیشہ بھی کچھ بُرا نہیں تھا۔''

''کیا وہ ہمیں یہاں رہنے دے گا۔''

''اب نہ رہنے دینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ خود بھی فارغ البال نظر آ رہا ہے۔''

وہ پھر کچھ کہنے والی تھی کہ فریدی واپس آ گیا۔

''اب بتاؤ۔'' وہ حمید کو گھورتا ہوا بولا۔

''کیا عرض کروں جناب۔''

''اُسے یہاں کیوں لائے ہو۔''

''آپ اُسے یہاں کیوں لائے ہیں۔''

''وہ ذہنی طور پر بیکار کر دی گئی ہے۔''

''اور یہ جسمانی طور پر بالکل چوپٹ ہے۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔''

''میں اسی لئے اردو سیکھنا چاہتی ہوں۔'' کلارا بول پڑی۔ ''تمہاری آپس کی باتیں نہیں سمجھ سکتی۔''

''کیا مسٹر ڈیل کو تمہاری یہاں موجودگی کا علم ہے۔'' فریدی نے سوال کیا۔

''نہیں.....ضروری نہیں۔'' اُس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''یہ تمہیں کہاں ملی تھی۔'' فریدی حمید کی طرف متوجہ ہوا۔

''البرٹو میں۔''

''کیا تم نے اس کا تعاقب کیا تھا۔'' فریدی کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

''ہاں.....اس سلسلے میں قصور وار ہوں۔''

''میں تم سے تنگ آ گیا ہوں۔''

''کچھ قصور اس کا بھی ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''یہ مجھے اتنی اچھی کیوں لگتی ہے۔''

''حمید......!''

گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی اور کلارا کے چہرے پر کچھ اس قسم کے تاثرات پائے جاتے تھے جیسے اس پر اس کا کوئی اثر نہ ہو۔

حمید کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بول پڑی۔ ''میں اپنی خوشی سے یہاں آئی ہوں۔ تبدیلی چاہتی ہوں۔''

حمید نے ٹکڑا لگایا۔ ''اور یہاں چاروں طرف تبدیلی ہی تبدیلی ہے۔''

''تبدیلی......!'' فریدی مسکرایا۔ ''تبدیلی زندگی کو آگے بڑھاتی ہے۔''

''ہم زندگی کو سرپٹ دوڑائیں گے۔'' حمید سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''لیکن صرف ماحول کی تبدیلی سے کچھ نہیں ہوتا......حمید چوکیدار کہاں ہے۔''

''وہ ہمارے لئے ناشتہ تیار کر رہا ہوگا۔''

''جاؤ......تم بھی اُس کی مدد کرو۔''

حمید نے طویل سانس لی اور دوسرے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

اور اب وہ نہایت اطمینان سے قفل کے سوراخ کے ذریعہ اُس کمرے کا جائزہ لے سکتا تھا۔ لیکن اُس نے سوچا شائد اُن دونوں کی آوازیں واضح طور پر نہ سن سکے۔

فریدی کچھ کہہ رہا تھا۔ اُس کی آواز تو سنائی دے رہی تھی لیکن الفاظ حمید کے کانوں تک نہیں پہنچ رہے تھے۔ کلارا بڑی سنجیدگی سے سر ہلا ہلا کر سن رہی تھی۔ پھر حمید نے اُسے ہنستے دیکھا۔ فریدی بھی مسکرا رہا تھا۔

اب وہ بھی کچھ کہہ رہی تھی اور فریدی بڑے سکون سے سن رہا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی اٹھ گیا اور اسی دروازے کی طرف بڑھا۔

اس کی بعد اُن دونوں کی ملاقات کچن میں ہوئی۔ فریدی نے چوکیدار کو بیچ ہوٹل سے کچھ چیزیں لانے کے لئے بھیج دیا اور حمید سے بولا۔ ''وہ سونے گئی ہے فی الحال ناشتہ نہیں کرے گی۔ میں جا رہا ہوں۔''

''دیکھئے میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ بہت سی عورتیں ہوں......بس ایک ہی کافی ہے۔'' حمید سعادت مندانہ لہجے میں بولا۔

''موقع محل دیکھا کرو۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''فرمایئے......سن رہا ہوں۔'' حمید مردہ سی آواز میں بولا۔

''میں جا رہا ہوں۔ تم بھی یہاں نہیں ٹھہرو گے۔ برابر والے ہٹ کی کنجی یہ رہی۔'' اُس نے جیب سے پرس نکال کر اس میں سے ایک کنجی نکالی۔

''برابر والے ہٹ کی کنجی۔'' حمید نے اُس سے کنجی لیتے وقت متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

''ہاں......آں......وہاں ایک فون بھی ہے اور یہاں کے فون سے منسلک ہے۔ اس ہٹ کے فون پر کی جانے والی گفتگو تم اُس فون پر سن سکو گے۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھا۔''

''میں نے کلارا سے کہہ دیا ہے اُسے اور روزا کو شام تک تنہا رہنا پڑے گا۔ کیونکہ ہم دونوں شام سے پہلے یہاں نہ پہنچ سکیں گے۔''

''لیکن اس کا مقصد کیا ہے۔''

''تمہیں دیکھنا ہے کہ وہ فون پر کسی سے رابطہ تو نہیں قائم کرتی۔''

''سمجھا۔''

''اتنے سینڈوچز اپنے لئے بنالو کہ شام تک کے لئے کافی ہوں۔''

''آخر ان ہٹوں کی ٹیلی فون لائین ایک ہی کیوں ہے۔''

''دوسرا ہٹ بھی میرا ہے......اس لئے۔'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''اور میں آج تک اس سے لاعلم رہا۔''

''بہت محدود ہے تمہارا علم۔''

''آپ کرنا کیا چاہتے ہیں۔''

''بس دیکھتے جاؤ۔''

فریدی کے چلے جانے کے بعد حمید نے اُس کمرے میں جھانکا جہاں وہ دونوں سو رہی تھیں۔

فریدی نے اُسے بتایا تھا کہ کلارا نے نیند ہی سے مجبور ہو کر ناشتہ ملتوی کر دیا تھا۔

لیکن وہ اُسے بستر پر جاگتی ہوئی نظر آئی۔ چت لیٹی تھی اور آنکھیں چھت سے لگی ہوئی تھیں۔ حمید چپ چاپ ہٹ سے باہر آ گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ برابر والے ہٹ میں ٹہل ٹہل کر اپنی نیند بھگانے کی کوشش کر رہا تھا پچھلی رات جاگتا ہی رہا تھا لہٰذا اس وقت ناشتہ کر لینے کے بعد مزید جاگتے رہنا کچھ دشوار ہی سا لگ رہا تھا لیکن بہرحال اُسے بیدار رہ کر فریدی کے احکامات کے مطابق کام کرنا تھا۔ وہ اُس کمرے میں ٹہلتا رہا جہاں فون رکھا تھا۔

تقریباً دس بجے فون کی گھنٹی اس طرح بجنے لگی جیسے اُسی لائن کے کسی دوسرے انسٹرومنٹ پر کہیں اور کے نمبر ڈائیل کئے جا رہے ہوں۔ گھنٹی کی آواز سنتے ہی حمید نے ریسیور اٹھا لیا۔

ایک مردانہ آواز آئی۔ ”ہیلو......!“

”کلارا اسپیکنگ......!“ یہ کلارا ہی کی آواز تھی۔

”کہاں سے بول رہی ہو۔“ مردانہ آواز۔

”ایگل بیچ سے۔ میں کامیاب ہو گئی ہوں۔ دونوں کے رومال میں نے اڑا دیئے ہیں۔“

”بہت خوب......تو پھر آ جاؤ۔“

حمید نے جواب میں کلارا کی ہنسی سنی۔ پھر وہ دوسری طرف سے بولنے والے کو پچھلی رات کی روداد سنانے لگی تھی۔ اس کے بعد اُس نے بتایا کہ کس طرح فریدی بھی روزا کے ساتھ وہیں آ پہنچا تھا۔

”تم تو بہت اچھی رہیں۔“ مردانہ آواز۔

”لیکن روزا کو کیا ہوا ہے۔“

”اُسے عرصہ تک یاد نہ آ سکے گا کہ وہ کون ہے اور کیا ہے؟“

”برین واشنگ۔“

”ہاں......تم جلد سے جلد پہنچنے کی کوشش کرو۔“

”میرا خیال ہے کہ میں اُن لوگوں کو اُلو بنانے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔ فریدی مجھ سے کہہ رہا تھا کہ محض ماحول کی تبدیلی سے کام نہیں چلتا۔ آدمی کو چاہئے کہ خود کو بدلنے کی کوشش کرے۔ لہٰذا وہ میرے لئے اپنے یہاں کی عورتوں کا سا لباس اور نقاب فراہم کرنے گیا ہے۔ جسا کہتے ہیں اُسے برقعہ......برقعہ۔“

”فضولیات میں نہ پڑو۔“ مردانہ آواز آئی۔ ”بہت احتیاط سے نکل آؤ۔ تفریح کے لئے بڑی زندگی پڑی ہے۔ رومال مجھ تک جلد پہنچنے چاہئیں۔“

پھر سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر حمید نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

اب وہ بڑی تیزی سے اپنی جیبیں ٹٹول رہا تھا۔ سچ مچ اُس کا رومال غائب تھا۔

یہ کیا چکر ہے۔ خصوصیت سے اُس نے رومالوں کے تذکرے کے ساتھ کسی کو اپنی کامیابی کی اطلاع دی تھی۔ گویا کامیابی یہی تھی کہ اُس نے اُن دونوں کے رومال اڑا دیئے۔

عجیب سی وحشت حمید کے ذہن پر طاری ہو گئی۔ فریدی نے فوری رابطہ قائم کرنے کے لئے اُسے نمبر دیئے تھے اور کہا تھا کہ کسی دوسرے فون پر انہیں آزمایا جائے۔

حمید چھپتا چھپاتا اُس ہٹ سے نکلا اور بیچ ہوٹل کی طرف چل پڑا۔

کلارا بہ آسانی وہاں سے فرار ہو سکتی تھی کیونکہ اس کی گاڑی وہیں موجود تھی۔

پچھلی رات کلارا ہی کی گاڑی انہیں ایگل بیچ لائی تھی جسے کلارا خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی۔

بیچ ہوٹل پہنچ کر حمید نے بتائے ہوئے نمبر پر فریدی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن اس نمبر سے اُسے دوسرا نمبر بتا دیا گیا۔ اس طرح پانچویں نمبر پر اُس سے ملاقات ہو سکی تھی۔

حمید نے اُسے کلارا کی فون کال کے بارے میں بتاتے ہوئے پوچھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔

”اُس وقت تک ہٹ میں نہ جانا جب تک کہ کلارا وہاں سے نہ چلی جائے۔ دوسرے ہٹ میں رہ کر تم بہ آسانی اُسے جاتے دیکھ سکو گے۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”اُس کے بعد۔“

”روزا کی دیکھ بھال تمہارے ذمہ ہوگی۔ میرا خیال غلط نہیں تھا کہ اُس کی برین واشنگ

کی گئی ہے۔''

''میرا برین بھی عنقریب کھوپڑی کے باہر ہونے والا ہے۔''

''کیوں تمہیں کیا تکلیف ہے۔''

''پچھلی رات سے اب تک جاگ رہا ہوں۔''

''کیا پریشانی ہے......ایگل بیچ کا رخ تم نے اسی لئے کیا تھا کہ جب اختر شماری کا موقع ہاتھ سے نکل جائے تو سمندر کی لہریں گن سکو۔''

''اور کچھ......؟'' حمید نے جھنجھلا کر پوچھا۔

''بس اتنا ہی کافی ہے۔''

حمید نے سلسلہ منقطع کر کے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔



آشا بلڈنگ کی اوپری منزل کے زینے ہمیشہ کی طرح آج بھی تاریک تھے اور وہ بڑے اطمینان سے ایک ایک زینہ طے کرتا ہوا اوپر جا رہا تھا۔ سرتا پا سیاہ پوش...... چہرے پر بھی سیاہ غلاف تھا جس میں آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے۔

آشا بلڈنگ بڑی پرانی عمارت تھی۔ باہر سے دیکھنے میں خستہ حال نظر آتی تھی لیکن اندر سے اس کے فلیٹوں کی سجاوٹ قابل دید تھی۔ یہاں زیادہ تر شہر کے متمول تاجر آباد تھے۔

اس وقت پوری عمارت سناٹے اور تاریکی میں گم تھی۔ کہیں کہیں کسی کھڑکی یا روشندان سے گہری نیلی روشنی جھانکتی نظر آتی اور اپنے گرد پھیلے ہوئے اندھیرے میں مدغم سی ہوتی محسوس ہوتی۔

عمارت کا مالک بھی یہیں ایک فلیٹ میں رہتا تھا۔ بے حد کنجوس تھا۔ دس بجے کے بعد

راہداریوں کی روشنیاں گل کرا دیتا تھا۔ حتیٰ کہ زینے بھی تاریک رہتے تھے۔ کرایہ دار اُس کے بڑے پن کی وجہ سے خاموش ہی رہتے۔ صاف صاف کہہ دیتا تھا ان سے کہ اگر انہیں وہاں تکلیف ہے تو فلیٹ چھوڑ دیں۔

بہرحال نصف شب کے بعد وہاں اُلو بولنے لگتے تھے اور وہاں کی تاریک راہداریوں میں ایک تو کیا دس ایسے سیاہ پوش چکراتے پھرتے تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔

سیاہ پوش نے دیو پیکر آدمی کے فلیٹ کا دروازہ کھولا اور بہ آہستگی اندر داخل ہو گیا۔ یہ کمرہ تاریک پڑا تھا۔ لیکن دوسرے کمرے کے دروازے کے شیشے روشن نظر آ رہے تھے۔ اُس نے شیشوں سے جھانک کر دیکھا۔ دیو پیکر آدمی کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر بے چینی کے آثار تھے۔

سیاہ پوش نے جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھولا۔ ساتھ ہی ہولسٹر سے اُس کا عجیب وضع والا پستول بھی نکل آیا تھا۔ دیو پیکر ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔

''تم کچھ پریشان سے نظر آ رہے ہو۔'' سیاہ پوش نے نرم لہجے میں کہا۔

دیو پیکر آدمی خاموش کھڑا تھا اور اس کی نظر پستول والے ہاتھ کی طرف تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس سے وہ سوال پستول ہی نے کیا ہو اور وہ سوچ رہا ہو کہ اُسے کیا جواب دینا چاہئے۔

''تم کیا سوچ رہے ہو۔'' سیاہ پوش نے پوچھا اور جیب سے ایک ڈبہ نکال کر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ ''میرے پاس وقت کم ہے۔''

''تو پھر......!'' دیو پیکر آدمی غرایا۔

''مجھے چابک نکالنے پر مجبور نہ کرو...... چپ چاپ جلدی سے انجکشن لے لو۔''

''ناممکن......اتنی جلدی میں دوبارہ اس اذیت کے لئے تیار نہیں ہوں۔''

''بھوکا مر جائے گا۔''

''پرواہ نہیں...... میں تنگ آ گیا ہوں اس زندگی سے۔ پتہ نہیں تم مجھ سے کون سا کام لے رہے ہو۔ انجکشن لینے کے بعد اور اس کا اثر زائل ہونے کے وقفے میں مجھے ہوش نہیں

رہتا۔ مجھے کچھ یاد نہیں رہتا کہ میں نے اس وقفے میں کیا کیا۔''

''یہ دیکھنا اور تمہاری حفاظت کرنا میرا کام ہے۔ تم آج اس قسم کی باتیں کیوں کر رہے ہو۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ لیکن انجکشن لینے کے بعد والی اذیت مجھے ہر وقت یاد رہتی ہے۔''

''تو پھر اُس سے بھی بڑی اذیت کے لئے تیار ہو جاؤ۔'' اُس نے پستول کو جنبش دے کر کہا اور ٹھیک اُسی وقت دیو پیکر آدمی نے اس پر چھلانگ لگا دی لیکن سیاہ پوش حیرت انگیز پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا تھا۔ دیو پیکر اپنے ہی زور میں دھڑام سے فرش پہ آ رہا۔

پھر وہ دوبارہ سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ پستول کی نال سے گہرے سرخ رنگ کی پھلجھڑیاں سی چھوٹ کر اس کے جسم سے ٹکرائیں اور وہ کسی زخمی بھینسے کی طرح ڈکرانے لگا۔ ساتھ ہی وہ تڑپ بھی رہا تھا ایسا لگتا تھا جیسے اعصاب پر قابو ہی نہ ہو کہ دوبارہ اٹھنے کی کوشش کرتا۔

''چیختے جاؤ...... میں نے اسی دن کے لئے اس فلیٹ کو ساؤنڈ پروف کرایا تھا۔'' سیاہ پوش ہنس کر بولا۔

''معاف کردو...... معاف کردو...... اب یہ نہ کرنا...... میں انجکشن لے لوں گا۔'' وہ اُسی طرح تڑپتا ہوا چیخا۔

اس وقت سیاہ پوش اسی دروازے کے قریب کھڑا تھا جس سے داخل ہوا تھا۔ اُس کی تمام تر توجہ دیو پیکر آدمی کی طرف تھی۔

دفعتاً وہ دروازہ تھوڑا سا کھلا۔ ہلکی سی آواز بھی نہ ہوئی اور ایک ہاتھ دروازے سے نکل کر سیاہ پوش کے پستول پر پڑا۔

پھر دروازہ زور دار جھٹکے کے ساتھ پورا کھل گیا تھا اور سیاہ پوش اس سے ٹکرا کر اپنا توازن نہ برقرار رکھ سکا تھا۔

جیسے ہی وہ فرش پر گرا کمرے میں داخل ہونے والے نے اپنے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔

یہ کرنل فریدی تھا۔ اُس نے اس کا پستول جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے ہی بیان کے مطابق یہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے اور نہ ہوتا تب بھی کیا فرق پڑتا۔ تم دیکھ ہی رہے ہو کہ

ریوالور میں سائیلنسر لگا ہوا ہے۔''

سیاہ پوش فرش پر چت پڑا تھا اور اس کی سرخ سرخ آنکھیں فریدی کو گھورے جا رہی تھیں۔

دوسری طرف دیو پیکر آدمی کی چیخیں تھم گئی تھیں اور وہ فرش ہی پر پڑا حیرت سے آنکھیں فریدی کی طرف نگران تھا۔

''تم دونوں پولیس کی حراست میں ہو۔'' فریدی بولا۔

''آخر کیوں......؟'' نقاب پوش غرایا۔ اُس نے اٹھنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن فریدی نے جنبش دے کر کہا۔ ''یہ حرکت بھی تمہیں دوسری دنیا میں پہنچا دینے کے لئے کافی ہو گی۔ چپ پڑے رہو۔''

''یہ کون ہے باس۔'' دفعتاً دیو پیکر آدمی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''یہ جو کوئی بھی ہو...... اگر نکل گیا تو۔''

''تو کیا ہو گا باس......!''

''تم پھانسی کے تختے پر نظر آؤ گے۔''

''کیوں؟ میں نے کیا کیا ہے۔''

''فضول باتوں میں نہ پڑو...... اس سے ریوالور چھین لو۔''

فریدی اُن کی گفتگو پر اس طرح مسکراتا رہا تھا جیسے دو ننھے بچے آپس میں لاف وگزاف کر رہے ہوں۔

''اے مسٹر۔'' دفعتاً دیو پیکر نے فریدی کو مخاطب کیا۔ ''میرے مکان میں پولیس کا کیا کام۔''

''تمہارے مکان میں اس آدمی کا کیا کام۔'' فریدی نے ریوالور کی نال سے سیاہ پوش کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ...... یہ...... میرا مالک...... میرا باس۔''

''لیکن تم آج تک اس کی شکل نہیں دیکھ سکے۔''

''نہیں...... ضرورت بھی کیا ہے شکل دیکھنے کی۔ روٹی ہاتھوں سے ملتی ہے شکل سے نہیں۔''

"تم کب سے ملازم ہو اس کے۔" فریدی نے پوچھا اور پھر دفعتاً سیاہ پوش کو بھی للکارا
اُسے اپنی طرف غیر متوجہ سمجھ کر اٹھ بیٹھنے کی فکر میں تھا۔

"یقین کرو دوست...... اگر تم بے حس و حرکت نہ پڑے رہے تو تمہارے چہرے
غلاف پر تیسرا سوراخ بھی نمودار ہو سکتا ہے۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ کئی لمحے خاموشی سے گزرے...... پھر فریدی نے دیو قامت آدمی
مخاطب کیا۔

"تم کچھ دیر پہلے کسی انجکشن کا ذکر کر رہے تھے؟"

"ہاں...... آں......!" یک بیک وہ ہنس پڑا۔ پھر سنجیدگی اختیار کر کے غصیلے لہجے
بولا۔ "وہ انجکشن میرے لئے جہنم کا دروازہ کھول دیتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ میز پر رکھے ہوئے سیاہ ڈبے میں انجکشن ہی کا سامان ہے۔"

"ہاں......!" دیو پیکر آدمی نے طویل جماہی لی۔

"تو پھر کیا تم اپنے باس کو سبق نہ دو گے۔"

"کیا مطلب......؟"

"آج تم اسے انجکشن دے سکتے ہو...... اگر مزاحمت کرے گا تو گولی مار دوں گا۔"

"تم آخر ہو کون۔"

"ایسے کالے چوروں کے پیچھے کون لگ سکتا ہے۔ اب جلدی کرو...... میرے پاس
کم ہے۔"

"میں بھوکا نہیں مر سکتا۔" دیو پیکر آدمی بولا۔ "مجھے کہیں ملازمت بھی نہیں ملتی۔ آس
توش میں کوئی بھی مجھے اچھا سمجھنے پر تیار نہیں ہوتا۔"

"اگر تم بہت طاقتور ہو تو تمہاری کفالت میں کر سکتا ہوں۔"

"میں بہت طاقتور ہوں...... دس سال سرکس میں کام کیا ہے۔"

"میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم کتنے طاقتور ہو۔ اپنے باس کا چہرہ مجھے دکھاؤ۔"

"جس نے بھی مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش کی موت کے گھاٹ اُتر جائے گا۔" سیاہ پوش
بولا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔

"میں جانتا ہوں۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "تمہارے پاس کیا کچھ ہو سکتا ہے۔"

"اگر کسی نے مجھے پکڑنا بھی چاہا تو......" جملہ پورا کئے بغیر اُس نے قہقہہ لگایا۔
بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے بے خبری میں زبان سے نکل جانے والی کسی بات کو اس
قہقہے کی آڑ میں گھوٹ گیا ہو۔

دیو پیکر آدمی اٹھ بیٹھا تھا اور سیاہ پوش کو اس طرح گھورے جا رہا تھا جیسے اُس پر چھلانگ
لگانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

"ٹھہرو......!" فریدی بایاں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس کے قریب بھی مت جانا۔"

"کیوں......؟" وہ بھاڑ سا منہ کھول کر فریدی کی طرف مڑا۔

"اس کی دھمکی غلط نہیں ہو سکتی۔ اگر کسی نے بھی اسے ہاتھ لگایا تو وہ دوسری سانس نہ لے
سکے گا۔"

"پھر میں کیا کروں......؟"

"جہاں ہو وہیں بیٹھے رہو۔"

"تم آخر ہو کون......؟"

"تمہیں بتایا جا چکا ہے کہ اس وقت تم دونوں پولیس کی حراست میں ہو۔"

"آخر کیوں......؟"

"تم نے آج تک اپنے باس کی شکل نہیں دیکھی...... آخر کیوں۔"

"وہی جانے میں کیا جانوں؟"

"محض اسلئے نہیں دیکھ سکے کہ وہ تم سے تمہاری لاعلمی میں کوئی غیر قانونی کام لیتا رہا ہے۔"

"مجھے تو یاد نہیں کہ میں نے کبھی کوئی غیر قانونی کام کیا ہو۔"

"اچھی بات ہے تم مجھے اس انجکشن کے بارے میں بتاؤ جس کا تذکرہ ابھی تمہارا باس

کررہا تھا۔ اوہ....تم نے پھر حرکت کی......لیٹے رہو ورنہ سچ مچ فائر کردوں گا۔"

لیکن سیاہ پوش اُس کی دھمکی کی پرواہ کیئے بغیر اٹھ کھڑا ہوا۔ فریدی نے بڑی پھرتی سے اس کے بائیں پیر پر فائر کیا۔ لیکن ایسا محسوس ہوا جیسے گولی کسی ٹھوس چیز سے ٹکرا کر مخالف سمت میں جا پڑی ہو۔

اور نقاب پوش نے آگے بڑھنے کے لئے وہی پیر اٹھایا جس پر فریدی نے فائر کیا تھا۔

پھر اگر فریدی نے ایک لمحہ بھی ضائع کیا ہوتا تو اُس کی خیر نہیں تھی۔ کیونکہ سیاہ پوش نے اس پر چھلانگ لگائی تھی۔ لیکن اس سے پہلے خود اس کا پستول فریدی کے جیب سے نکل آیا تھا۔

ٹریگر دبتے ہی اُس کی نال سے پھلجھڑیاں سی چھوٹیں......سیاہ پوش چنگھاڑتا ہوا فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ اب وہ بھی دیو پیکر آدمی ہی کی طرح فرش پر تڑپ رہا تھا۔

دیو پیکر نے قہقہہ لگایا۔ ہنستا رہا......اور اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

"یہ......یہ تم نے......بہت اچھا کیا......بہت اچھا......کیا......کیوں باس اب کیا حال ہے۔"

سیاہ پوش کسی تازہ ذبح کیئے ہوئے مرغ کی طرح تڑپتا اور قلابازیاں کھاتا رہا۔

اسی عالم میں اُس نے اپنا سیاہ چغہ اتار پھینکا۔ چہرے پر چڑھے ہوئے غلاف کو بھی نوچ ڈالا۔

"اُوہ......تو یہ تم ہو......مسٹر ڈیل......مگر میں اس عالم میں بھی تمہاری اداکارانہ صلاحیتوں کا اعتراف ضرور کروں گا۔" فریدی نے کہا۔ ایک طویل سانس لی اور پھر بولا۔ "تم اردو کسی اہل زبان ہی کی طرح بول سکتے ہو......خود ہی کلارا کو اردو پڑھائی ہوتی۔ ٹیوٹر کی تلاش کیوں تھی تمہیں۔"

وہ بدستور چیختا، کراہتا اور تڑپتا رہا......اُس نے سارے جسم پر فولادی بلٹ پروف چڑھا رکھے تھے۔

"بچاؤ......بچاؤ......!" وہ حلق پھاڑتا رہا۔ "میرے بلٹ پروف اتار دو......اتار دو......خدا کے لئے......ورنہ میں کباب ہو جاؤں گا۔"

"میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ تم پر ایک فائر کروں تمہارے پستول سے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"نہیں......نہیں......!" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر حلق کے بل چیخا۔

"لیکن کچھ دیر پہلے تم نے وارننگ دی تھی تمہارے جسم میں ہاتھ لگانے والا زندہ نہیں رہے گا۔"

"جھوٹ تھا......بچاؤ......بچاؤ......بچاؤ غ......غرغرغرغٹ......!"

اور پھر وہ ایک دم ساکت ہوگیا۔

فریدی متحیرانہ انداز میں اُس کی طرف جھپٹا۔ ساتھ ہی اُس نے محسوس کیا کہ دیو پیکر آدمی دروازے کی طرف بڑھ رہا ہے۔

"ٹھہر جاؤ۔" وہ اُس کی طرف مڑ کر بولا۔

لیکن ایسا لگتا تھا جیسے اُس نے فریدی کی للکار سنی ہی نہ ہو۔ دروازے کے ہینڈل پر اس کا ہاتھ پہنچا ہی تھا کہ فریدی نے بڑی پھرتی سے پستول جیب میں ڈالا اور جھپٹ کر اُس کی کمر تھام لی۔ اور اس زور سے جھٹکا دیا کہ وہ دروازے کے قریب سے جھٹک کر کمرے کے وسط میں چلا آیا۔

"طاقت دکھا رہے ہو مجھے۔" وہ فریدی کو گھورتا ہوا غرایا۔

"میں نے کہہ دیا تھا تم سے کہ خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھے رہو۔"

"روک لو......اگر روکتے بنے۔"

فریدی نے پھر سیاہ پوش والا پستول نکال لیا اور بولا۔ "میں نہیں جانتا کہ دوسری بار تم پر اس کا استعمال تمہیں کہاں پہنچائے گا۔"

"نہیں......!" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر خوفزدہ انداز میں چیخا۔ "یہ نہیں۔"

"تو پھر سکون سے بیٹھے رہو۔"

وہ ہانپتا ہوا ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

فریدی ڈیل کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ اب بھی پہلے ہی کی طرح بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

"دیکھو یہ زندہ ہے یا مر گیا۔" فریدی نے دیو پیکر آدمی سے کہا۔

وہ اٹھا اور اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ جھک جھک کر اُس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''مم...... مسٹر...... یہ تو انگریز معلوم ہوتا ہے۔'' وہ فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔

''زندہ ہے...... یا مر گیا۔''

اُس نے اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر ہلانے جلانے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

''مسٹر یہ تو پتھر ہو چکا ہے۔ جسم اکڑ گیا ہے...... تم نے کیا کیا اس کے ساتھ۔''

''صرف ایک بار استعمال کیا تھا یہ پستول...... تم دیکھ ہی رہے تھے۔''

''لیکن یہ تو مر چکا ہے۔''

''ہو گی کوئی وجہ...... تم خاموشی سے پھر اپنی جگہ جا بیٹھو۔''

اس نے چپ چاپ تعمیل کی اور اب فریدی کی توجہ کا مرکز بھی صرف وہی تھا۔

''اب مجھے اُس انجکشن کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔'' اُس نے کہا۔

''وہ اُس ڈبے میں۔'' دیو پیکر نے میز پر رکھے ہوئے ڈبے کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ ''خود دیکھ لو...... میں اس کے بارے میں اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ اس کے لگنے کے بعد کم از کم چوبیس گھنٹے بیہوش رہتا ہوں۔''

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ ''پچھلی رات اُس نے کہا تھا کہ یہ انجکشن لگنے کے بعد تم کسی شکاری کتے کی طرح ذکی الحس ہو جاتے ہو۔''

''اوہ......!'' فریدی کی نظر اس کے چہرے سے ہٹ کر ڈیل کے سیاہ لبادے پر جا رکی اور پھر وہ تیزی سے اُس کی طرف بڑھا۔

اُسے اٹھا کر دیکھنے لگا۔ دونوں جانب دو جیبیں تھیں۔ ان میں خاصا وزن معلوم ہوتا تھا۔ جیبوں سے دو مزید ڈبے برآمد ہوئے۔ یہ کسی وزنی دھات کے بنے ہوئے تھے۔

فریدی نے ایک ایک کر کے انہیں کھولا۔ ہر ڈبے میں صرف ایک تہہ کیا ہوا رومال رکھا نظر آیا۔ اُس نے اپنا رومال پہچان لیا اور دوسرا یقینی طور پر حمید کا رہا ہوگا۔

اُس نے ایک طویل سانس لی اور دیو پیکر آدمی کی طرف دیکھنے لگا۔



جس دن کلارا ایگل بیچ والے ہٹ سے غائب ہوئی تھی حمید اور فریدی کی شکل نہیں دکھائی ۔ پھر شام تک حمید ایگل بیچ والے ہٹ میں روزا کی دیکھ بھال کرتا رہا تھا۔

سورج غروب ہونے سے پہلے ہی فریدی کی کال آئی تھی۔ اُس نے حمید کو ہدایت دی تھی کہ سات بجے ایگل بیچ والا ہٹ چھوڑ دے۔ روزا دوسروں کی نگرانی میں دی جا رہی ہے۔

حمید نے وہاں سے ایک ٹیکسی پکڑی تھی اور سیدھا گھر پہنچا تھا۔

نیند کے مارے ذہن کی وہ حالت ہو رہی تھی کہ ہزاروں روزاؤں اور لاکھوں کلاراؤں کو کچلتا ہوا اپنے بستر تک جا پہنچا۔

ساری رات گھوڑے بیچ کر سویا تھا اور دوسری صبح آنکھ کھلتے ہی گدھوں کی طرح کلارا کے میں سوچنے لگا تھا۔ وہ کہاں گئی۔ اُن دونوں کے رومال کیوں لے گئی تھی۔ گویا وہ صرف ہی اڑا دینے کی تاک میں وہاں تک چلی آئی تھی۔

اونہہ...... جہنم میں جائے۔ اُس نے سوچا اور کاندھے پر تولیہ ڈال کر غسل خانے میں جا گھسا۔

ناشتے کے بعد پھر طبیعت بھاری ہو گئی تھی۔ لہٰذا سارجنٹ رمیش کو فون پر اطلاع دینے تھا کہ وہ آفس نہ پہنچ سکے گا پھر خواب گاہ میں جا گھسا۔ کبھی سوتا...... کبھی جاگتا...... اور کبھی اونگھتا رہتا۔ ایک بار فون کی گھنٹی نے جگایا۔ پھر اس کے بعد سونا نصیب نہ ہوا کیونکہ وہ کی کال تھی اور وہ اُسے فوری طور پر ہوٹل ڈی فرانس میں طلب کر رہی تھی۔

حمید نے تابڑ توڑ تیاری کی اور گیراج سے لنکن نکال کر ہوٹل ڈی فرانس کی طرف روانہ ہوا۔ فریدی خود غائب تھا لیکن گاڑی گیراج ہی میں موجود تھی۔

کلارا بھی لان ہی پر ٹہلتی مل گئی۔ اُس نے بڑے پر جوش انداز میں حمید کا استقبال کیا۔

''ہیلو کیپٹن......تم مجھ سے ضرور ناراض ہو گئے ہو گے۔''

''کس بات پر۔''

''میں اُس دن تمہیں بتائے بغیر ایگل بیچ سے چلی آئی تھی۔ مگر تم تھے ہی کہاں اُس وقت......تمہاری عدم موجودگی ہی نے مجھے اکتاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا اور میں بھاگ نکلی تھی۔''

''کوئی بات نہیں......اب کیا حکم ہے خادم کے لئے۔''

''میں بہت پریشان ہوں کیپٹن......دو دن سے میرے ڈیڈی لاپتہ ہیں۔''

''لاپتہ ہیں......کیا مطلب......؟''

''پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وہ میرے علم میں لائے بغیر اس طرح غائب رہے ہوں۔ میری مدد کرو......میں بہت پریشان ہوں۔''

''سفارت خانے کی طرف سے اُن کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرادی گئی ہے یا نہیں۔''

''نہیں......میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔''

''اپنے سفیر کو تو اطلاع دے ہی دی ہوگی۔''

''نہیں ابھی یہ بھی نہیں کیا گیا۔'' کلارا نے طویل سانس لے کر کہا۔ پل بھر خاموشی رہی پھر بولی۔ ''مجھے تم پر اعتماد ہے......تم ایک اچھے دوست ثابت ہوئے ہو۔''

''شکریہ۔''

''میں تمہیں ایک جگہ لے چلنا چاہتی ہوں......ڈیڈی ایک بُری عورت کے چکر میں پڑ گئے ہیں۔ وہ ایک اطالوی رقاصہ ہے......وہاں دیکھ لینے کے بعد ہی میں پولیس یا سفارت خانے کو ان کی گمشدگی کی اطلاع دے سکوں گی۔''

حمید نے چند لمحے پر تفکر انداز میں اپنی گردن سہلائی پھر بولا۔ ''میں تیار ہوں ہر قسم کی خدمت کے لئے۔''

کلارا اپنی گاڑی نہیں لائی تھی اس لئے یہ سفر لنکن کے ذریعہ شروع ہوا۔ کلارا اُس کے

پاس اگلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔

''میں یہاں کی سڑکوں کے نام سے بخوبی واقف نہیں ہوں۔'' کلارا نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''بس دائیں بائیں کہتی رہوں گی۔ فی الحال سیدھے ہی چلو۔''

حمید مطمئن تھا کہ فریدی حسب عادت اُس کی اور کلارا کی نگرانی کرا رہا ہوگا۔ ماضی میں ایسا ہوا تھا۔ وہ خود یک بیک غائب ہو جاتا اور حمید کو قربانی کا بکرا بنا کر مجرموں کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کی کوشش کرتا۔''

لاپروائی ظاہر کرنے کے لئے حمید نے گنگنانا بھی شروع کر دیا۔

گاڑی کچھ دیر بعد شہر کے باہر نکل آئی اور جیسے ہی ایک کراسنگ پر پہنچی بائیں جانب سے آتی ہوئی ایک بڑی سی سیاہ رنگ کی بند گاڑی اس طرح رکی کہ حمید کو بھی بریک لگانے پڑے۔ اُس کا ڈرائیور اپنی سیٹ سے کود کر گالیاں بکتا ہوا لنکن کی طرف جھپٹا۔

''کیا بکواس کر رہا ہے غلطی تیری ہے۔'' حمید غرایا۔

''باہر نکلو تو بتاؤں۔''

''پیچھے ہٹتا ہے یا......!''

دفعتاً اُسی سیاہ گاڑی سے ایک لحیم شحیم آدمی بھی کودا اور کلارا والی سائیڈ میں آ کھڑا ہوا۔ اب حمید کا ہاتھ بے ساختہ ہولسٹر پر جانا چاہئے تھا۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکا کیونکہ اُس کی سائیڈ پر کھڑے ہوئے آدمی نے اُس کی توجہ ہٹتے ہی اُس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے تھے۔ اُس نے جدوجہد کرنی چاہی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ فولادی پنجے رہے ہوں جن کے دباؤ سے کلائی کی ہڈیاں چٹختی ہوئی سی لگ رہی تھیں۔

حمید کو اس زور کا طیش آیا تھا کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر اُس آدمی کے ٹکڑے اڑا دینے پر تل گیا تھا۔ اسی حالت میں وہ کھڑکی سے باہر کھینچ لیا گیا۔

اور پھر اُسے ہوش نہیں رہ گیا کہ کس طرح وہ اُس بند گاڑی میں پہنچا تھا۔ کلارا بھی تھی اور ایک دیو پیکر آدمی جس کے چہرے سے درندگی ٹپک رہی تھی۔ وہ غالباً ان دونوں کی نگرانی کر رہا تھا۔

حمید نے محسوس کیا کہ اس دوران میں اس کا بغلی ہولسٹر بھی خالی ہو چکا ہے۔ دفعتاً اُس نے کلارا کی آواز سنی اور بھونچکا رہ گیا کیونکہ وہ بہت صاف اور شستہ اردو میں اُس لحیم شحیم آدمی سے کہہ رہی تھی۔ ''کہیں تو پاگل تو نہیں ہو گیا۔ یہ کیا حرکت تھی۔''

''ہائیں......تم تو بڑی اچھی اردو بول سکتی ہو۔'' حمید اُس آدمی کے کچھ بولنے سے پہلے ہی بول پڑا۔ لیکن وہ حمید کی طرف دھیان دیئے بغیر اُس درندہ نما انسان کو گھورتی رہی۔

''باس کا حکم مسی......اس وقت میں ہوش میں ہوں۔'' وہ کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''ڈیڈی کہاں ہیں۔''

''جہاں ہیں وہیں لے جا رہا ہوں۔''

حمید نے طویل سانس لی اور اس طرح منہ چلانے لگا جیسے دیدہ دانستہ کوئی بدمزہ چیز کھا گیا ہو۔ لیکن وہ مطمئن تھا کہ فریدی کی بلیک فورس یقینی طور پر جاگ رہی ہوگی۔

کلارا اب اُس سے بے توجہی برت رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کبھی کی جان پہچان ہی نہ ہو۔ حمید نے بھی بڑے اطمینان سے تمباکو کی پاؤچ نکالی اور پائپ بھرنے لگا۔

پھر شائد پندرہ یا بیس منٹ بعد گاڑی رکی تھی۔ اُس کا پچھلا دروازہ کھلا تھا اور ڈرائیور نے اُنہیں نیچے اُترنے کا حکم دیا تھا۔

وہ ایک کمرے میں پہنچائے گئے۔ حمید کو ایک سیاہ پوش نظر آیا جو دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ چہرے کے سیاہ غلاف سے صرف دو خونخوار آنکھیں جھانک رہی تھیں۔

''یہ سب کیا ہے ڈیڈی۔'' کلارا نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

''میں مجبور ہو گیا ہوں۔ کرنل فریدی کی قید میں ہوں۔'' سیاہ پوش نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیا مطلب......؟''

''میرے......میرے......اعصاب جواب دے چکے ہیں۔ میں دیر تک بات نہیں

کرسکتا۔ اس نے وعدہ کیا ہے بات پھیلے گی نہیں......تم اُسے سب کچھ بتا دو......مم......میری زز......زبان اینٹھی جا رہی ہے۔ تمفر ریف......ریف......فررفرر......فرپ......!''

اور وہ خاموش ہو گیا۔ حمید نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''کلارا ڈیئر دیکھا تم نے......تم لوگ ہمیں پس ماندہ سمجھتے ہو......لیکن اب میرے چیف کی سائنس دیکھو۔''

''کیا ہوا ہے......ڈیڈی تمہیں۔'' کلارا اُس کی طرف بڑھی ہی تھی کہ بدزبان ڈرائیور نے جھپٹ کر اُس کا بازو پکڑ لیا۔

''مرنے کا ارادہ ہے۔'' وہ کسی چڑچڑے آدمی کی طرح بولا۔

''ہاتھ لگایا تم نے اور اس زور کا الیکٹرک شاک لگے گا کہ ہڈیاں چور ہو جائیں گی۔''

حمید پھر ہنس پڑا۔ کلارا اُسے خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی۔

ڈرائیور نے کلارا کو دروازے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن تم فکر نہ کرو......یہ مر نہیں سکتا۔''

وہ اُس کمرے سے نکل آئے۔ لحیم شحیم آدمی اُسی کمرے میں سیاہ پوش کے ساتھ رہ گیا تھا۔ وہ دوسرے کمرے میں لائے گئے۔ ڈرائیور انہیں وہاں بٹھا کر باہر چلا گیا۔ حمید خاموش تھا۔ معاملات ابھی تک اُس کی سمجھ سے باہر تھے۔ پندرہ یا بیس منٹ بعد فریدی کمرے میں داخل ہوا۔ بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ اُس نے حمید کی طرف دیکھا تک نہیں۔

کلارا کے سامنے بیٹھتے ہوئے بیحد خشک لہجے میں بولا۔ ''میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''

''کیا پوچھنا ہے۔'' کلارا غرائی۔

''ناصر مرزا کی کیا پوزیشن ہے؟''

''کچھ بھی نہیں......وہ صرف روزا کا میزبان تھا۔ روزا ہمارے ہی اسٹاف سے تعلق رکھتی ہے۔ ناصر مرزا کو اس کا علم نہیں اور یہ بھی غلط نہیں کہ وہ اس کے ایک دوست کی بیٹی ہے۔ تم نے میرے باپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔''

''تم صرف میرے سوالات کے جواب دو گی۔''

"پوچھو......!" کلارا کا لہجہ بھی اچھا نہیں تھا۔

"روزا کا کیا رول رہا ہے۔"

"اُسی کتیا کی بدولت یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ اُس کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ کچھ بڑے لوگوں کے عادات واطوار اور مشاغل کا مطالعہ کر کے ہمیں رپورٹ دے۔ یہ رپورٹ وہ چیمپئن کے توسط سے ہم تک پہنچایا کرتی تھی۔ یہ اس لئے تھا کہ ہمارا اور اس کا تعلق ظاہر نہ ہونے پائے۔ پھر وہ چیمپئن کو چاہنے لگی اور اسی حرکت نے ہمیں تباہی کی طرف دھکیلا...... غیر معینہ اوقات میں بھی چیمپئن سے ملنے لگی۔ اسی بناء پر ناصر مرزا کو دونوں کے تعلقات کا علم ہو سکا اور وہ چونکہ اُسے اپنی ذمہ داری پر یہاں لایا تھا لہٰذا وہ اُسی کی دیکھ بھال کے سلسلے میں اس کا تعاقب کرنے لگا۔ روزا اس بُری طرح چیمپئن پر فریفتہ ہوئی تھی کہ سارا ہی وقت اُس کے ساتھ گزارنے کی سوچنے لگی۔ لہٰذا جب بھی اُسے علم ہو جاتا کہ ناصر مرزا اُس کا تعاقب کر رہا ہے وہ پبلک مقامات پر ایسی حرکتیں کر بیٹھتی کہ ناصر مرزا وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا۔ میں نے سنا ہے کہ وہ اکثر بڑے ہوٹلوں اور ریسٹورانوں کی میزوں پر سر کے بل کھڑی ہوگئی ہے۔ اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا تھا کہ وہ لوگ خود ہی اُس کی طرف متوجہ ہونے لگے تھے جن کی نگرانی اُس کے ذریعہ کرانی مقصود تھی۔"

"کن لوگوں کی نگرانی......؟"

"تمہارے کچھ سرکاری آفیسر ہمارے ملک کے مفاد کے خلاف سوچنے لگے ہیں۔ ایک ایک کر کے ہم اُن کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔"

اس جواب پر کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی پھر فریدی نے کہا۔ "تم نے روزا کو ختم کیوں نہیں کر دیا۔"

"چیمپئن کے خاتمے کے بعد ہم اسی کے امکانات پر غور کر رہے تھے کہ خود ہی اُس نے خودکشی کی کوشش کر ڈالی۔ چیمپئن کو ہم نے سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بھی پاگل ہو رہا تھا۔ مجبوراً اُس کا خاتمہ ہی کرنا پڑا۔ روزا کی برین واشنگ ہی پر اکتفا کی گئی۔ یہ ہم نے اس لئے کیا

کہ تم لوگ روزا کے معاملے میں الجھ جاؤ اور ہم تمہارا ہی خاتمہ کر دیں۔ ناصر مرزا بارسوخ ی ہے۔ ہم نے سوچا کہ روزا کے معاملے میں وہ تمہیں نچا کر رکھ دے گا اور اسی دوران ہم ارا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن تم ڈیڈی پر کس طرح ہاتھ ڈال سکے۔"

"آشا بلڈنگ میں......!" فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "تمہیں چاہئے تھا مہارے رومال غائب کر دینے کے بعد چپ چاپ وہاں سے رخصت ہو جاتیں۔ اپنے ی سے فون پر گفتگو کرنے کی جو حماقت تم سے سرزد ہوئی تھی وہی تم پر میری گرفت کا باعث گئی۔ جس وقت تم ایگل بیچ سے روانہ ہوئی ہو اُسی وقت سے تمہارا تعاقب شروع کر دیا گیا ا پھر جہاں تم اس کے بعد گئی تھیں اُس عمارت سے برآمد ہونے والے ہر شخص کا تعاقب کیا تا رہا اور بالآخر تمہارے ڈیڈی آشا بلڈنگ میں اُس وقت پکڑے گئے جب وہ شفقت دی نٹ کو انجکشن دے کر ہمارے رومال سنگھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ شفقت بھی اب میرے ی قبضے میں ہے۔ اُس کی کہانی بھی ضرور سنوں گا۔ تمہارے ڈیڈی کو میں معاف کر دوں گا رطیکہ تم جھوٹ نہ بولو۔"

"مجھے حیرت ہے کہ ڈیڈی نے خودکشی کیوں نہ کر لی۔"

"میری گرفت میں آنے والا صرف میرے ہی ہاتھوں مارا جا سکتا ہے۔ عام طور پر وہ دکشی پر بھی قادر نہیں ہوتا۔"

کلارا کچھ دیر خاموش رہی پھر طویل سانس لے کر بولی۔ "شفقت ایک انجکشن کے تحت صرف اپنی پچھلی زندگی بھول جاتا تھا بلکہ کسی شکاری کتے کی طرح ذکی الحس اور انتہائی درجہ اقتور بھی ہو جاتا تھا۔ جس طرح کسی بلڈ ہاؤنڈ کو کسی کی بو پر لگایا جا سکتا ہے اُسی طرح اس جکشن کے تحت آئے ہوئے ذہنوں سے بھی کام لیا جا سکتا ہے۔ وہ تمہارے رومال کی بو سونگھتا ر چوبیس گھنٹے کے اندر تمہیں تلاش کر کے تمہاری گردن توڑ دیتا۔ محض مشق کے لئے اس سے کئی تل کرائے گئے ہیں۔ چیمپئن اُس کا آخری شکار تھا۔ تمہارے اُن آفیسروں کی گردنیں بھی وہی ڑتا جو ہمارے ملک کے مفاد کے خلاف سوچتے ہیں۔ انجکشن کا اثر زائل ہوتے ہی وہ بھول

جاتا تھا کہ وہ انجکشن لگنے کے بعد سے اس وقت تک کیا کچھ کر چکا ہے۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ وہ مجھے ایسی حالت میں کیونکر پہچان سکا جب انجکشن کے اثرات کے تحت نہیں تھا کیونکہ نارمل ذہنی حالت میں اُس نے مجھے یا ڈیڈی کو کبھی نہیں دیکھا۔ وہ ہمیشہ اُس سے نقاب ہی میں ملتے رہے۔''

''اب اپنے ڈیڈی کے اس پستول کے بارے میں بتاؤ۔''

''میں اس کے بارے میں کیا بتاؤں۔''

''کیا اُس سے کسی کی موت واقع ہوسکتی ہے۔؟''

''نہیں...... اُس کا فائر وقتی طور پر اعصابی تشنج میں مبتلا کر دیتا ہے۔''

''کسی حال میں بھی نہیں مرسکتا۔''

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر یک بیک چونک پڑی اور فریدی کو خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''تت...... تم...... اس پر کیوں اتنا زور دے رہے ہو۔''

''یونہی اپنی معلومات میں اضافہ کے لئے۔''

''تت تم نے ڈیڈی پر...... تو اس سے فائر نہیں کیا تھا۔''

''تم کیا کہنا چاہتی ہو۔''

''ڈیڈی بلٹ پروف پہنتے تھے سیاہ لبادے کے نیچے۔ کسی بھی دھات پر اس کی لہریں پڑجائیں تو دھات ہی میں مقید ہوکر رہ جاتی ہیں اور آدھے گھنٹے تک اس پر ان کا اثر رہتا ہے۔ خدا کی پناہ...... کیا تم نے ڈیڈی کو مار ڈالا۔ بلٹ پروف اُن کے لئے جہنم بن گئے ہوں گے۔ بتاؤ...... بتاؤ۔''

وہ پاگلوں کی طرح چیختی ہوئی فریدی کی طرف جھپٹی تھی لیکن حمید اُن کے درمیان آتا ہوا بولا۔ ''تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ ابھی اپنے ڈیڈی سے گفتگو کر چکی ہو۔''

وہ جہاں تھی وہیں رک گئی اور تھوڑی دیر بعد بولی۔ ''اب ہمیں جانے دو، میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تمہاری حکومت اس معاملے کو منظر عام پر لانا پسند نہ کرے گی۔ زیادہ سے زیادہ یہ

کرسکتی ہے کہ ہمیں ناپسندیدہ قرار دے کر سفارت خانے سے واپس کرادے۔ رہ گئے قتل تو وہ ان کی جوابدہی کے لئے شفقت کو روک سکتی ہے...... اور اُسے قتل کی وارداتوں کے بارے میں کچھ بھی یاد نہیں۔''

''میرے ساتھ آؤ۔'' فریدی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہ انہیں ایک ایسے کمرے میں لایا جسے سرد خانہ ہی کہا جاسکتا تھا اور وہاں...... تو کلارا سچ مچ پاگل ہوگئی۔ کیونکہ اُس کے باپ کی لاش سامنے ہی ایک اسٹریچر پر رکھی ہوئی نظر آئی۔

وہ چیختی رہی اور چیختے چیختے بالآخر بیہوش ہوکر گر پڑی۔

حمید اس طرح اپنی کھوپڑی سہلا رہا تھا جیسے دماغ پر گرمی چڑھ گئی ہو۔ فریدی نے اُسے سفاک سی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا اور بولا۔ ''وہ سیاہ پوش میں خود تھا۔ صرف یہ دیکھنے کے لئے کلارا کو یہاں اس طرح بلوایا تھا کہ وہ مجھے اس سلسلے میں کیا بتا سکے گی۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ اپنے باپ کے ہر راز میں پوری طرح شریک ہوتی۔ اگر اُس پر پہلے ہی ظاہر ہوجاتا کہ اُس کا باپ مر چکا ہے تو وہ کبھی زبان نہ کھولتی۔''

''اور یہ ناصر مرزا......!''

''دل کا بُرا نہیں ہے۔ پشتینی دولت مند عموماً احمق اور مخلص ہوتے ہیں۔ اُن لوگوں نے اُسے اس طرح آلۂ کار بنایا تھا کہ اُسے اس کا علم بھی نہ ہوسکے اور اس کا انتخاب اس لئے کیا تھا کہ سارے ہی بڑے آفیسر اور ذمہ دار لوگوں سے اُس کی دوستی ہے۔ اُس کے توسط سے روزا بہ آسانی ان تک پہنچ سکتی۔ وہ خود ہی اس کی طرف متوجہ ہوتے رہے ہوں گے۔ کیا خیال ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا اور وہ پرتشویش نظروں سے بیہوش کلارا کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اُس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''پتہ نہیں کیا بات ہے جسے بھی چاہتا ہوں آخر کار فراڈ ثابت ہوتی ہے۔''

''کیا تم فراڈ نہیں ہو۔ کیا میں فراڈ نہیں ہوں۔ ضرورت بُری بلا ہے۔ کیا میرا یہ فعل کسی بھی اخلاقی ضابطے کی رو سے پسندیدہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ میں ایک بیٹی کے مردہ باپ کی جگہ

لے کر اُس سے کچھ معلوم کروں اور پھر اُسے اس کی لاش کے پاس لے آؤں۔"

حمید خاموش رہا۔

فریدی نے تھوڑی دیر بعد ایک طویل سانس لی اور بولا۔ "لیکن یہ میں نے اپنے لئے نہیں کیا...... ملک وقوم کے تحفظ کے لئے بعض اوقات سارے ضوابط تہہ کر کے طاق نسیاں پر رکھ دینے پڑتے ہیں۔"

کمرے کا سکوت کسی قبرستان کے سناٹے سے کم نہیں تھا۔

ختم شد